رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میدانِ جہاد میں

اسلام بک ڈپو
042-37112941

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ میدانِ جہاد میں

احسان بی اے

اسلام بک ڈپو
۱۲ گنج بخش روڈ لاہور
فون :042-37112941

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس کتاب کے جملہ حقوق برائے
اسلام بک ڈپو محفوظ ہیں

رسول اکرم ﷺ میدان جہاد میں

مصنف : احسان بی۔اے

بار اول : جون 2012ء

بار دوئم : ستمبر 2013ء

پرنٹرز : آصف صدیق پرنٹرز

ناشر : چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول
میاں شہزاد رسول

قیمت : /- روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

پروگریسو بکس
6۔ یوسف مارکیٹ ۰ غزنی سٹریٹ اُردو بازار ۰ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5۔ مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

اسلام بک ڈپو ۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941
0323-8836776

Marfat.com

اللھم لولا انت ما اھدینا	اے خدا اگر تو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
ولا تصدقنا ولا صلینا	نہ خیرات کرتے نہ نماز پڑھتے۔
فاغفر فداء لك ما اتقینا	ہم تجھ پر فدا ہوں جو احکام بجا نہیں لاتے انہیں معاف کردے
والق سکینة علینا	اور ہم پر تسلی نازل فرما
انا اذا اصیح بنا اتینا	جب ہم فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو پہنچ جاتے ہیں
وثبت الاقدام ان لا قینا	اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ
وبالصیاح عولو علینا	لوگوں نے پکار کو ہم سے استغاثہ چاہا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

باب ❶ ۔ جہاد کا مفہوم ۹

نفس سے جہاد ۱۰
جہاد بالقرآن ۱۱
جہاد بالمال ۱۱
ہر آن جہاد ۱۳
افضل ترین قسم
قتال ہے ۱۴

باب ❷ ۔ عمل اور ردِ عمل ۲۲

واشگاف کہہ دے ۲۵
تبلیغ کا پہلا عام دن ۲۶
دوسرا دن ۲۷
دور ردِ عمل ۲۷
مکی معاشرہ ۲۸
قانونیت اور مرکزیت کا پرچم ۳۲
بارد جنگ ۳۳
صورتِ حال کا تغیر ۳۶
فیصلہ کن شکست ۳۷

باب ❸ ۔ مدینہ میں ۳۹

قریش کی جنگی تیاریوں کی خبریں ۴۰
دفاعی جنگ ۴۲
اصولِ دفاع ۴۳
اسلام کی دفاعی تیاریاں ۴۶

Marfat.com

اخلاقی تربیت	۴۷	اسوۂ رسول ﷺ	۵۲
سیاسی تیاریاں	۴۹	دوسرے اقدامات	۵۵
مدینے کا جغرافیہ اور معاشرہ	۵۰	مہماتی سفر	۵۹
مدینے کی سیاست	۵۱	نتیجہ	۶۲

باب ۴ ـ جنگِ بدر کا دیباچہ ۶۴

حجاز کے تجارتی راستے	۶۴	لشکرِ کفار کی روانگی	۷۷
مدینہ کی اہمیت	۶۸	لشکرِ اسلام کا کوچ	۷۷
ابوجہل کی شخصیت	۶۸	خبر رسیاں	۸۰
غزوۂ بدر کی ابتداء	۷۱	غیر مشروط اطاعت کا عہد	۸۱
مکہ کی نفسیاتی کیفیت	۷۵		

باب ۵ ـ غزوۂ بدر ۸۲

لشکرِ کفار کی آمد	۸۲	لشکرِ اسلام میں جنگ کی تیاریاں	۸۷
لشکرِ اسلام کا درود	۸۳	لشکرِ کفار میں جنگ کی تیاریاں	۹۲
لشکروں کے اجزائے ترکیبی	۸۴	جنگ	۹۳

باب ۶ ـ دوسری جنگ کی تیاریاں ۹۵

قریش کا جوشِ انتقام	۹۶	سبوتاژ کرنے والوں کی سرکوبی	۱۰۳
ابوسفیان کی تیاریاں	۹۷	مومن اور منافق کا فرق	۱۰۵
تجارتی ناکہ بندی	۱۰۰	دونوں طرف کی تیاریوں کا فرق	۱۰۷

باب ۷ ـ غزوۂ احد ۱۰۹

مشاورتی کونسل	۱۱۰	مشرکین کی صف بندی	۱۱۶

Marfat.com

لشکرِ اسلام کی صف بندی ۱۱۷
جنگ ۱۱۷

باب ۸ ۔ غزوۂ احد کے اثرات ونتائج ۱۳۳

اصلاح کی تعلیم ۱۳۳
مشرکین کا طرزِ عمل ۱۳۵
افراد کو اذیتیں ۱۳۶
غزوۂ بنونضیر ۱۳۹
سفارتی سرگرمیاں ۱۴۴
قریش اور بنوغطفان کے تعلقات ۱۴۶
صلوٰۃ خوف ۱۴۷
بنوغطفان اور دوسرے قبائل ۱۴۷
دارالاسلام میں تیاریاں ۱۴۸

باب ۹ ۔ غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق ۱۵۲

بنوقریظہ کا نقضِ عہد ۱۵۴
منافقین ۱۵۴
مسلمانوں کے حوصلے ۱۵۵
شہری دفاع کے انتظامات ۱۵۷
لشکرِ اسلام کی تقسیم ۱۵۸
محاصرے کے دن ۱۵۸
کفار کی پسپائی ۱۶۱
بنوقریظہ کا استیصال ۱۶۳

باب ۱۰ ۔ دورِ فتوحات ۱۶۵

یہودیوں کی شکست ۱۶۷
مشرکین کی شکست ۱۷۳
صلح حدیبیہ ۱۷۳
فتح مبین ۱۸۰
فتح مکہ ۱۸۳
حنین اور طاف اور طائف ۱۸۸
معرکۂ اوطاس ۱۹۴
محاصرۂ طائف ۱۹۴
اسلام کی عالمی حیثیت کا قیام ۱۹۷
اسلام اور جاگیردارانہ نظام ۱۹۸
دعوتِ اسلام ۱۹۹
کسریٰ ایران کا ردِّ عمل ۲۰۱
عراق اور شام کے سرحدی علاقے ۲۰۲
جنگ موتہ ۲۰۴

Marfat.com

غزوۂ تبوک ۲۰۸ لشکرِ اسامہ کی روانگی ۲۱۲

باب ۱۱ ۔ نگاہِ واپسیں ۲۱۸

باب ۱۲ ۔ اسلام کے قوانین جنگ و صلح ۲۲۵

معروف و منکر ۲۲۷ قتال فی سبیل اللہ اور

اسلام کا اصولِ تبلیغ ۲۲۸ عام جنگوں کا فرق ۲۴۳

چوتھی ذہنی حالت ۲۳۲ نتیجہ ۲۴۵

اسلامی جنگ کے مقاصد ۲۳۲ مسلمان میدانِ جنگ میں ۲۴۵

دارالاسلام پر حملہ ۲۳۳ لونڈی اور غلام ۲۴۷

مظلوم مسلمانوں کی امداد ۲۴۰ مالِ غنیمت اور فے ۲۵۰

فتنہ و فساد ۲۴۱ اسلام کا قانونِ صلح ۲۵۳

Marfat.com

باب: ❶

جہاد کا مفہوم

علمانے جہاد کا جو مفہوم بیان کیا ہے۔اسے مختصراً ان لفظوں میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ لفظ ''جہاد'' جہد سے مشتق ہے اور جہد کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں ان معنوں کے پیش نظر علماء لفظ جہاد کو بڑے وسیع معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

مولانا سیّد سلیمان ندوی مرحوم فرماتے ہیں۔ ❶ ''اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''جہاد'' اور ''قتال'' دونوں ہم معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔قرآن پاک میں دونوں لفظ الگ الگ استعمال ہوئے ہیں۔اس لیے ''جہاد فی سبیل اللہ'' (اللہ کی راہ میں جہاد کرنا) اور ''قتال فی سبیل اللہ'' (اللہ کی راہ میں لڑنا)۔ان دونوں لفظوں کے ایک معنی نہیں ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے۔یعنی ہر جہاد، قتال نہیں ہے۔ بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں سے لڑنا بھی ہے۔''

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی ❷: ''جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش صَرف کر دینا۔ یہ محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے تو قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔''

اس خیال کی تائید متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں سے چند ❸ ذیل میں درج

---

❶ سیرت النبی ﷺ جلد پنجم ❷ تفہیم القرآن جلد اول

❸ اُردو ترجمہ مشکوۃ شریف جلد دوم

Marfat.com

کی جاتی ہیں:۔

''عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا ''کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟'' عرض کیا ''ہاں'' فرمایا ''ان کے پاس رہ اور جہاد کر'' (یعنی ان کی خدمت کر کہ جہاد کا ثواب رکھتی ہے) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ''اپنے ماں باپ کے پاس واپس جا اور اچھی طرح ان کی خدمت کر۔''

(بخاری و مسلم)

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا مدینہ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اس سفر میں نہ تو تمہارے ساتھ چلے ہیں اور نہ کسی وادی کو انہوں نے عبور کیا ہے مگر بایں ہمہ وہ ثواب میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) اور وہ لوگ مدینہ ہی میں ہیں (یعنی ہمارے ساتھ جہاد کو نہیں گئے۔ تب بھی وہ ثواب میں شریک ہیں) فرمایا وہ مدینہ میں ہیں اور عذر نے ان کو تمہارے ساتھ جانے سے روکا ہے۔''

علماء نے جہاد کی متعدد قسمیں قائم کی ہیں۔ چند معروف قسمیں حسب ذیل ہیں۔

نفس سے جہاد:۔

مولانا سیّد سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔ ''علمائے دل کی اصطلاح میں ''جہاد'' کی سب سے اعلیٰ قسم خود اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے اور اسی کا نام ان کے ہاں ''جہادِ اکبر'' ہے۔''

سورۃ عنکبوت میں ارشاد ہوا ہے:

''اور [1] جو کوئی جہاد کرتا ہے (یعنی محنت اٹھاتا ہے) وہ اپنے ہی نفس کے لیے جہاد کرتا ہے۔ اللہ تو جہان والوں سے بے نیاز ہے۔''

---

[1] ترجمہ اور تشریح الفاظ مولانا سلیمان ندوی مرحوم۔

Marfat.com

آگے چل کر مولانا مرحوم فرماتے ہیں۔ ترمذی، طبرانی، حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ

''یعنی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ ''تم پہلوان کس کو کہتے ہو؟'' عرض کیا'' جس کو لوگ پچھاڑ نہ سکیں۔'' فرمایا نہیں ''پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔'' یعنی جو اس پہلوان کو پچھاڑ سکے جو اس حریف کو زیر کر سکے جس کا اکھاڑہ خود اس کے سینہ میں ہے۔''

جہاد بالقرآن:۔

سورۂ فرقان کی پانچویں آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا

''تو کافروں کو کہا نہ مان اور اس (قرآن) کے ذریعہ ان سے جہاد کر۔ بڑا جہاد۔''

سیّد سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔ ''اسی قرآنی جہاد و مقابلہ کو اللہ تعالیٰ نے ''بڑا جہاد'' اور بڑے زور کا مقابلہ فرمایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ اس جہادِ بالعلم کی اہمیت قرآن کی نظر میں کتنی ہے۔ علماء نے بھی اس کی اہمیت کو محسوس کیا ہے اور اس کو جہاد کا مہتمم بالشان درجہ قرار دیا ہے۔ امام ابوبکر رازی حنفی نے ''احکام القرآن'' میں اس پر لطیف بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ جہاد بالعلم کا درجہ جہاد بالنفس اور جہاد بالمال دونوں سے بڑھ کر ہے۔

جہاد بالمال:۔

مولانا سیّد سلیمان ندوی:

''قرآن پاک میں مالی جہاد کی تنبیہ و تاکید کے متعلق بکثرت آیات ہیں بلکہ بمشکل

Marfat.com

کہیں جہاد کا حکم ہوگا۔ جہاں جہاد باکمال کا ذکر نہ ہو اور قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ ان میں سے ہر ایک موقع پر جان کے جہاد پر مال کے جہاد کو تقدم بخشا گیا ہے۔ جیسے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: ''ہلکے یا بھاری ہو کر جس طرح ہو نکلو اور اپنے مال اور اپنی جان سے خدا کے راستے میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کو معلوم ہو۔''

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ.

ترجمہ: ''مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر اس میں شک نہیں کیا اور اپنے مال اور اپنی جان سے خدا کے راستہ میں جہاد کیا۔ یہی سچے اُترنے والے ہیں۔''

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ

ترجمہ: ''اپنے مال اور اپنے نفس سے جہاد کرنے والوں کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ کی فضیلت دی ہے۔''

اس تقدم کے کئی اسباب اور مصلحتیں ہیں۔

ا۔ میدانِ جنگ میں ذاتی اور جسمانی شرکت ہر شخص کے لیے ممکن نہیں لیکن مالی شرکت ہر ایک کے لیے آسان ہے۔

ب۔ جسمانی جہاد یعنی لڑائی کی ضرورت ہر وقت نہیں پیش آتی لیکن مالی جہاد کی ضرورت ہر وقت اور ہر آن ہوتی ہے۔

ج۔ انسان کی کمزوری یہ ہے کہ مال کی محبت اس کی جان کی محبت پر اکثر غالب آ جاتی ہے۔

Marfat.com

اس لیے مال کو جان پر مقدم رکھ کر ہر قدم پر انسان کو اس کی اس کمزوری پر ہوشیار کیا گیا ہے۔"

ہر آن جہاد:۔

"زید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے کسی جہاد کرنے والے کا سامان درست کر دیا۔ اس نے گویا جہاد ہی کیا اور جو شخص جہاد کرنے والے کے اہل وعیال کا خدمت گزار بنا اس نے بھی گویا جہاد ہی کیا یعنی اِن دونوں کا ثواب جہاد کے برابر ہے۔" (بخاری و مسلم)

"بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مجاہدوں کی عورتوں کی حُرمت ان عورتوں کی حرمت کے مقابلہ میں جن کے شوہر جہاد کو نہیں گئے ہیں ماؤں کی حُرمت کے برابر ہے۔" (صحیح مسلم)

"ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص مُہار ڈالی ہوئی اونٹنی لے کر حاضر ہوا کہ یہ اونٹنی خُدا کی راہ میں (دیتا ہوں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن اس کے بدلے میں تجھ کو سات ہزار اونٹنیاں ملیں گی اور ان سب کے مہار پڑی ہو گی۔" (صحیح مسلم)

"ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ہذیل کی شاخ بنی عیان کی طرف ایک لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا اور فرمایا "ہر دو آدمیوں میں سے ایک آدمی لشکر میں جائے (یعنی ہر قبیلہ میں سے آدھے آدمی جائیں) اور ثواب سب کو یکساں ملے گا۔" (صحیح مسلم)

"آپ ﷺ نے فرمایا "ایک بڑا جہاد کسی ظالم کے سامنے انصاف کی بات کہہ دینا ہے۔"

مولانا سید سلیمان ندوی: ہر "نیک کام" اور ہر فرض کی ادا میں اپنی جان و مال و دماغ

Marfat.com

کی قوت صَرف کرنے کا نام بھی اسلام میں جہاد ہے۔ عورتیں حضور انور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آ کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہم کو غزوات کے جہاد میں شرکت کی اجازت دی جائے۔ ارشاد ہوا "تمہارا جہاد نیک حج ہے۔" کہ اس مقدس سفر کے لیے سفر کی تمام صعوبتوں کو برداشت کرنا ہی صنفِ نازک کا ایک جہاد ہے۔"

غرض نیک عمل جو بھی ہو جہاد کے مفہوم میں شامل ہے اور کیونکہ مسلمان کو حکم ہے کہ وُہ نیک عمل ہی کرے اور برائی سے ہر دم بچے اس لیے مسلمان کی زندگی ہر آن جہاد ہے اور مسلمان جس میدان میں بھی نیک عمل کر رہا ہو وہ میدانِ جہاد ہے۔

افضل ترین قسم قتال ہے:۔

لیکن یہ سب کچھ کہہ لینے اور سُن لینے کے بعد بھی "قتال فی سبیل اللہ" بہر حال جہاد کی افضل ترین قسم ہے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا از روئے قرآن اور اسوۂ رسول اس کی اہمیت کو کسی بھی حالت میں کسی دوسری قسم سے کم نہیں کیا جا سکتا۔ بدقسمتی سے انگریزی عہد میں ہندی مسلمانوں پر ایک دَور ایسا بھی آیا جس میں بعض ہندوستانی مسلمان علماء نے اس دینی فریضے کی اہمیت کو جہاد کی دوسری قسموں کے مقابلے میں کمتر دکھانے کی کوشش کی۔ ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی شامل تھے جنھوں نے حالات کی نزاکت اور ہندی مسلمانوں کی کم سواری اور بے سامانی کے پیشِ نظر معاشرتی اصلاح کے میدان کو جہاد کا میدان قرار دیا۔ اور قتال کو وقتی طور پر ملتوی کر دینے کا مشورہ دیا۔ تاریخی طور پر اس مصلحت بینی کو غلط نہیں کہا جا سکتا اور اس سے جو فوائد حاصل ہوئے ان سے انکار ممکن نہیں لیکن ان مخلصین کے ساتھ ساتھ ایک اور طبقہ ایسا بھی تھا۔ جس نے حضور ملکۂ عالیہ برطانیہ کو خوش کرنے اور سرکار سے داد چاہنے کے غیر مستحسن مقصد کے تحت اس دینی فریضے کو کمتر ثابت کرنے پر اپنا زورِ علم اور حسن تدبیر صرف کیا۔

اس دور کے کچھ ہی دیر بعد ہندی مسلمان کی ہر دم بیدار اور چوکس رُوح جوشِ الہند

Marfat.com

مولوی شاہ عبد العزیز اور ان کے بھتیجے مولوی عبد الحی کے فتاوی ❶ سے لے کر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی تک کے درمیانی عرصے میں قتال کا فرض ادا کرنے کے لیے بے سروسامانی کے باوجود توپ و تفنگ اور دارورسن سے نبرد آزما ہوتی رہی تھی۔ ایک مختصر سے تعطل کے بعد میدانِ سیاست میں اُتری اور تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔

ہندوستان میں کمپنی کی حکومت کے قیام و استحکام سے لے کر تحریکِ خلافت کے آغاز تک کا زمانہ ہندی مسلمانوں کے شدید ابتلاء اور سخت ترین جدوجہد کا زمانہ تھا۔ اس عرصے میں ہندو قوم نے برطانوی راج کے سایۂ عاطفت میں اپنے ہر مورچے کو درست کیا اور ہندو قومیت کے احیاء اور استحکام کی پوری اور کامیاب کوشش کی۔ ہندو قومیت کے ان مجددین میں بنگال میں ہندو سماج کے مصلح اعظم راجہ رام موہن رائے "انند مسٹھ" نامی ناول کے مصنف اور بنگالی کے مشہور ناول نگار سرت چندر چیٹر جی۔ گیتا کے مترجم اور مفسّر اور سیوا جی مرہٹہ کو ہندو قومیت کے بہت بڑے ہیرو کے طور پر پیش کرنے والے مرہٹہ لیڈر لوکمانیہ تلک اور شمالی ہند میں آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کے نام نمایاں ہیں۔ ان بڑے بڑے ہندو قائدین نے انگریز کی مسلمان دشمنی (جس کی بنیادی وجہ قتال کے اسی فریضے کی بجا آوری پر ہندی مسلمان کی مستعدی تھی) کو خوب خوب استعمال کیا۔ اور ہندو قومیت اور رام راجیہ کے تن مُردہ میں نئی زندگی پھونک دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بادشاہ اور نوابوں کے ساتھ ذاتی وفاداریوں کی بنا پر جو ایک ہم آہنگی نظر آتی تھی۔ یکسر کالعدم ہوگئی۔ اور پہلی عالمگیر جنگ کی ابتدا تک ہندی مسلمان اپنے آپ کو بیک وقت دو طاقت اور حریفوں کا مدمقابل پانے لگے۔ ان میں ایک حریف ان کے نئے حکمران انگریز تھے جو سات سمندر پار سے صلیبی جنگوں کی تمام یادوں کو ورثے میں لے کر آئے تھے اور خلافت کے مرکزی ادارے کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔ مسلمان کو کمزور

---

❶ ان حضرات نے فتوے دیے تھے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ اور ہر مسلمان پر قتال فرض ہے۔ ان فتاوی کے بعد شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریکِ جہاد کا آغاز ہوا۔ جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریز کی حربی برتری پر ختم ہوئی۔

Marfat.com

تر بنا دینا ہی ان کے مفادات کی حفاظت تھی۔ دوسرا حریف ان کے پرانے محکوم تھے۔ جنھوں نے ایک ہزار سال سے ان کے سایۂ اقبال میں آرام کی زندگی گزارنے کے باوجود اپنی حکومت قائم کرنے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔ انہوں نے انگریز کی حکومت میں ایک نیا موقع ڈھونڈ لیا اور اس کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ ان دونوں حریفوں کی طرف سے مسلمانوں پر جو حملے ہو رہے تھے وہ حیثیت میں یکساں لیکن نوعیت میں مختلف تھے۔ انگریز سیاسی اور عربی طور پر مسلمان کو کچل دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ خریدے ہوئے مسلمان مولوی ہوں، ہندو مبلغ اور پنڈت ہوں یا مسیحی پادری سب نے جہاد اور خاص طور پر قتال کی اہمیت کو کم کرنے پر زورِ قلم و زبان خرچ کیا۔ اور مناظروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے مقابلے میں ہندو کی سیاست نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھی۔ اس نے اس معرکے سے ذرا ہٹ کر دوسرے محاذ سنبھالے۔ مسجدوں کی شہادت اور عید الاضحیٰ کے دنوں میں گائے کی قربانی کی مخالفت ان کے حصہ میں آئی۔ دونوں کا مقصد ایک لیکن طریقے جدا جدا تھے۔

اس زمانے میں پہلی عالمگیر جنگ کا آغاز ہوا۔ اور یہ جنگ جوں جوں اپنے انجام کی طرف بڑھتی رہی مسلمانوں کو محسوس ہوتا رہا کہ ان کی دنیوی مرکزیت ......خلافت......شدید خطرے سے دوچار ہے۔ اس احساس نے یکایک دباؤ اور گھٹن کے اس دور میں اظہار کا نیا میدان کھول دیا۔ اور پوری مسلمان قوم یک زبان ہو کر میدان میں اُتر آئی۔ یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ اس وقت انڈین نیشنل کانگرس صرف اس معنوں میں نیشنل تھی کہ ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی اور پارسی اقوام کے وہ بڑے لوگ جو انگریز کے ساتھ تعاون کرنے ہی کو سیاست کی معراج سمجھتے تھے اس جماعت میں شامل تھے اور انگریز سے آزادی حاصل کرنے کا تصوّر اس وقت تک ان میں سے کسی کے ذہن میں نہ تھا۔ ان اقوام کے وُہ قائدین جو انگریز کی حکومت کو استبداد کے نام سے پکارتے اور اس کی پالیسیوں سے اختلاف رکھتے تھے۔ اس جماعت میں شامل ہونے کو اپنی حِس قومیت کی توہین سمجھتے تھے اور ایسے لوگوں کی

Marfat.com

غزوہ بدر

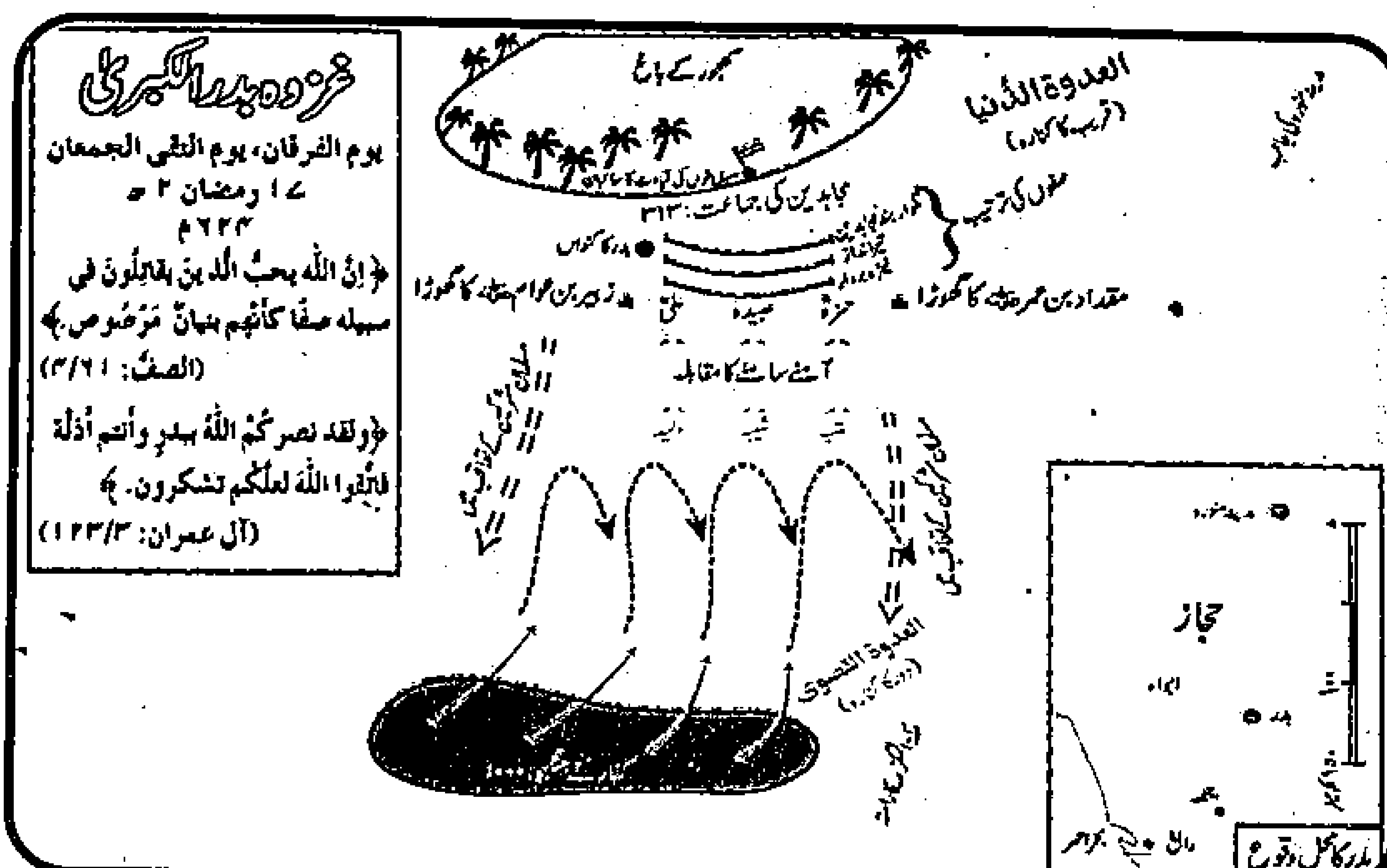

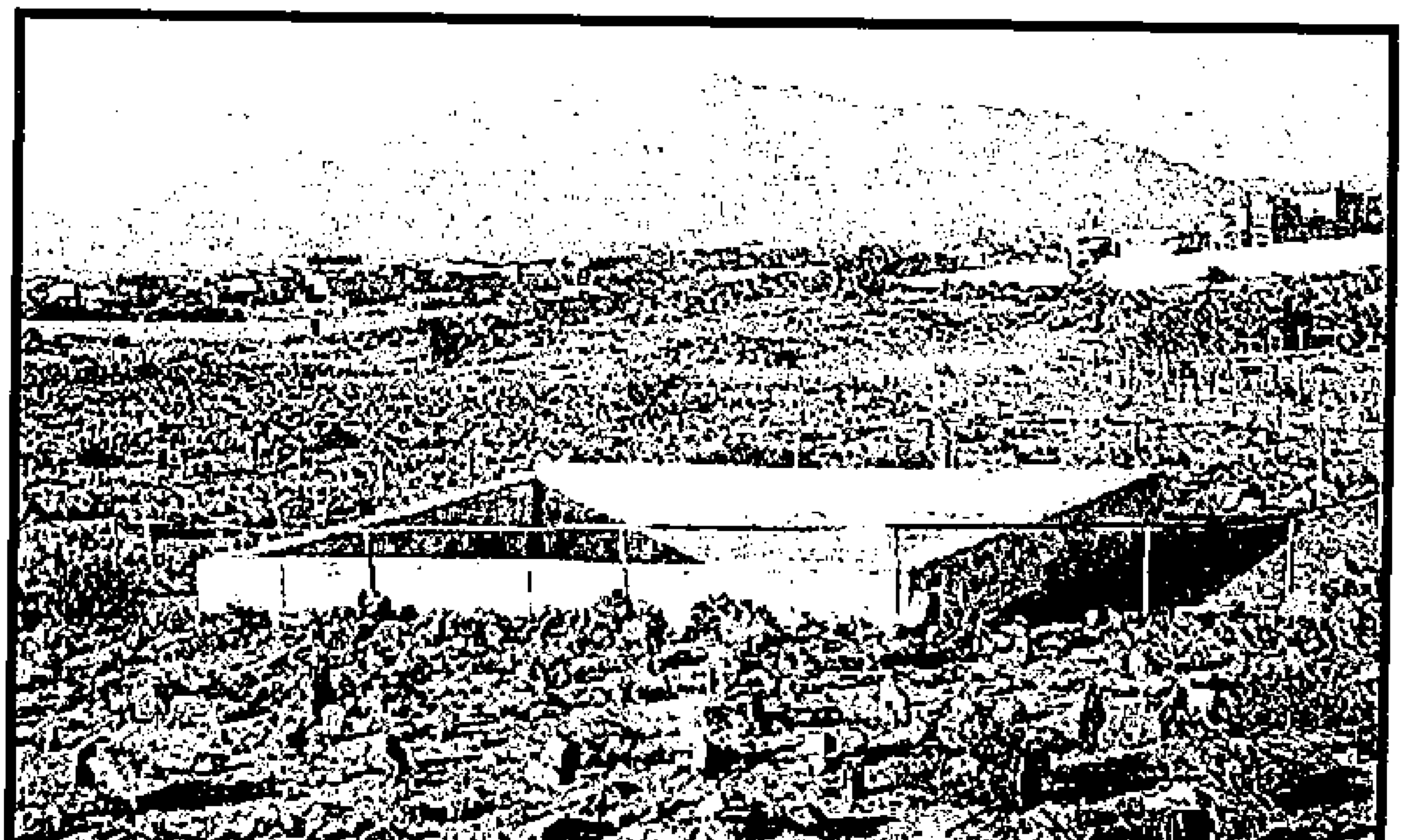

میدان بدر میں رسول اللہ ﷺ کے آرام کرنے کا مقام

Marfat.com

غزوہ احد

۷ شوال ۳ھ مطابق ۲۳ مارچ ۶۲۵ء

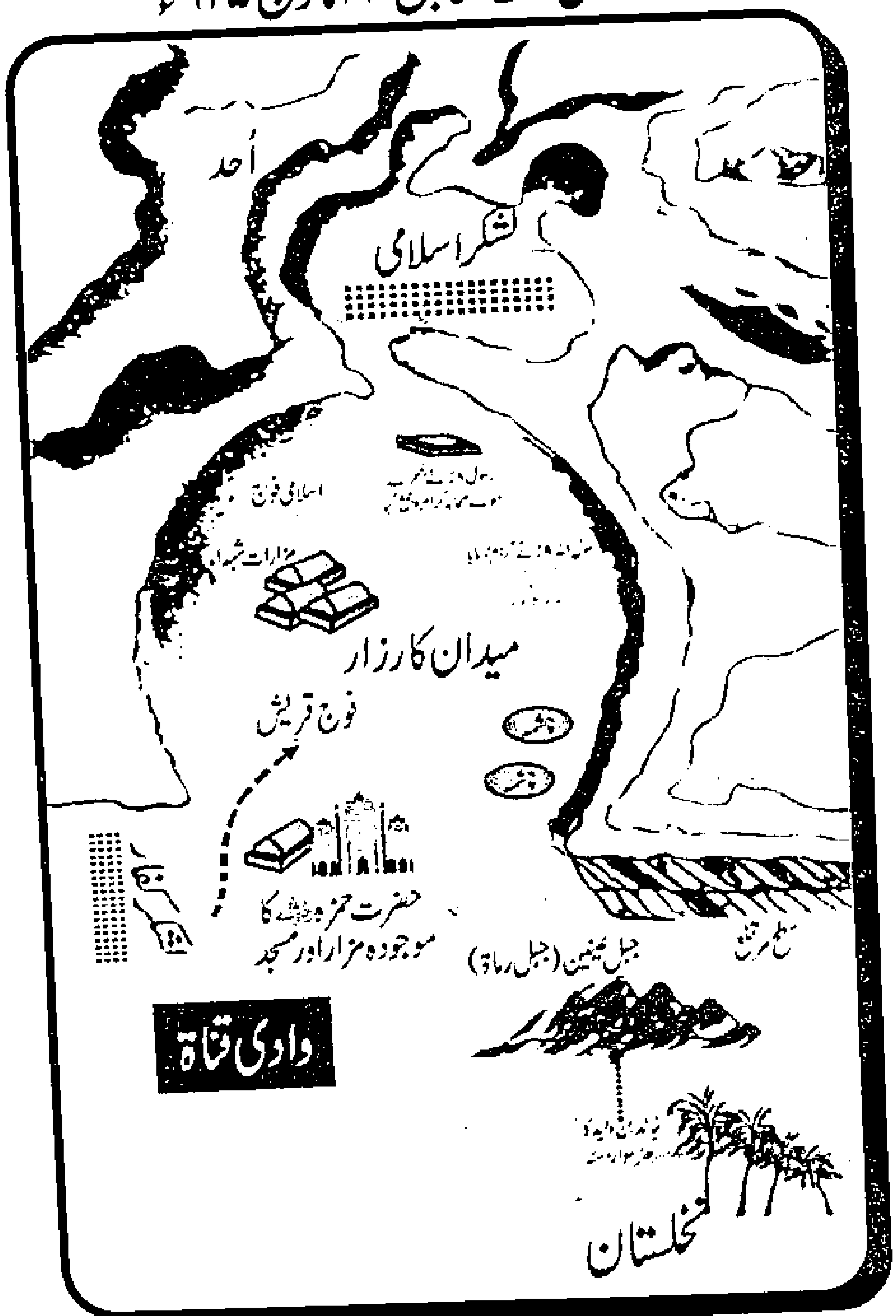

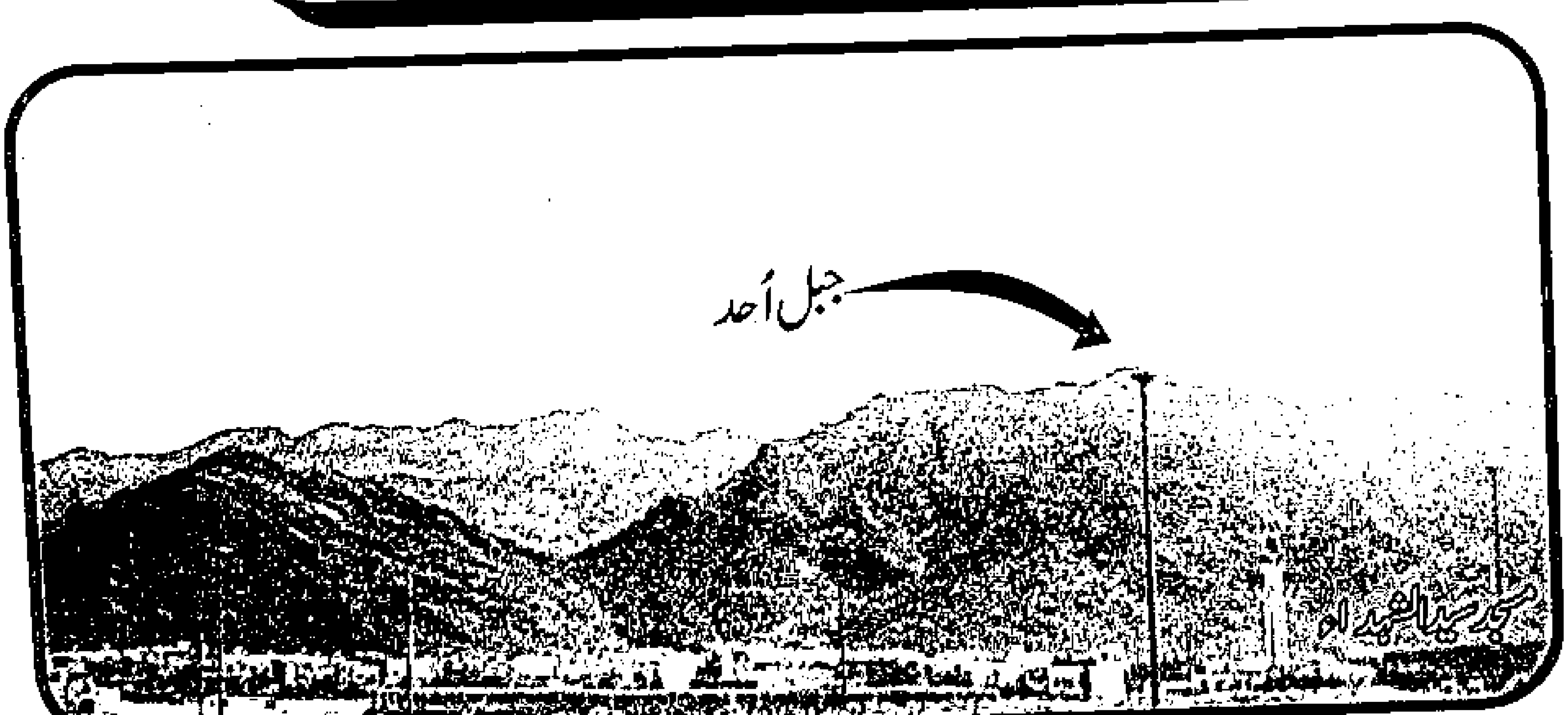

یہ مسجد حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کی شہادت کی جگہ بنائی گئی ہے

Marfat.com

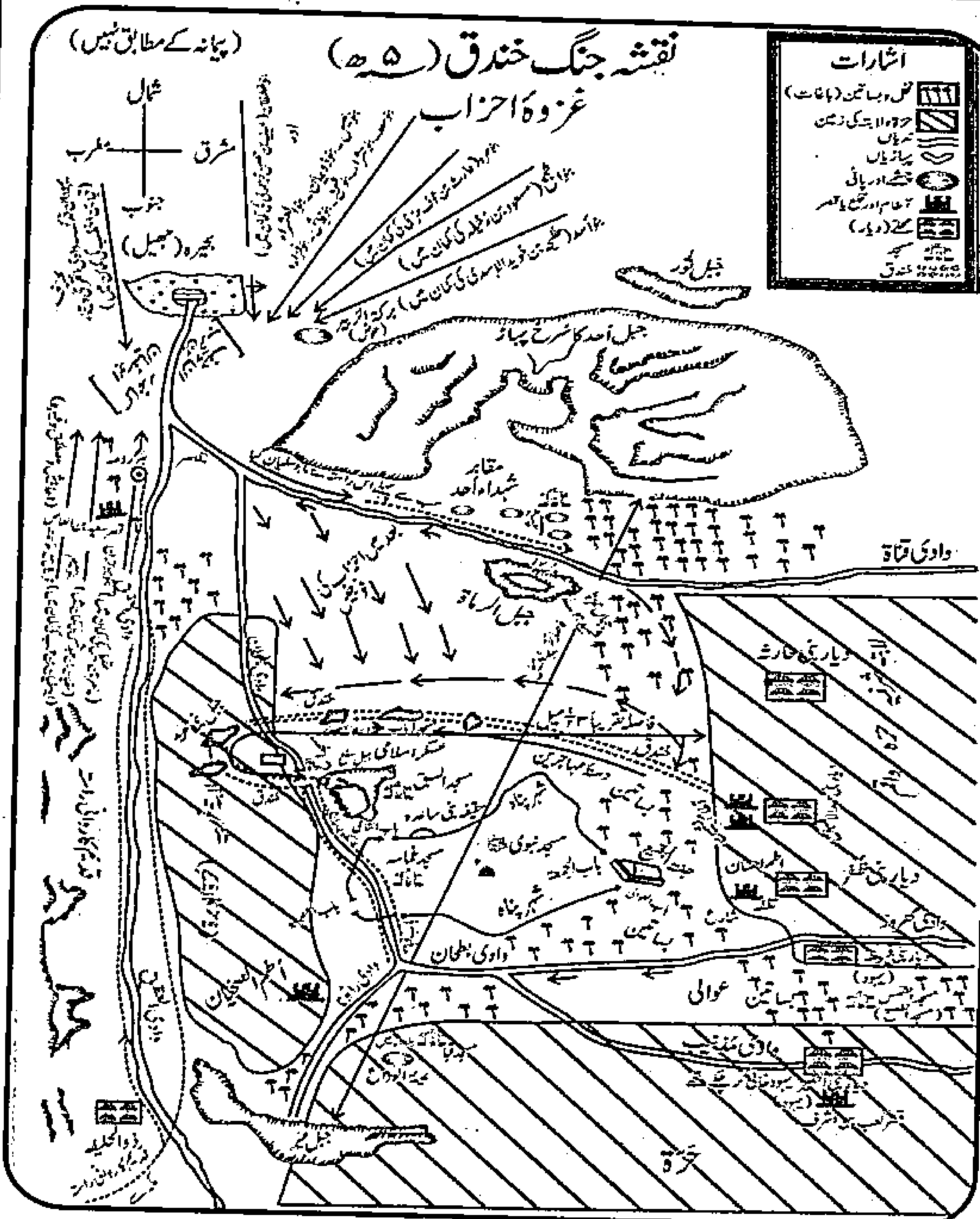

غزوہ خندق میں موجود جبل زباب نامی پہاڑ

Marfat.com

غزوہ بنی قریظہ

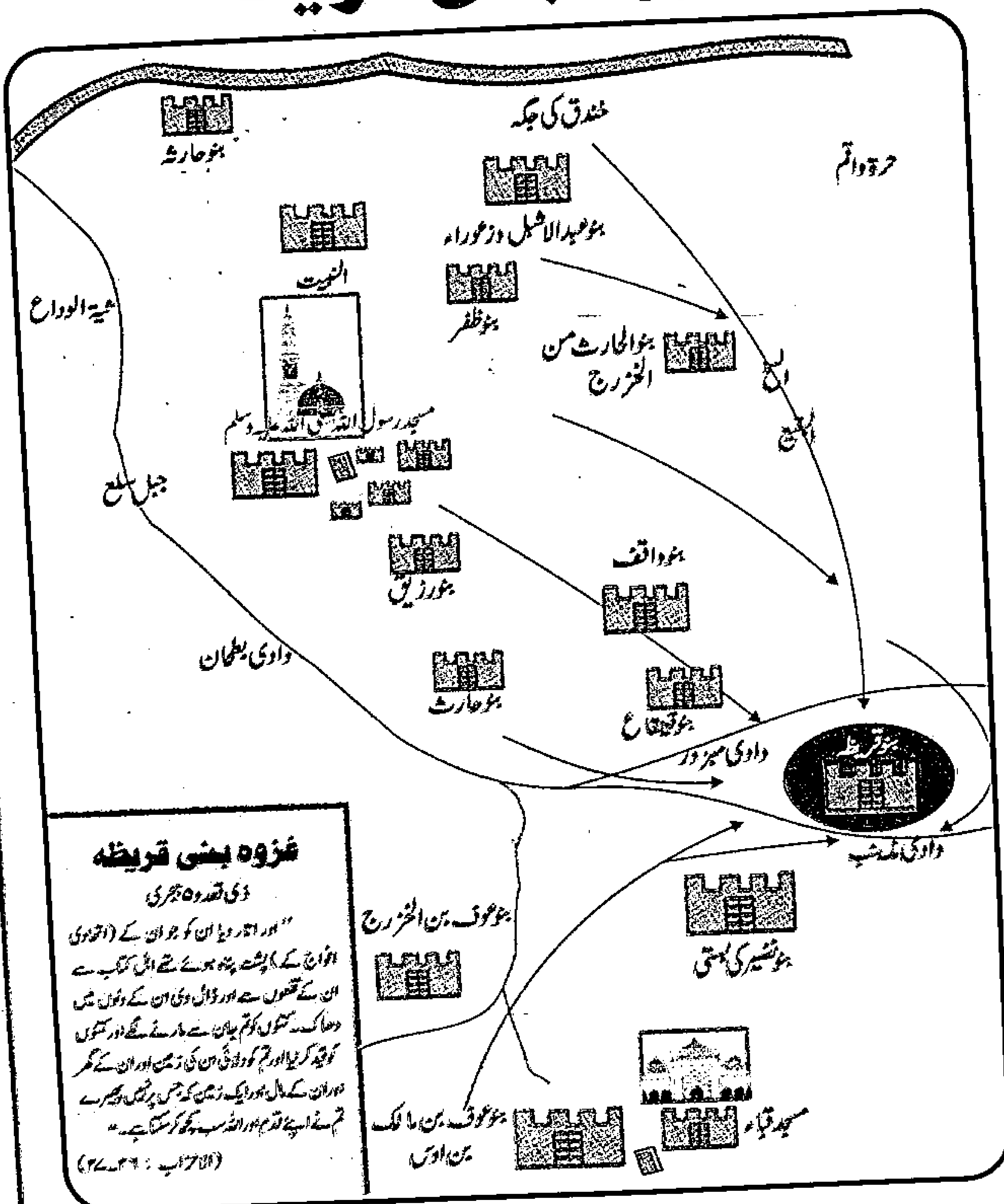

غزوہ بنی قریظہ کے مقام پر موجود مسجد بنی قریظہ

Marfat.com

صلح حدیبیہ ذیقعدہ ۶ھ

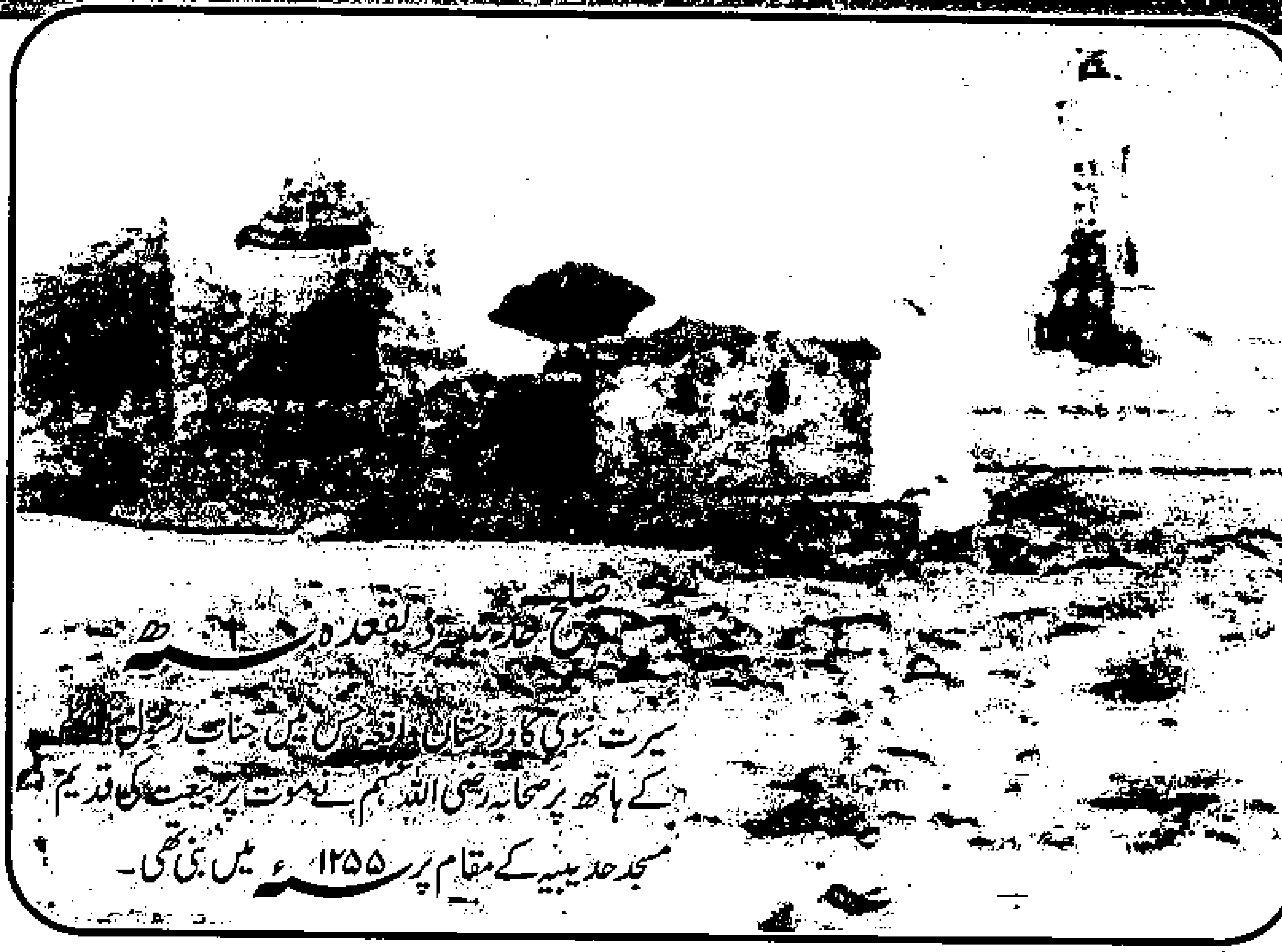

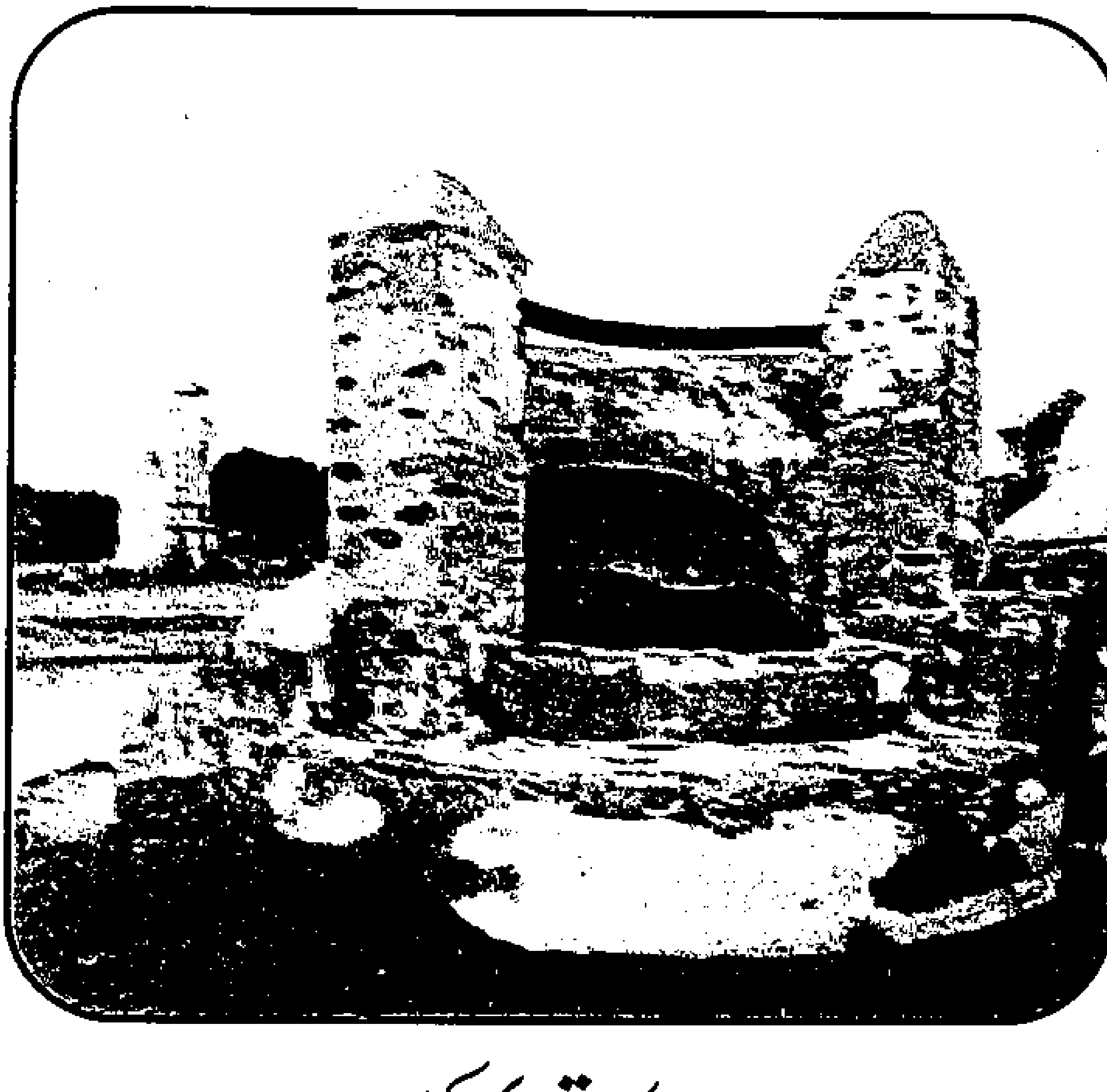

حدیبیہ کا قدیم کنواں

Marfat.com

غزوہ خیبر و فدک ۷ ہجری

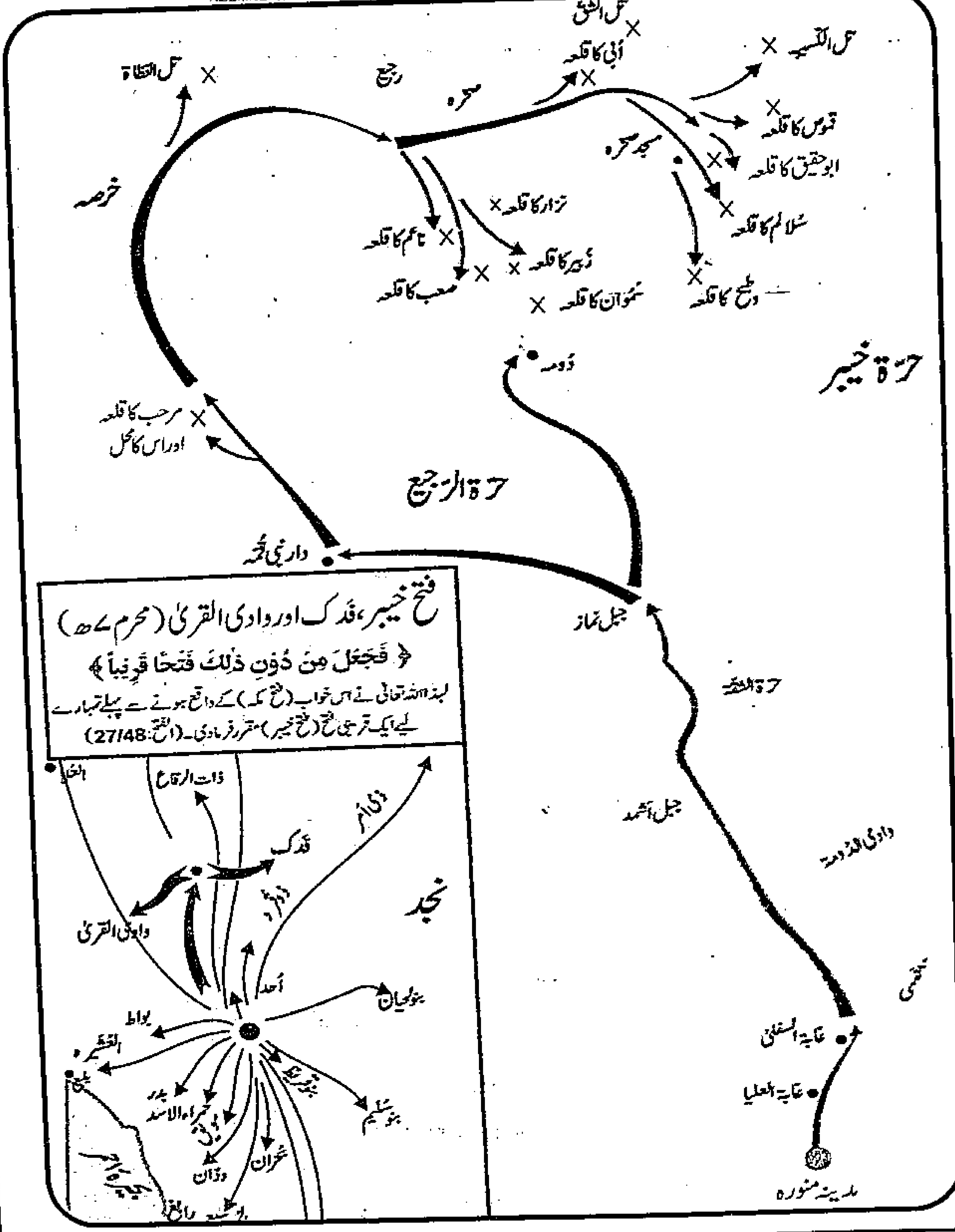

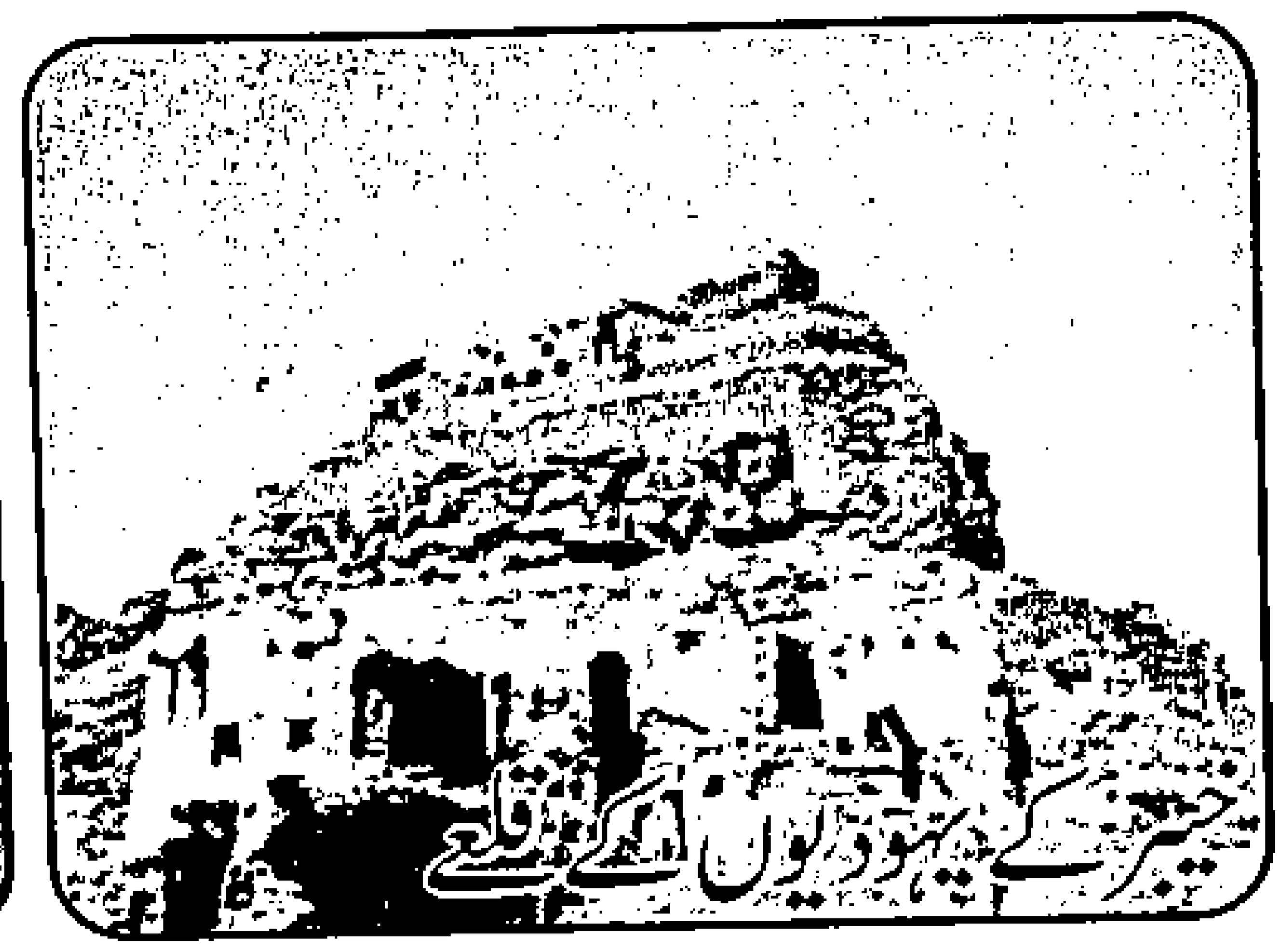

جن کا حضور ﷺ اور صحابہؓ نے محاصرہ کر کے یہودیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے

خیبر کا یہودی قلعہ

Marfat.com

غزوہ موتہ 8 ہجری

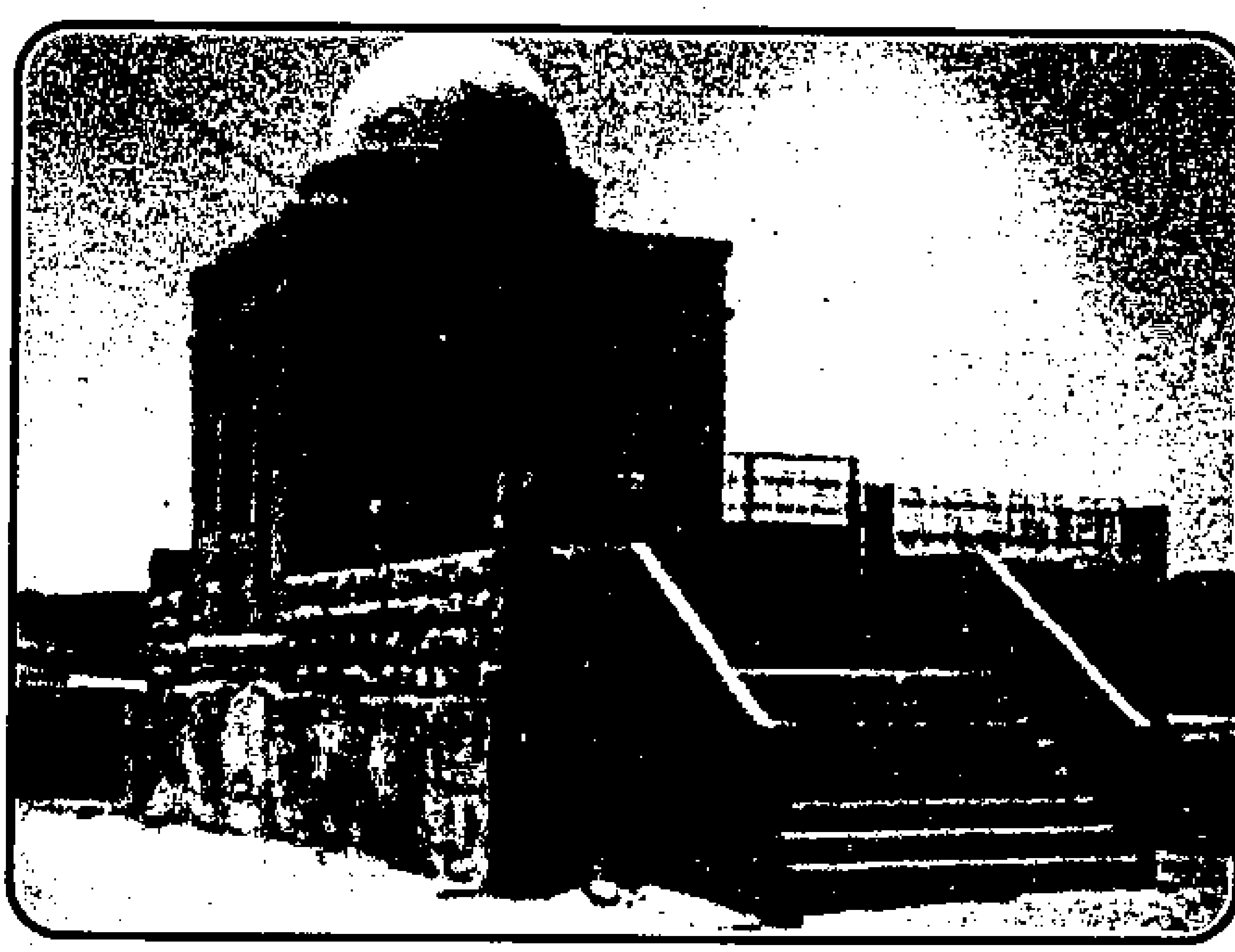

اردن میں موجود موتہ کے میدان میں شہید ہونے والے
صحابی حضرت زید بن حارثؓ کا مزار مبارک

Marfat.com

فتح مکہ

رمضان ۸ھ جنوری ۶۳۰ء

صلح حدیبیہ کے موقع پر جو شرطیں مسلمانوں اور قریش کے درمیان طے ہوئی تھیں، ان کو مسلمانوں نے پوری طرح سے نبھایا لیکن کفار نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لی اس کا کیا علاج۔

کفار مکہ نے صلح کے باوجود مسلمانوں کے ایک دوست قبیلہ کو جو خزاعہ کا قبیلہ کہلاتا تھا، خاص حرم شریف کے اندر صرف دشمنی اور عداوت کی بنا پر بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔

اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر فریاد کی۔ حضور ﷺ کو یہ واقعہ سن کر بہت صدمہ ہوا، مگر حضور ﷺ نے پہلے یہ کیا کہ قریش کے پاس قاصد بھیجا، اور تین شرطیں فرمائیں کہ ان میں سے کوئی منظور کر لیں۔

قریش کے سرداروں نے تیسری بات مان لی کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا، لیکن بعد میں بہت پچھتائے کہ ہم نے یہ کیا حماقت کی۔ فوراً ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ اس معاہدہ کو پھر سے قائم کر لیں۔ ابوسفیان آئے مگر ان کی کچھ نہ چلی، ناکام واپس ہوئے۔

حضور ﷺ ان کی بد عہدی سے مجبور ہو کر ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ میں ان ظالموں کا بدلہ لینے کیلئے دس ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

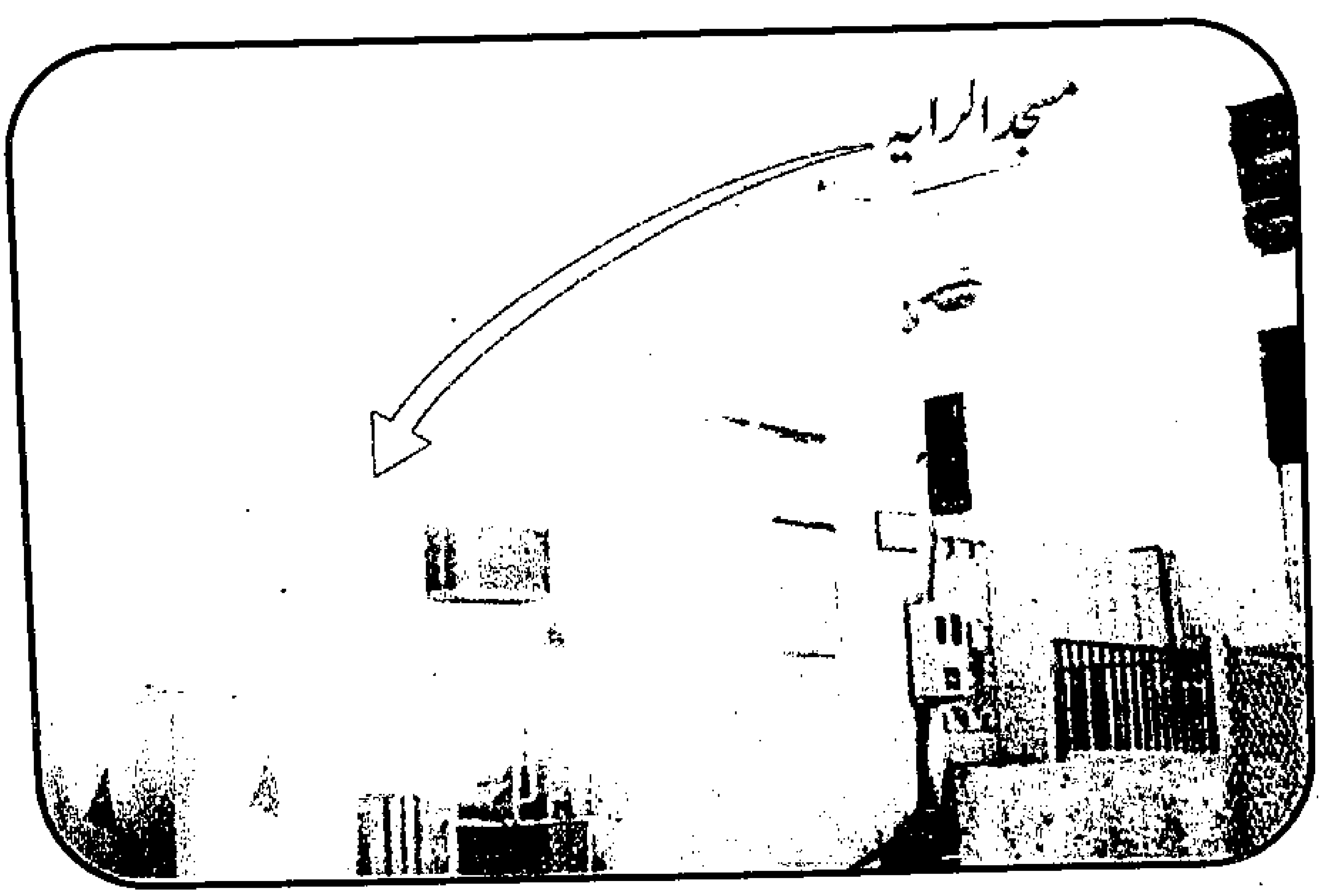

وہ مقام جہاں فتح مکہ کے موقع پر فتح کا جھنڈا نصب کیا گیا تھا

Marfat.com

اکثریت مسلمانوں [1] پر مشتمل تھی۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ وطن کی آزادی کا تصوّر دو مرکزوں میں محدود تھا۔ ایک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دوسرا مدرسہ دارالعلوم دیو بند۔ ان سے باہر وطن کی آزادی کے کسی تصوّر کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ صرف ہندو قومیت کی تشکیل اور تجدید کے چرچے سنائی دیتے ہیں۔ تقسیم بنگال اور اس پر ہندو جماعتوں اور کانگرس کے ہندو لیڈروں کا یکساں ردّ عمل کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے بڑا مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

تحریکِ خلافت نے انگریزی اقتدار کے سائے میں جمع ہونے والے ہندوستان کے تمام مذہبی، جغرافیائی، لسانی اور نسلی گروہوں کو پہلی بار یہ احساس دلایا کہ انگریز کی حکومت خدائی طاقتوں کی حامل نہیں۔ پہلی عالمگیر جنگ نے یہ ثابت کر دیا کہ سائنسی ترقیوں کی وجہ سے دُنیا اب زیادہ دیر تک مقامی قومیتوں تک محدود نہیں رہے گی۔ بلکہ بین الاقوامیت کی طرف بڑھے گی۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ گاندھی بھی جنوبی افریقہ میں سیاسی تنظیم کے متعلق اپنے خیالات اور سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے بعض انوکھے طریقوں کو کامیابی کے ساتھ آزمانے کے بعد نسبتاً بڑے میدان، ہندوستان، میں پہنچے۔ یہ تحریکِ خلافت کے عروج کا زمانہ تھا۔ گاندھی جی نے عوام میں اس تحریک کی ہر دلعزیزی اور اس کی عظیم قوت کو اپنی شخصیت کی تعمیر کے لیے استعمال کرنے کا ارادہ کیا اور ہندو قوم کے نمائندے کی حیثیت سے مسلمان قوم کے ساتھ مسلمانوں کے مخصوص مذہبی اور ملّی مفادات کے حصول کے لیے اشتراک کی پیش کش کی۔ مولانا محمد علی جوہر نے گاندھی جی کو اپنی شخصیت کا سہارا دے کر ہندوستان میں متعارف کیا اور گاندھی جی کا نام آن کی آن میں تحریکِ خلافت کے بال و پر پر اُڑتا ہوا پورے ملک کا وردِ زبان بن گیا۔

تحریکِ خلافت کے زور وقوت کے باوجود مغربی طاقتوں نے مشترکہ قوت کے ذریعہ خلافت کو ختم کر کے مشرق کے مضبوط ترین بین الاقوامی ادارے کو ختم کر دیا اور عالمِ اسلام کو مقامی جغرافیائی اور قبائلی وحدتوں میں تقسیم کر کے اس کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس کا پہلا

---

[1] مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر انصاری اور متعدد دوسرے بزرگ۔

Marfat.com

اور فیصلہ کن اثر جو ہندوستان پر ہوا یہ تھا کہ تحریکِ خلافت اپنی موت آپ مرنے لگی۔ جس زمین پر اس کے پیر جمے ہوئے تھے وہ زمین اس کے پیروں تلے سے یکا یک نکل گئی اور اس کی تنظیم منتشر ہونے لگی یہاں تک کہ ۱۹۲۰ء تک تحریک عملاً ختم ہوگئی۔ ہندوستان کی سیاسی فضا میں ایک بہت بڑا خلاء پیدا ہوگیا تھا۔ گاندھی جی کی موقع شناس ذہانت ہر ہر گام پر اپنی برتری کے جھنڈے گاڑ رہی تھی۔ انہوں نے اس خلاء کو کانگرس کے ذریعہ پُر کرنے کے لیے ''ہریجن تحریک'' کا آغاز کیا۔ اس کے دو نتائج بڑے واضح تھے۔ پہلا یہ کہ کانگرس کی قیادت بلاشرکتِ غیرے گاندھی جی کے ہاتھوں میں آ گئی۔ دوسرا تحریکِ خلافت کے بعد پیدا ہونے والا خلاء کانگریس کے ذریعہ پُر ہوگیا اور اس طرح کانگرس آل انڈیا نیشنل کانگریس کے نام سے ہندوستان گیر تحریک بن گئی۔

اس بات کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر ایسی سیاسی جماعت کے ہاتھ میں چلی گئی جو بظاہر ہندوستان کی تمام اقوام پر مشتمل تھی لیکن جسے مغربی جمہوریت کے اندازِ فکر کے مُطابق ناگزیر طور پر ہندو عددی اکثریت کے تابع رہنا تھا۔ جن مسلمانوں نے اس صورتِ حال سے سمجھوتہ کرلیا...... وہ کانگریس میں شامل ہوگئے اور جو اپنے آپ کو اس سمجھوتے پر تیار نہ کر سکے وہ کسی سیاسی پلیٹ فارم کی عدم موجودگی کی وجہ سے مسلسل اور خاصی بے چین تلاش میں مصروف ہوگئے۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء تک کے درمیانی حصے میں مسلمانوں کی فکری تاریخ اسی بے چین تلاش کی تاریخ ہے۔ اس کے پیش رو مولانا حالی، اکبر الٰہ آبادی اور مولانا حسرت موہانی تھے تو خاص اس دور کے لوگوں میں علامہ اقبال کا نام ماہتاب کی طرح چمکتا نظر آتا ہے۔

ان کی لڑائی بڑی دلچسپ تھی۔ چند چالاک اور اکّا دُکّا مخلص لوگوں کے علاوہ کانگریسی اور غیر کانگریسی ہندو قائدین، ہندی قومیت اور ہندو قومیت کو ہم معنی سمجھنے لگے تھے۔ وہ جب ہندی قومیت کا تذکرہ کرتے تھے پرانے ہندو سامراج کے لٹریچر سے اخذ شدہ سیاسی

Marfat.com

اصطلاحات میں کرتے مثلاً ''رام راج''، ''سوراج''، ''سودیش''، ''چکرورتی'' وغیرہ ایسی اصطلاحیں ہیں جو گپتا اور موریا خاندانوں کے سامراج کے زمانے میں متداول تھیں۔ کانگرس نے انہیں بصد رغبت اپنایا۔ سب سے زیادہ یہ کہ ''بندے ماترم'' کا ترانہ ''آنند مٹھ'' نامی ناول میں ہندو قومیت کے ترانے کے طور پر پیش ہوا تھا۔ کانگرس کے ہر جلسے میں یہ ترانہ گایا جاتا تھا اور کانگرسی مسلمانوں کے احتجاج کے باوجود اسے واپس نہیں لیا گیا۔ آج بھی آل انڈیا ریڈیو ''بندے ماترم'' کے الفاظ سے اپنے پروگراموں کا آغاز کرتا ہے۔ ہندو قومیت کو ہندی قومیت سمجھنے اور سمجھانے والے اسی ذہن نے مسلمانوں کے لیے بے شمار محاذ کھولے جس میں شدھی کی تحریک کے پہلو بہ پہلو جہاد اور قتال کو طعنے کے طور پر استعمال کر کے مسلمانوں کو اس جزوِ ایمان کے لیے شرمسار کرنا بھی شامل تھا۔ اس کی ایک دلچسپ مثال گاندھی جی کا وہ ارشاد ہے جو انہوں نے شردھانند جیسے شرپسند آریہ سماجی کے قتل سے متاثر ہو کر کیا۔ فرمایا:

''اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا ہے جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی اور آج بھی تلوار ہے۔''

یہ اس سیاسی اور مذہبی بلیک میل کی مثال ہے جو گاندھی جی کا خاص فن تھا۔ اس کے مُقابلے میں مسلمان قائدینِ فکر نے مسلمانوں میں روحِ جہاد کو برقرار اور بیدار رکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ حضرت اکبر الٰہ آبادی کا طنز و مزاح اس کے لیے وقف ہوا۔ مولانا حالی نے مسدس حالی لکھی۔ اقبال کا پورا کلام جدوجہد اور تگ و تاز کے محور پر مرکوز ہو گیا۔ حفیظ جالندھری کے شاہنامۂ اسلام کو بھول جانا احسان ناشناسی ہے۔ نثر کے میدان میں بھی مُسلمان مؤلف و مؤرخ بند نہ تھے۔ سیرت کی تحریکوں نے جہاد و قتال کے واقعات کو پیش کیا۔ گو ان کا انداز اعتذار اور جواب دہی کا انداز تھا اور معترضین کے ان اعتراضات کو جو علمی نہیں بلکہ محض سیاسی وجوہ کی بنا پر اٹھائے جاتے تھے۔ زیادہ اہمیت دی جاتی تھی تاہم جہاد اور قتال کے واقعات کو مستند انداز میں پیش کرنے کے سلسلے میں ان بزرگوں نے ناقابلِ فراموش خدمات کی ہیں۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی کتاب ''الجہاد فی الاسلام'' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۰ء میں

Marfat.com

شائع ہوا تھا۔ اس میں مولانا نے لکھا:

''جماعتیں جب سرکشی پر آتی ہیں تو کوئی ایک فتنہ نہیں ہوتا جو وُہ برپا کرتی ہوں ...... ان ظالم جماعتوں میں کوئی جماعت اپنی اغراض کے لیے مذہب کو استعمال کر کے بندگانِ خدا کو مذہبی آزادی سے بھی محروم کر دیتی ہے اور دوسروں پر اس وجہ سے ظلم وستم توڑتی ہے کہ وہ اس کے مذہب کے بجائے اپنے مذہب کی پیروی کیوں کرتے ہیں ❶ ...... ایسی حالت میں جنگ جائز ہی نہیں بلکہ فرض بن جاتی ہے اور اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی ہے کہ ان ظالموں کے خون سے زمین کو سُرخ کر دیا جائے اور ان مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے شر سے اللہ کے مظلوم و بے بس بندوں کو نجات دلائی جائے جو شیطان کی امت بن کر اولادِ آدم پر اخلاقی، روحانی اور مادی تباہی کی مصیبتیں نازل کرتے ہیں۔''

مولانا سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سیرت النبی جلد پنجم کا پہلا ایڈیشن ۱۳۵۳ھ یا ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں مولانا نے لکھا:

''جہاد بالنفس یعنی اپنے جسم و جان سے جہاد کرنا جہاد کی اُن تمام اقسام کو شامل ہے جن میں انسان کی کوئی جسمانی محنت صَرف ہو اور اس کی آخری حد خطرات سے بے پروا ہو کر اپنی زندگی کو بھی خدا کی راہ میں نثار کر دینا ہے۔ نیز دین کے دشمنوں سے اگر واسطہ آن پڑے اور وہ حق کی مخالفت پر تل جائیں تو ان کو راستہ سے ہٹانا اور اس صورت میں ان کی جان لینا یا اپنی جان دینا جہاد بالنفس کا انتہائی درجۂ کمال ہے۔''

انہی مفکروں، عالموں، ادیبوں اور شاعروں کے جہاد بالقلم کا نتیجہ تھا کہ دو نہایت

❶ مولانا کے اس فقرے کا لطف اُسی وقت آتا ہے جب گائے ذبیحہ اور اذان پر ہندو اکثریت کی طرف سے مسلم کُش فسادات کا پورا نقشہ ذہن میں ہو جو اس دور کا خاصہ تھے۔

Marfat.com

طاقتور اور مؤثر دشمنوں کی شدید علمی، عملی اور نفسیاتی مخالفت کے باوجود وہ شعلہ زندہ اور برقرار رہا۔ جو چودہ صدیاں قبل دُور افتادہ عرب کی ایک چھوٹی سی بستی میں روشن ہوا تھا جسے یثرب کہا جاتا تھا۔ نہ گاندھی جی کی ہمہ جہت مستولی شخصیت اسے معدوم کر سکی اور نہ ہی سیاسی وجوہ سے یورپ میں پیدا کی جانے والی غیر دانشمندانہ عقلیّت اس کا کچھ بگاڑ سکی۔ یہ شعلہ ان تمام آندھیوں سے گزرا اور چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کو دُنیا نے دیکھ لیا کہ اسی شعلے کی نُور پاشیوں نے شہداء کے مقدس خُون سے تقویت حاصل کی اور پورا پاکستان اس کی ضیاء باریوں سے منور ہو گیا۔

یہ شعلہ اسلام کا جزو لاینفک ہے اس لیے اس فکر کے ارتقاء کی کہانی بھی اسی ہستی مقدس و اطہر ﷺ کی سیرت میں اپنی مکمل صورت میں ملتی ہے جس کے قلب پر ربّ المشرقین و ربّ المغربین نے اپنا ازلی اور ابدی کلام نازل فرمایا اور جسے یہ عظیم ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اپنے ہر قول، ہر عمل اور ہر فعل کے ذریعہ خدا کے اس کلام کی تشریح اور تفسیر فرمائے۔ اس افضل البشر کا معجزانہ کمال یہ ہے کہ اس نے اس ذمہ داری کو اس طریقے سے پُورا کیا کہ خود ربّ جلیل نے اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ہم معنی قرار دے دیا۔

Marfat.com

باب ۲:-

عمل اور ردِّ عمل

دُنیا کی ہر جان دار اور تاریخ ساز تحریک کی طرح اسلام کی کہانی بھی عمل اور ردِّ عمل کی ایک خوبصورت اور دل آویز داستان ہے۔

علمائے سیرت نے احادیث اور کُتب سیر میں موجود مواد کے وسیع ذخیرے کی مدد سے اس تحریک کی ابتداء اس طرح بیان کی ہے کہ عرب کے شہر مکّہ کے مؤثر ترین اور معزز ترین قبیلہ قریش کے سردار عبد المطلب کے یتیم پوتے حضرت محمد ﷺ چالیس سال کی عمر تک مکّہ کے کوچہ و بازار میں اپنی نیک نفسی، شرافت، امانت داری اور راست گوئی کے انمِٹ اور ناقابلِ فراموش نقوش قائم فرماتے رہے۔ آپ ﷺ نے مکہ کے ایک جانے پہچانے خاندان کی بیوہ خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے اس وقت شادی فرمائی جب آپ ﷺ کی اپنی عمر پچیس سال کی تھی اور یہ خاتون چالیس کے پیٹے میں تھیں۔ عمر کے اس فرق کے باوجود آپ ﷺ مثالی شوہر ثابت ہوئے۔ آپ ﷺ کے ہاں بچے ہوئے اور آپ ﷺ اپنے معاشرے میں بہترین باپ تھے۔ تجارت آپ ﷺ کے خاندان میں نسلوں سے چلی آ رہی تھی۔ اس کے ذریعے مکہ اور بیرونِ مکہ کے رہنے والوں کے ساتھ لین دین کے تعلقات قائم ہوئے اور تاریخ کو ان میں سے کوئی ایک شخص ایسا نہیں ملا جو آپ ﷺ کے متعلق یہ کہہ سکا ہو کہ آپ ﷺ بات کے پکّے اور معاملے کے کھرے نہ تھے۔ معاشرے نے متفقہ طور پر آپ ﷺ کو الامین کا خطاب دے رکھا تھا اور اسی خطاب سے آپ ﷺ کو مخاطب کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی امن دوستی صلابت رائے، ہمسائے سے محبت۔ بچوں پر شفقت۔

۱۲۳۸۵۵

Marfat.com

اہلِ خاندان کے ساتھ صلہ رحمی مشہور تھی۔ آپ ﷺ کے بڑے سے بڑے مخالف [1] کو تلاش کے باوجود آپ ﷺ کی چالیس سالہ شہری زندگی میں کوئی ایک واقعہ ایسا نہیں ملا جس کی بنا پر وہ یہ کہہ سکا ہو کہ آپ ﷺ نے کسی موقع یا کسی حالت میں کسی وقت کوئی ایسی بات کہی یا کی ہو جو کامل سچائی اور بے داغ نہ تھی۔

ایسی انتہائی معصوم، مقبول اور معروف زندگی کے چالیس سال گزارنے کے بعد ماہ رمضان کی کسی ایک رات کو آپ ﷺ غارِ حرا میں نبوت کے شرف سے مشرف ہوئے یعنی خدا کا پاک کلام آپ ﷺ کے پاک دل پر نازل اور آپ ﷺ کی زبان حق ترجمان پر جاری ہو گیا۔

یہ اسلام کا پہلا عمل۔ ہے اور اس عمل کے پہلے براہِ راست معمل خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر اس عمل کا پہلا ردِّعمل بھی خود حضور ﷺ ہی کی ذات میں ظاہر ہوا اس ردِّعمل کو مختلف حدیثوں میں محفوظ رکھا گیا ہے جن کا مجموعی مفہوم اجمالاً یہ ہے کہ اس منصب خلیل کی بزرگی اور عظمت کی وجہ سے آپ ﷺ پر خوف طاری ہو گیا۔ آپ ﷺ لرزاں و ترساں گھر واپس تشریف لائے اور فرمایا: ''مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ مجھے کمبل اوڑھاؤ۔'' جب طبیعت قدرے سکون پذیر ہوئی تو آپ نے اپنی رفیقہ حیات کو اس واقعہ کی خبر دی۔

یہ اسلام کا دوسرا عمل تھا اور اس کا ردِّعمل تاریخِ عالم کے نادر ترین واقعات میں سے ایک واقعہ ہے۔ بیوی خاوند کی محرم راز ہوتی ہے اور خاوند کی کمزوریوں اور خوبیوں سے پوری طرح واقف ہونے کی وجہ سے وہ ان دونوں میں فرق و امتیاز کرنے کے فن کو دُوسروں سے بہتر طریقے پر استعمال کر سکتی ہے۔ یہ خبر سُن کر رسول اللہ ﷺ کی محرمِ راز کا فوری اور بے ساختہ ردِّعمل یہ تھا:

''بخدا اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی پریشان اور شرمندہ نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ قرابت داروں کا خوب حق ادا کرتے ہیں بے سہاروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں اور

---

[1] ملاحظہ ہو ابوسفیان اور شہنشاہِ حبشہ کے مکالمے سیرت کی ہر کتاب میں موجود ہیں۔

Marfat.com

ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ مسافروں کی میزبانی کرتے ہیں اور لوگوں کو راہِ حق میں پیش آنے والے حوادث میں مدد دیتے۔"[1]

حضرت خدیجہ متفقہ طور پر آنحضرت ﷺ کے بعد دُنیا کی دوسری مسلمان ہیں اور یہ داعیٔ اسلام کے کردار کی عظمت و بزرگی پر وہ قطعی برہان ہے۔ جس کا کوئی جواب نہیں۔

اس کے بعد اسلام کے عمل کا دائرہ چپکے چپکے وسیع ہونے لگا اور یہ وسعت خود تاریخ کے ویسے ہی نوادر میں سے ہے جیسی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اسلام تھا۔ اس دائرے میں آنے والے آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ جن کی عمر اس وقت دس سال تھی۔ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پرانے دوستانہ تعلقات قائم تھے اور نبوت سے پہلے کی پوری زندگی کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھی۔ انہوں نے جب سنا کہ ان کے دوست اور حبیب ﷺ منصب نبوت پر فائز ہوئے ہیں تو انہیں اس بات پر یقین کرنے کے لیے ایک لمحے کے لیے پس و پیش نہیں ہوئی۔ اس طرح چپکے چپکے اور مکمل راز داری[2] کے ساتھ تین سال کے عرصے میں چالیس کے قریب بزرگ اس تحریک کے رُکن بن گئے۔

یہ بات ذہن میں واضح رہنی چاہیے کہ اس وقت تک اسلام چند ابتدائی اصولوں کے مجموعہ کا نام تھا جن میں سرِفہرست اصول خدا کی وحدانیت کا اُصول تھا اور وحدانیت کے تصور کی ایک مبہم سی صُورت سے اس وقت کا مکّی معاشرہ بیگانہ محض نہ تھا۔ تاریخ میں ایسے کم از کم دس لوگوں کے نام موجود ہیں جو بت پرستی سے تائب ہو چکے تھے۔ اسلام کی اخلاقی اور رُوحانی عظمتوں کا ابھی انکشاف ہونا تھا۔ اور اُس کی سیاسی برتری ابھی کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو محسوس ہوگا کہ اس وقت اسلام کی تبلیغ و اشاعت

---

[1] صحیح بخاری

[2] نمازیں مکّے سے دُور سب کی نظروں سے چھپ کر پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں پڑھی جاتی تھیں۔ ملاحظہ ہو سیرت کی کوئی بھی کتاب۔

Marfat.com

کی پوری ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کی ذات اور اس ذاتِ قدسی کے اس کردار پر تھی جو اس دائرے میں آنے والوں کے سامنے چالیس سال تک اپنے ہر پہلو سے جلوہ نما ہوا۔ اس میں "السابقون الاولون" کی طبعی صالحیت کے عنصر سے انکار ممکن نہیں۔ اور نہ ان کی عظمت کو کم کر کے دکھانا مقصود ہے لیکن اس کے ساتھ داعیٔ اسلام ﷺ کی وہ ذاتی اور بشری عظمت جس نے آپ ﷺ کو افضل البشر کا خطاب دلوایا نظر سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے۔

"واشگاف کہہ دے":-

اسلام کے چوتھے عمل کی ابتداء کے۔ لیے خدائے ارض و سما کی مصلحتوں نے تین سال تک انتظار کیا اور آخر حکم آیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

"اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ واشگاف کہہ دے۔"

اس کی تصدیق بایں انداز ہوئی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

"اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا۔"

یہ تحریک اسلام کی عام تبلیغ و دعوت کا حکم تھا۔ گویا اسلام کے دائرہ عمل کو پوری دُنیا پر وسیع کر دیا گیا۔ یہ عمل آنحضرت ﷺ کے وصال تک جاری رہا۔ اور واضح اور غیر مبہم احکام موجود ہیں۔ جن کے مطابق اس تحریک کے ہر رکن یعنی ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ قیامت تک اس عمل کو جاری رکھنے اور وسیع کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ یعنی جو اَبدی حکم دیا گیا ہے اس کو واشگاف کہتا رہے اور لوگوں کو خدا سے ڈراتا رہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس حکم کی تعمیل کس طرح فرمائی یعنی اسلام کے عمل کے دائرے کو کس طرح وسیع کیا۔ وہ ولولہ انگیز داستان ہے جس کا بدل تاریخِ عالم کی کسی تحریک کی تاریخِ وسعت و اشاعت میں نہیں ملتا۔ موجودہ صفحات اس کی تفصیلات کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس

Marfat.com

کے لیے سیرت اور احادیث کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ موجودہ صفحات کی ضرورت کے لیے واقعات کو مربوط کرنے کی خاطر ایک سرسری سے جائزے پر اکتفا کیا جائے گا۔

تبلیغ عام کا پہلا دن:۔

مکہ کا خوں [1] رنگ شفق آہستہ آہستہ سُرمئی ہوا اور پھر رات کی تاریکیاں مکہ کے آسمان پر قائم ہوگئیں۔ اس وقت مکہ میں ایک آواز گونجی:

''یامعشر قریش .... یا معشر قریش''

مکہ اس آواز سے نامانوس نہ تھا۔ جب مکہ پر کوئی ایسی آفت آنے والی ہوتی جس سے عام لوگ بے خبر ہوتے تو جس شخص کو اس آفت کا سب سے پہلے علم ہوتا وہ اسی طرح مکہ والوں کو آواز دیتا۔ مکہ والے لپکتے۔ اس کی مزید تفصیلات سنتے اور پھر متحد ہو کر اس آفت کا مقابلہ کرنے پر تیار ہو جاتے۔ آج بھی اس آواز کا یہی اثر ہوا کہ قریش کے نامور سردار اور دُوسرے لوگ یہ آواز سُن کر آواز کی طرف بھاگے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی پکارنے والا کوہِ صفا کی چوٹی پر کھڑا ہو کر انہیں پکار رہا ہے۔ جب یہ لوگ قریب آئے تو ان کی نگاہیں جس پر پڑیں وہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) تھے۔ مکہ طیبہ کی وہ اعتماد آفریں شخصیت جس کی سچائی اور حقانیت پر کسی کو بھی شُبہ نہیں ہوا تھا۔

جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے، تو کیا تم کو یقین آئے گا......؟''

سب کا بیک آواز جواب تھا:

''ہاں ......! کیونکہ ہم نے ہمیشہ سے تم کو سچ بولتے دیکھا ہے۔''

---

[1] یہ واقعہ تھوڑے تصرف کے ساتھ سیرت النبی ﷺ مؤلفہ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا گیا ہے جنھوں نے اسے صحیح بخاری کے حوالے سے لکھا ہے۔

Marfat.com

آپ نے فرمایا: ''تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔''

اس عمل کا ردِّعمل یہ تھا کہ سب لوگ جن میں آپ ﷺ کا چچا ابولہب بھی شامل تھا۔ سخت برہم ہوکر چلے گئے۔

دُوسرا دن:۔

اس واقعہ کے چند روز بعد حضرت علی کی طرف سے عبدالمطلب کے خاندان کو دعوت پر مدعو کیا گیا۔ کھانا ختم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہوکر فرمایا:

''میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دُنیا دونوں کو کفیل ہے۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔''

تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ اس اہم سوال کا جواب صرف حضرت علی کی طرف سے موصول ہوا۔ انہوں نے اٹھ کر کہا: ''گو مجھ کو آشوبِ چشم ہے گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں تاہم میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔'' لوگ پہلے خاموش تھے۔ دس سالہ علی رضی اللہ عنہ کے جواب پر بے ساختہ ہنس دیئے۔

دو ردِّعمل:۔

ان دونوں روایات میں اسلام کے عمل کے دو واضح ردِّعمل ہمیں ملتے ہیں۔ قبائلی جمہوریت کے شہر مکہ کی حکمران اکثریت قریشِ مکہ تھے۔ ان کا ردِّعمل پورے مکے اور اس سے بڑھ کر کسی حد تک پورے عرب کا ردِّعمل سمجھا جا سکتا ہے۔ جب ان کو قبیلے کی حیثیت سے پکارا گیا اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا گیا۔ ان کا ردِّعمل بدمزگی اور کسی حد تک برہمی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کے بعد قریش کے مؤثر ترین خاندان کو محدود پیمانے پر بلایا گیا۔ خاندانِ عبدالمطلب کے ردِّعمل کو چند مستثنیات کے علاوہ جن میں بنوامیہ کا خاندان سرِفہرست تھا پورے قبیلۂ قریش کے ردِّعمل کے طور پر قبول کیا جا سکتا تھا۔ اس کا مجموعی ردِّعمل استہزا کی

Marfat.com

صورت میں ظاہر ہوا۔

اسلام کے عمل کے خلاف یہی دو ردِّعمل اسلام کے سیاسی غلبے سے پہلے کے دور کی تبلیغی تاریخ کے نمایاں پہلو ہیں۔ اس دن سے لے کر حجۃ الوداع کے دن تک یہی دو ردِّ عمل شدت اور قلت کی مختلف ڈگریوں میں مختلف واقعات کو پیدا کرنے کا موجب ہوئے اور ان واقعات سے اسلام کی وہ تاریخ مرتب ہوئی جسے ''زمانۂ نبوی ﷺ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسلام جُوں جُوں اقصائے عالم میں پھیلتا گیا۔ اسے دُنیا کے ہر حصے میں ردِّعمل کی انہی دو قسموں سے واسطہ پڑا اور مسلمانوں نے اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو کامیابی کے ساتھ حل کیا۔ یہ بات محض راقم الحروف کا حُسنِ ظن نہیں بلکہ تاریخ کی ناقابلِ فراموش حقیقت ہے کہ جہاں ردِّعمل کی ان دو ناگزیر اقسام کو اسوۂ رسول ﷺ کے قائم کردہ خطوط سے ہٹ کر حل کرنے کی کوشش کی گئی وہاں کامیابی نے بڑے پُراسرار طریقے سے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ علامہ اقبال تاریخ اسلام کے اس پہلو کو ان بلیغ الفاظ میں بیان فرمایا کرتے تھے کہ تاریخ کے کسی دور میں مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی بلکہ ہر دَور میں اسلام ہی مسلمانوں کے لیے حصارِ عافیت اور آخری پناہ گاہ ثابت ہوا۔

مکی معاشرہ:۔

اسلام کے عمل اور اس کے مقابلے میں مکی معاشرے کے ردِّعمل کو پُوری طرح ذہن نشین کرنے کے لیے ضروری ہو گا کہ پہلے ہم ان مختلف عناصر کو سمجھ لیں جن سے مکی معاشرے کی تشکیل ہوئی تھی۔ اس کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ اس ردِّعمل سے پیدا ہونے والے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کیا اصول وضع کیے گئے اور آنحضرت ﷺ نے ان اصولوں پر عمل فرما کر انہیں کس طرح قابلِ عمل اور نتیجہ خیز ثابت کیا۔

صوبہ حجاز کی پُوری آبادی کے متعلق تاریخی قرائن سے جو اندازہ ہوسکتا ہے یہی ہے کہ اس وسیع لیکن بڑی حد تک خشک اور بنجر جغرافیائی رقبے میں آباد ہونے کی جرأت و ہمت

Marfat.com

کرنے والوں کی کل تعداد چند لاکھ نفوس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ غزوۂ بدر مکہ والوں کے وقار کی لڑائی تھی۔ اس میں وہ ایک ہزار سے زیادہ جنگ آزما نہیں لا سکے۔ سب سے بڑی فوج جسے مکہ مدینے پر حملہ کرنے کے لیے لا سکا۔ غزوۂ خندق میں جمع ہوئی تھی اور اس کی تعداد تین ہزار ہے۔ اس تعداد میں مکہ کے مختلف قبائل کے حلیفوں کی بھی بہت بڑی تعداد شامل تھی جو مکہ کے مستقل باشندے نہ تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام کا وہ لشکر جرار جس کی ہیبت سے مکہ عشہ براندام ہو گیا تھا۔ اور جس کے سامنے تلوار کا ایک وار کیے بغیر سب پر انداز ہو گیا دس ہزار قدوسی صفت نفوس پر مشتمل تھا۔ حجۃ الوداع کا موقع ہے جب پورا عرب اسلام کے سایۂ رحمت میں سمٹ آیا۔ اس وقت کی حاضری کا تخمینہ کہیں ایک لاکھ سے زائد نہیں ہے۔

اس کے پیشِ نظر آبادی کا جو اندازہ ہوتا ہے وہ آج کل کے کسی بڑے شہر کے ایک محلے کی آبادی سے زیادہ نہیں۔ لیکن اس وقت کی دُنیا بھی آبادی کے لحاظ سے موجودہ دُنیا کے مقابلے میں بڑی مختصر تھی۔ حضرت خالد بن ولید کے مقابلے میں عظیم سلطنتِ رُومہ جو سب سے بڑا لشکر لا سکی اس کی تعداد تین لاکھ بتائی جاتی ہے اور یہ تعداد آج کی بارہ ڈویژن فوج کے برابر ہے۔ بھارت نے وادیٔ کشمیر کا گلا گھونٹنے کے لیے چھ ڈویژن فوج متعین کر رکھی ہے اور اس کے باوجود کشمیریوں کا بال بیکا نہیں ہو سکا۔ اس نسبت کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر عرب کے چند لاکھ نفوس متحد اور کسی مرکز سے منسلک ہوتے تو یہ بہت بڑی طاقت ہوتی اور اس کا سیاسی اثر اپنے گردونواح پر ایسا ضرور پڑتا جو عرب کی تاریخ کو اس تاریخ سے مختلف بنا دیتا جو بعثتِ نبوی سے پہلے کی تاریخ کہلاتی ہے۔

لیکن عرب کی بنیادی خرابی یہی تھی کہ اس کی یہ آبادی جو جغرافیے کی تعداد خشونتوں کو برداشت کرنے کی وجہ سے بڑی جفاکش، بے حد نڈر، بڑی بہادر اور بے جگر ہو گئی تھی، منتشر اور غیر مربوط تھی۔ یہ آبادی ایک نسلی گروہ ہونے کی دعویدار ہونے کے باوجود لاتعداد قبائل میں منقسم تھی۔ ان میں سے ہر قبیلہ بے شمار خاندانوں میں بٹا ہوا تھا اور ہر خاندان کے اپنے مفادات تھے جو بعض خاندانوں سے مختلف تھے اور بعض سے متفق۔ اس طرح مفادات کے یہ

Marfat.com

چھوٹے چھوٹے گروہ مختلف سیاسی وحدتوں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ مفادات کے معاملے میں متفق علیہ سیاسی وحدتیں ایک دوسرے کی حلیف بن جاتی تھیں اور جو حلیف نہیں بن سکتی تھیں وہ ناگزیر طور پر ایک دوسرے کی حریف ہوتی تھیں۔ اس طرح سیاسی، تجارتی اور دوسرے مفادات کے بے شمار حلیف اور حریف گروہ پیدا ہو گئے تھے جن کی موجودگی نے پورے معاشرے کو سیاسی انتشار اور افتراق کی جولا نگاہ بنا دیا تھا۔

مذہب متحد کرنے والی بہت بڑی قوت ہے کہ یہ دل اور ضمیر کی آواز ہوتا ہے۔ حجاز کے رہنے والوں کو فخر تھا کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وساطت سے بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دُنیا کے سب سے بڑے موحّد تھے۔ لیکن اس فخر کے باوجود عرب اپنے گردو پیش سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ بابل، مصر، حبشہ، نجران اور بیت المقدس کی متعدد روایات ان میں رائج ہوئیں۔ پہلے چار ہمسایوں سے انہیں اصنام میسر آئے جن میں بابل کے ''بعل دیوتا'' کو علماء عرب کے ہبل کے نام سے پہچاننے لگے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد دیویاں اور دیوتا درآمد ہوئے۔ حبشہ اور نجران کی مسیحیت نے باپ بیٹا اور روح القدس ◆ کے علاوہ نسطوری مسیحیت کے کئی ''سینٹ'' بہم پہنچائے جن کا تقابلی مطالعہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔ لیکن جن کے متعلق قیاس ہو رہا ہے کہ عرب کی متعدد دیویاں اور دیوتا انہی ذرائع سے عرب میں آئے تھے۔ بیت المقدس سے یہودی آئے اور اپنے ساتھ اسرائیلیات کا وہ سارا خزانہ لائے جس کی تصحیح قرآن حکیم نے فرمائی۔ اس طرح عرب میں دل اور ضمیر کی آواز اس انداز میں قاش قاش ہو کر بٹی کہ ہر خاندان کا خُدا الگ ہو گیا۔ طائف میں ایک بہت بڑا بت کدہ تھا لیکن یہ اس شہر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی سمجھا جاتا تھا اور لوگوں نے اپنے طور پر مختلف بُت گھروں میں سجا رکھے تھے۔ مکہ طیبہ میں حرم سے باہر ایک درخت تھا جس کی پوجا ہوتی تھی۔ ایک بے ڈول پتھر خدا تھا لیکن معجزاتی طور پر اس

◆ فتح مکہ کے موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی تصاویر کعبہ میں موجود تھیں۔ جنہیں آنحضرت ﷺ کے حکم سے چھیل دیا گیا تھا۔

Marfat.com

ذہنی اور روحانی انتشار کے درمیان اتحاد اور مرکزیت کی ایک ڈوری قائم تھی۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنا کردہ کعبہ تھا اس بات پر سمجھوتہ کر لیا گیا تھا کہ ہر قبیلہ اپنا بت کعبہ میں لا کر رکھ دے۔ اس طرح کعبہ کو عرب بھر کا مشترک معبد ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ حرمِ کعبہ سب کے لیے یکساں طور پر محترم تھا۔ یہاں قتل و خون ریزی کو سب ناجائز سمجھتے تھے۔ حج کے مہینوں میں خون خرابے کو حرام قرار دینے پر سب متفق تھے۔

لیکن مشترک کعبہ بھی مشترک ذہن کو مؤثر طور پر متحد نہ کر سکا تھا۔ اس کے بعض اظہار بڑے دلچسپ تھے۔ مثلاً حج سب کا مشترک میلہ تھا لیکن سب مختلف بتوں کو پوجا کرتے اور اپنے اپنے خدا کی برتری بیان کرتے تھے۔ اس ڈھیلے اتحاد کی وجہ سے حج کے مہینوں کی حرمت بھی ڈھیلی پڑ گئی تھی اور ایک طریقہ ایجاد کر لیا گیا تھا جسے نسیٔ کہتے تھے۔ اس طریقے سے ان حرام مہینوں میں اپنی مرضی کے مطابق اوّل بدل کر لینے میں کسی قبیلے نے کبھی کوئی عار محسوس نہیں کی۔ انفرادی طور پر بتوں کے ساتھ وفاداری کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی پجاری کی "دعا" قبول نہیں ہوتی تھی تو وہ غضب ناک ہو کر بُت کو توڑ دیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار اعتقادی گروہ پیدا ہو گئے جو اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے متبعین کی تعداد کے اعتبار سے طاقتور بھی تھے اور فعال بھی۔ تاریخ میں ایسے کئی کاہنوں کے واقعات موجود ہیں جنہوں نے مختلف گروہوں کے سیاسی فیصلوں پر اثر کیا۔ ان گروہوں نے اپنی گرفت کو مضبوط بنانے کے لیے چھلاوں بھوتوں چڑیلوں اور جنوں کی کئی کہانیاں معاشرے میں پھیلائیں اور معاشرے کو بڑی حد تک ضعیف الاعتقاد بنا کر اس مضبوط نظریاتی زمین کو کھوکھلا کر دیا جس پر ہم نظری کا اتحاد قائم ہوا کرتا ہے۔

ان کے علاوہ کچھ تجارتی مفادات بھی تھے۔ مکہ تجارت کا مرکز تھا۔ یثرب زراعت کے لیے معروف تھا۔ یہودی زیادہ تر صنعت و حرفت کے ماہر تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بنکاری بھی شروع کر رکھی تھی۔ اور سُود پر اشیاء کا لین دین کرتے تھے۔ طائف میں صنعت، تجارت اور زراعت سب جمع ہو گئے تھے۔ نجد تجارتی راستے پر آباد تھا۔ ان راستوں

Marfat.com

کے بعض قبائل نے رہزنی کو پیشے کے طور پر اختیار کر رکھا تھا۔ اور چوری کو قابلِ فخر کارنامہ سمجھتے تھے۔ اس طرح تجارت پیشہ قبائل اور راہزن قبائل ایک دوسرے کے حریف کے طور پر سامنے آئے اور باہمی معاہدات کی ایک نئی سیاست پیدا ہوئی۔ جس میں یہ شرط ہوتی تھی کہ اگر تجارت پیشہ قبیلے منافع میں انہیں حصہ دار بنالیں تو وہ انکے تجارتی قافلے نہیں لوٹیں گے۔

ان تفصیلات کے پیش نظر عرب معاشرے کی جو تصویر سامنے آتی ہے یہ ہے کہ

① اس معاشرے میں کوئی مرکزیت نہ تھی۔

② اس معاشرے کا کوئی حکمران قانون نہ تھا۔

یہ انتہائی بے مرکز اور لاقانون معاشرہ تھا۔ ایسی کیفیت تھی جس کو سیاسی زبان میں نراج کہا جاتا ہے۔ ہمارے بزرگ جو الفاظ کی نوک پلک اور اس کے مزاج سے ہم سے کہیں زیادہ آشنا تھے اس صورتِ حال کو ''جہالت'' کے بلیغ لفظ سے ادا کرتے تھے۔ اور اس زمانے کو زمانۂ جاہلیہ کہا کرتے تھے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو جاہلیت کے معنی ''لاقانونیت'' اور ''لامرکزیت'' ہے۔

اسلام کو اس کی ضد کے طور پر پیش کیا گیا۔

قانونیت اور مرکزیت کا پرچم:۔

علمائے لسان لفظ اسلام کے معنی سلامتی بیان فرماتے ہیں۔ ان لغوی معنوں کو ذہن میں رکھ کر اگر اسلام کے اصول نہ ضوابط کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو جو سمجھ میں آتا ہے اسے مختصر لفظوں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

① کوئی خدا نہیں سوائے ایک خدا اللہ کے۔ وہی اس ساری کائنات کا خالق ہے اور یہ ساری کائنات اسی کے حکم سے چلتی ہے۔

② اللہ اپنی مخلوق پر بے حد مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

③ اس کی مہربانی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے انسان کو تمام مخلوقات سے

Marfat.com

افضل بنایا۔

④ اور اس کی افضلیت کو برقرار رکھنے کے لیے ان تمام قوانین کو اس پر منکشف کر دیا جو اس کی بہتری اور بھلائی کے ضامن ہو سکتے ہیں۔

⑤ اگر آدم زادہ ان قوانین کی پابندی کرے گا اور ان سے بھٹک نہیں جائے گا تو اس دُنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں اس کے لیے ہیں۔ اگر وہ اس سے بغاوت کر گیا تو اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو قانون کے باغیوں یا لاقانونیت میں مبتلا ہونے والوں کا ہوا کرتا ہے۔

اب لفظِ ''اسلام'' کے لُغوی معنوں کو ذہن میں رکھ کر اصول وضوابط کی اس مختصر فہرست پر نظر ڈالیے۔ اس روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ''مرکزیت'' اور ''قانونیت'' ہی سلامتی ہے۔ آدم زادہ جب ان دوِ راستوں سے بھٹک گیا تو وہ سلامتی سے بھٹک گیا اور مردود ہوا۔

اس روشنی میں جب ہم اسلام کے عمل اور مکی معاشرے کے ردّعمل کو دیکھتے ہیں تو یہ مرکزیت اور عدمِ مرکزیت، قانونیت اور لاقانونیت کی آویزش معلوم ہونے لگتی ہے ہمارے بزرگ اسی کو حق اور باطل کی آویزش کہتے تھے۔ ان کی نگاہ میں:

حق مرکزیت اور قانونیت کا مترادف تھا اور
باطل لامرکزیت اور لاقانونیت کے ہم معنی

باردِ جنگ:۔

چنانچہ حق کے علمبردار ﷺ نے جب باطل پرست مکہ کو لامرکزیت اور لاقانونیت سے ہٹ کر مرکزیت اور قانونیت کی طرف آنے کی دعوت دی تو مفادات کے وہ تمام گروہ جو مکی معاشرے کے تاروپود تھے اور جو لاقانونیت اور لامرکزیت ہی کو اپنے مفادات کا بہترین ضامن سمجھتے تھے اس کے خلاف ہو گئے۔ ان گروہوں میں سے جو نیک دل اور صالح فطرت کے افراد تھے وہ آہستہ آہستہ حق کے دائرے میں آتے گئے لیکن گروہ بحیثیتِ مجموعی اس عمل

Marfat.com

اور اس کے اثرات کے خلاف مدافعت پر تیار ہو گئے ان مدافعت کرنے والوں نے جو طریقے اختیار کیے وہ حیرت انگیز حد تک ان تمام طریقوں سے مشابہ ہیں جو آج دُنیا کے بڑے بلاکوں کی سیاست میں استعمال ہوتے ہیں اور جنہیں ''بارد جنگ'' یا ''کولڈ وار'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پہلے برہمی اور بزرگانہ خفگی کے ساتھ ساتھ استہزاء کو آزمایا جاتا ہے۔ پھر یہ خفگی بڑھ کر غصے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ تبلیغ کے بجائے تحریض کو آزمایا جاتا ہے اور بڑے بڑے لالچ دیے جاتے ہیں کہ کسی طرح آنحضرت ﷺ اپنے اس عمل کو ترک فرما دیں۔ جب اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو خاندانی دباؤ کو استعمال کرنے کی کوشش ہوتی ہے جب یہ بھی ناکام ہو جاتے ہیں تو تشدد کے اکا دُکا واقعات شروع ہوتے اور تعداد میں کثرت اختیار کرتے جاتے ہیں۔ راہ چلتے میں سرِ اقدس پر کُوڑا کرکٹ پھینک دیا جاتا ہے۔ راستے میں کانٹے بچھا دیے جاتے ہیں۔ نماز میں گردن پر اونٹ کا بوجھ رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو اذیتیں دے کر نراج کی طرف واپس آنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو مرکزیت کو اپنا کر معاشرے میں ایک ''بُری'' مثال قائم کر رہے ہیں۔ ان میں سے جن پر زور چلتا ہے۔ زور آور اسے اپنے ذوق کے مُطابق اذیتیں دیتا ہے۔ کسی کو تپتی بھالو پر دُھوپ میں لٹا دیا جاتا ہے۔ کسی کو دہکتے انگاروں پر گرایا جاتا ہے۔ کسی کو چٹائی میں باندھ کر نیچے سے دُھواں دیا جاتا ہے۔ جب یہ سب کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں تو عام بائیکاٹ کر دیا جاتا ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں ان تک نہیں پہنچنے دی جاتیں لیکن بارد جنگ کی یہ انتہائی صورت بھی ناکام ہو جاتی ہے۔ کچھ ہجرت کر کے مکہ سے دُور حبشہ میں چلے جاتے ہیں باقی جو رہ جاتے ہیں۔ ان پر زندگی کو تنگ کرنے کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے۔ ان تمام شدائد میں سب سے زیادہ اور شدید دشمنی کا نشانہ اس تحریک کی مرکزی شخصیت اور خدا کے آخری پیغمبر ﷺ ہیں۔ عرب سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اس زمین کو اس مرکزی شخصیت سے محروم کر دیا تو یہ دُنیا خدا کے قانون سے خود بخود خالی ہو جائے گی اور ان کا نراج ان کے مفادات کی

Marfat.com

حفاظت کرنے کے لیے قائم رہے گا۔

اسی ذہن کے تحت خود ذاتِ اقدس پر جان لیوا حملے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاریخ نے انفرادی کوشش کے بعض واقعات کو محفوظ رکھا ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مزاج کے ایک پُر جوش حامی نے آپ کی گردن میں پٹکا ڈال کر اس زور سے پھینکا کہ آپ کی سانس رُک گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بچایا۔ بائیکاٹ کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ شمشیر بدست قتل کرنے کی نیت سے پہنچ گئے لیکن خود مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح طائف کے سفر میں وہاں کے سرداروں نے غنڈوں اور اوباشوں کو ہشکار دیا جنہوں نے پتھراؤ کر کے جسم اقدس کو لہولہان کر دیا۔ مختصر یہ کہ بارد جنگ آہستہ آہستہ گھر کر گرم جنگ کا رُخ اختیار کرتی رہی۔

اس بارد جنگ کا جو جواب دیا گیا اسے آج کی زبان میں ''پُر امن مدافعت'' کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے۔ صدیوں بعد ہندوستان کے ایک ہندو سیاسی لیڈر کرم چند موہن داس گاندھی نے اسے انگریز کی قوتوں کے خلاف کامیابی کے ساتھ استعمال کیا تھا۔ مکہ میں اس کی شان بڑی ولولہ انگیز تھی۔ تحریص کا جو جواب ملا یہ تھا ''اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اسے باز نہیں رہ سکتا۔'' بائیکاٹ کے دنوں میں اس کا جواب یہ تھا کہ لوگوں نے سُوکھا چمڑا بھُون کر کھایا۔ اور بیری کے پتوں سے پیٹ کی آگ بجھانے کی کوشش کی لیکن اس دباؤ میں آنے اور اپنے موقف کو چھوڑ دینے پر تیار نہ ہوئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ انگاروں پر لٹائے گئے تو ان کی زبان سے ''احد...... احد'' کی آواز سنائی دی۔ طائف میں خدا کے پیغمبر ﷺ پر پتھر برسائے گئے تو جواب میں دُعا دی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قتل کرنے کے لیے آئے تو پُر امن مدافعت کے جاہ و جلال سے اس حد تک مرعوب ہوئے کہ خود تحریک کا حصّہ بن گئے۔

یہ بارد جنگ اسی طرح ایک فریق کی جانب سے اظہارِ شدت اور غضب اور دوسرے

Marfat.com

کی طرف سے نیک خواہی۔ نیک اندیشی اور نیک عملی کے متعدد واقعات میں سے گزرتی ہوئی اس نقطے پر آئی کہ مکہ کے اربابِ حل وعقد بالکل بے بس ہو گئے۔ کعبہ کے قریب ایک گھر دارالندوہ کہلاتا تھا جس میں اہم قومی مواقع پر پورے قبیلۂ قریش کا جرگہ جمع ہوتا۔ یہیں سے صلح و جنگ کے فیصلے ناخذ ہوتے اور اسی جگہ سے جنگ کے جھنڈے کھولے جاتے۔ مکے نے اپنی اخلاقی بے بسی کو اس انداز میں سمجھا کہ محمد ﷺ کا خاندان مکہ کا ممتاز خاندان ہے انہیں قتل کر دینا اس لیے مشکل ہے کہ یہ خاندان اس کا انتقام لینے پر اُتر آئے گا اور مکے کے اندر ایک خون آشام خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ جرگہ میں ابوجہل نے اس مشکل کا یہ حل دریافت کیا کہ قریش کے تمام خاندانوں میں سے ایک ایک جوان اور مضبوط آدمی لیا جائے ان کے ہاتھ میں تلوار دی جائے اور یہ سب مل کر ایک ہی مشترک وار میں محمد (ﷺ) کا کام تمام کر دیں۔ اس طرح خُون کی ذمہ داری قریش کے تمام خاندانوں پر منقسم ہو جائے گی اور محمد (ﷺ) کا خاندان انتقام لینے میں پورے قریش کے مقابلے میں عاجز ہو کر خون بہا لینے پر مجبور ہو جائے گا۔

اس واقعہ کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ مکہ متفق ہو چکا تھا کہ بارد جنگ کو گرم جنگ میں بدل دیا جائے اور قریش کے تمام خاندان مل کر گرم جنگ کا آغاز کریں۔

صورتِ حال کا تغیر:۔

اسلام کے خلاف مکہ کے اتحاد و اتفاق کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت تک حجاز کے دوسرے بڑے شہر یثرب میں اسلام کا اثر و رسوخ شروع ہو گیا تھا۔ اس اثر و رسُوخ کے ابتداء اور ارتقاء کے لیے سیرت کی کوئی مستند کتاب ملاحظہ کیجئے۔ موجودہ موضوع کے لیے اتنا عرض کرنا کافی ہو گا کہ یثرب مکہ کے تجارتی راستہ کا اہم ترین مقام تھا۔ اس وجہ سے مکہ کے تجارت پیشہ خاندان اس شہر کے مختلف گروہوں سے گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ آپس میں

Marfat.com

رشتہ داریاں قائم ہو گئی تھیں اور اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ باہمی لڑائیوں میں ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ یثرب کے دو بڑے قبیلے اوس وخزرج تھے جو یہودیوں کی سیاست گری کی وجہ سے ایک مدت سے آپس میں دست وگریبان چلے آتے تھے۔ یہ باہمی لڑائیوں میں قریش کے مختلف خاندانوں کو اپنی مدد پر پکارا کرتے تھے۔ اس معاشرے میں اسلام کا پھیلنا مکی معاشرے کے لیے تجارتی اور سیاسی نقطۂ نظر سے بے حد خطرناک تھا۔ قریش نے بارد جنگ کے دوران اس کی پوری کوشش کی تھی لیکن نبوت کی بصیرت نے انہیں یہاں بھی قدم قدم پر شکست دی۔ سیرت کی کتابوں میں آپ پڑھیں گے کہ بیعتِ عقبیٰ بڑی راز داری سے ہوئی اور قریش کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ یہی وہ اقدام تھا جس نے اس سلسلے میں قریش کو سفارتی میدان میں شکست دی تھی اور اسلام یثرب میں ان کی خواہش کے خلاف تیزی سے پھیلنے لگا تھا۔ اب تجارتی راستے کی سب سے بڑی منزل کو بچانے اور حلیفوں کو نظریاتی حریفوں کی صف میں شامل ہو جانے سے روکنے کا واحد ذریعہ قریش کے نزدیک یہی باقی تھا کہ داعی اسلام ﷺ کا خون بہا دیا جائے۔ اس لیے مکہ کے مختلف گروہوں کا قتلِ پیغمبر پر متحد اور متفق ہو جانا جہاں آبائی دین اور بڑے بوڑھوں سے آنے والی روایات کی تحریم و تقدیس کو بچانے کے لیے تھا وہاں اس کی اس بڑی وجہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ مکہ اپنے تجارتی مفادا کو بچانے کی بھرپور اور حتمی تدبیریں بھی کر رہا تھا۔

فیصلہ کن شکست:۔

لیکن مسلمانوں کی تاریخ بالخصوص اس پہلو سے بڑی حیرت انگیز ہے کہ اسے دشمنوں کے ہر شر سے خیر کا کوئی نہ کوئی پہلو مل جاتا ہے۔ دشمن انہیں ختم کرنے کی بھرپور اور حتمی تدبیر کرتا ہے اور یہی تدبیر مسلمانوں کے لیے سازگار ثابت ہوتی ہے۔ تاریخ کے اس پُر اسرار عمل کو تائید ایزدی کے سوا اور کچھ نہیں جا سکتا۔ اس موقعہ پر بھی یہی صورت ہوئی۔

Marfat.com

یثرب میں امن کی امید پیدا ہوئی تو مسلمان آہستہ آہستہ مکہ سے ہجرت کر کے یثرب میں جانے لگے۔ جب قریشیوں نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی تو آنحضرت ﷺ کو بھی یثرب میں ہجرت کر جانے کی اجازت ہو گئی۔ چنانچہ شمشیر بکف قریشی جوان اس گھر کا محاصرہ کیے موقع کے منتظر کھڑے رہے اور خدا کا نبی ﷺ اس گھر سے نکل کر اپنے دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یثرب کی طرف روانہ ہو گیا۔

گرم جنگ کے پہلے اقدام پر قریش کی یہ شکست بڑی فیصلہ کن شکست ہے۔ اس نے قریشیوں کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے اور انہیں مجبور کر دیا کہ وہ مسلمانوں سے عہدہ برآمد ہونے کے لیے اپنی پوری پالیسی کو یکسر تبدیل کریں۔ پہلے یہ مکہ کا داخلی معاملہ تھا اور خاندانوں کی باہمی سیاست تک محدود تھا۔ اب اس کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ پہلے چند آدمیوں کو تیار کرنے کی ضرورت تھی اب یہ ناکافی تھی۔

Marfat.com

باب ۳:-

مدینہ میں

آنحضرت ﷺ کو مدینہ ◆[۱] میں تشریف لائے چند ہی دن گزرے تھے کہ قریشیوں کی طرف سے اس بات کا اظہار ہونے لگا کہ انہوں نے مسلمانوں کے متعلق اپنی پہلی پالیسی میں ترمیم کر لی ہے۔ اس بات کا پہلا اظہار یہ تھا کہ مکہ کی طرف سے یثرب کے ان لوگوں کے ساتھ سازباز شروع ہوگئی جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ ان دنوں میں قبیلہ خزرج کا سربرآوردہ شخص عبداللہ بن ابی بن سلول اپنی قوم میں بے حد مقبول تھا۔ اس کی مقبولیت اس بلندی کو پہنچی کہ خزرج والوں نے عبداللہ کو یثرب کا حاکم بنانے کی تجویزوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔ عبداللہ قدرتی طور پر ان تجویزوں کی وجہ سے بڑا مطمئن اور مسرور تھا کہ اس کے قبیلے میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اس کے بعد ہادیٔ اسلام ﷺ خود یثرب میں تشریف لے آئے اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے بادشاہ بننے کے سارے خواب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ مکہ کے سیاستدان اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے عبداللہ کو اپنی سیاست کے مہرے کے طور پر استعمال کرنا چاہا اور اسے یہ دھمکی آمیز خط لکھا:

"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔"

◆[۱] آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد وہ بستی جو یثرب کے نام سے موسوم تھی مدینۃ النبیؐ کے نام سے معزز ہوئی اور کثرت استعمال سے یہی نام مستعمل ہوگیا۔

Marfat.com

جب آنحضرت ﷺ کو اس خط کا علم ہوا تو آپ ﷺ بہ نفسِ نفیس عبد اللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے اور اسے سمجھایا۔

''کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟''

خزرج کے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ اس سوال میں جو نکتہ پوشیدہ تھا عبد اللہ بن ابی کی سمجھ میں آ گیا۔ اور وہ قریش کی دھمکی اور اپنی خواہش کے باوجود کوئی اقدام کرنے سے قاصر رہا۔ آج کی سیاست میں اسے ''پریشر پوائنٹ'' (دباؤ کے نکتے) کا سفارتی استعمال کہا جاتا ہے۔ اور ''دباؤ کے نکات'' کے متعلق پوری طرح سے باخبر ہوئے بغیر آج کی عالمی سیاست کو سمجھنا بھی ممکن نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے قریشیوں کے دباؤ کے اس نکتے کو کس تدبیر سے خود قریشیوں کے خلاف پلٹ دیا۔ اس کا لطف سیاست کے طالب علم لیں گے اور اس عظیم بصیرت پر جھومیں گے جو صرف نبوت کے حصے میں آتی ہے۔

قریش کی جنگی تیاریوں کی خبریں:۔

اس سفارتی چال کے ناکام ہو جانے کے بعد مکہ کی طرف سے مدینہ میں جو خبریں موصول ہونی شروع ہوئیں وہ یہ تھیں کہ مکہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت ﷺ راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ صحیح نسائی کی ایک روایت نقل کرتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ جب مدینہ منورہ میں آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے۔''

صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی مولانا ہی نے نقل کی ہے: کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا ''آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا۔'' چنانچہ حضرت سعد وقاص نے ہتھیار لگا کر پہرہ دیا۔ تب آپ نے آرام فرمایا۔ حاکم کی ایک روایت ہے:

''آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں آئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح تک ہتھیار

Marfat.com

باندھ کر سوتے تھے۔"

ان واقعات میں زمانے کے تقدم و تاخر کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مدینہ میں تشریف فرما ہونے کے بعد کب یہ واقعات ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کی مدافعت کے لیے پہلے کونسا اقدام فرمایا اور بعد میں کون سا۔ لیکن ان واقعات سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ مکہ کی طرف سے آنے والی خبروں نے مدینہ میں رہنے والوں کو چوکس اور مستعد کر دیا تھا۔ مکہ کی بارد جنگ اب قصۂ پارینہ بن چکی تھی اور گرم جنگ کی دھمک صاف سنائی دے رہی تھی۔

قرآن حکیم نے پہلی بار مسلمانوں کو حکم فرمایا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ○ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

ترجمہ: "اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔ اس لیے کہ قتل اگرچہ بُرا ہے لیکن فتنہ اس ❶ سے بھی برا ہے۔ اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو۔ مگر جب وُہ وہاں لڑنے سے نہ چُوکیں

❶ مولانا مودودی تفہیم القرآن جلد اول میں لفظ فتنہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہاں فتنے کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے جس میں انگریزی (PERSECUTION) استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کسی گروہ یا شخص کو محض اس بنا پر ظلم و ستم کا نشانہ بنانا کہ اس نے رائج الوقت خیالات و نظریات کی جگہ کچھ دوسرے خیالات و نظریات کو حق پا کر قبول کر لیا ہے اور وہ تنقید و تبلیغ کے ذریعہ سے سوسائٹی کے موجود الوقت نظام میں اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔"

Marfat.com

تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

علماء کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ اس حکم کے ذریعہ جہاد کی افضل ترین قسم قتال کی اجازت مسلمانوں کو پہلی بار دی گئی۔ اس سے قبل جس طریقے سے مسلمانوں نے کفار کا مقابلہ کیا۔ ان میں جہاد کی دوسری اقسام شامل تھیں۔

یہ اجازت جیسا کہ پہلی نظر میں معلوم ہو گیا ہو گا۔ دفاعی جنگ کی اجازت ہے۔ ''ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔'' ...... ''انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے۔'' ...... ''قتل بُرا ہے لیکن فتنہ اس سے بھی بُرا ہے۔'' اس لیے ایک بڑی برائی کو ختم کرنے کے لیے چھوٹی برائی کو استعمال کرنا اچھی بات ہے۔

دفاعی جنگ:۔

راقم الحروف کے پاس یہ بات وثوق کے ساتھ کہنے کے لیے کوئی حوالہ موجود نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دفاعی جنگ کی تیاریاں اس خدائی حکم کے بعد شروع فرمائیں یا پیغمبرانہ بصیرت نے اس حکم سے پہلے قریش کے ناگزیر حملے کا اندازہ کر لیا تھا اور حضور ﷺ ان تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کے کسی عمل کے وقت کو متعین کرنے کی ذمہ داری لیے بغیر ان سطور میں واقعات کو مجموعی طور پر بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی اور جو مواد حاصل ہو سکا ہے اس کی روشنی میں اس طریق کار کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بعد اس مبارک عہد کی ان محیر العقول فتوحات کا باعث بنا جو آج بھی مستشرقین کو ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں راقم الحروف دو صاحبِ نظر اور صاحبِ علم اہلِ قلم کا ممنون ہے۔ جنہوں نے اس موضوع پر اردو میں دو نہایت مفید کتابیں مرتب کیں۔

ایک ڈاکٹر حمید اللہ سابق استاذ قانون جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ہیں جنہوں نے علمی

Marfat.com

تحقیق کی ذمہ داریوں کو اس احسن طریقے سے پورا کیا کہ خود مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے غزوات کے ہر میدان کا چپہ چپہ خود دیکھا اور اپنے ہاتھ سے اس کی پیمائش کی۔ اس محنت کے بعد انہوں نے ''عہد نبوی کے میدانِ جنگ'' کے عنوان سے دو قیمتی رسالے اردو میں لکھے۔

اس کے بعد ہمارے ملک کے مایۂ ناز ماہرِ حرب میجر جنرل محمد اکبر خاں ہیں۔ موصوف نے فنِ جنگ کے متعلق اپنے تجربات اور اپنے وسیع مطالعہ کی روشنی میں حضور ﷺ کے غزوات کا مطالعہ کیا اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی محنت سے بھی فائدہ اٹھایا اس کے نتیجے میں اس موضوع پر ایک اہم کتاب مرتب ہوگئی جو ''حدیث دفاع'' کے زیر عنوان ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

ان سطور کی ترتیب کے لیے ان دونوں کتابوں سے روشنی حاصل کی گئی ہے۔

اصولِ دفاع:-

آنحضرت ﷺ نے دفاعی جنگ کے لیے جو تیاریاں فرمائیں۔ ان کی تفصیلات پڑھنے سے پہلے یہ مفید ہوگا کہ اس بات کو سمجھ لیا جائے کہ دفاع کے اصول کیا ہیں اور ماہرین کی رائے میں کن طریقوں پر بہترین دفاع ممکن ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں میجر جنرل اکبر خاں (سابق کرنل کمانڈنٹ رائل آرمی سروس کور) جنرل باؤ کا ایک مفید تبصرہ نقل کرتے ہیں:

''جو ملک، جو قوم و حکومت اپنے مفاد کی حفاظت جنگ کے ذریعہ کرنا چاہتی ہے۔ اسے اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی کارروائی ہمسایہ حکومتوں کے نظریوں کی پاسداری[1] کے

---

[1] سرِ راہے یہ بھی دیکھتے چلیئے کہ پاکستان پر بھارت کے حملے کے دوران پاکستان کا دفاع کرنے کے ذمہ دار لوگوں نے ان اصولوں پر کیسی عمدگی سے عمل کیا تھا اور اس کے مقابلے میں بھارت نے ان اصولوں کو کس احمقانہ انداز میں نظر انداز کیا۔ پنجاب میں ہمارے قریب ترین ہمسائے سکھ تھے اور مشرقی پاکستان میں نیپال اور سکم اور چین۔ آگے چل کر آپ محسوس کریں گے کہ یہ ٹھیک اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق تھا اور اسی کی برکت سے ہمیں خدا کی نصرت پیش از بیش حاصل رہی۔

Marfat.com

خلاف نہ ہو جس سے وہ خواہ مخواہ ناراض ہو کر اپنے خلاف دشمن کے ساتھ صف آرا ہو جائیں۔اس خارجی حکمت عملی کا انحصار تین باتوں پر ہے:

① اپنے ملک کی جغرافیائی پوزیشن پر۔

② اپنے قومی مفاد پر۔

③ اپنے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لیے قوم کے عزم پر۔

پہلی دو باتیں اس کا فیصلہ کرتی ہیں کہ کن کن حکومتوں سے کس قسم کے تعلقات اور کیا برتاؤ ہونا چاہیئے۔ تیسری بات کے مطابق دشمن کے خلاف اپنے نرم، گرم، سخت بے باکانہ یا مصالحانہ طرز عمل کا تعین ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر ان تینوں کے مطابق اس کی فوج مضبوط یا کمزور ہوگی۔ لہٰذا جنگ کی تیاری تین قسم کی ہوتی ہے:

① سیاسی:۔

سیاسی تیاری کے وقت حکومت پر ملک کے باشندوں کا کامل اعتماد ◆ ضروری ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہمسایہ حکومتوں کے ساتھ دوستی و حمایت اور اعتماد کا رشتہ قائم ہو۔ تاکہ یہ بات واضح طور پر معلوم رہے کہ خطرات کا اعلان کس کس طرف سے ہے اور ان کا تدارک کیا کیا جاسکتا ہے۔

② اخلاق اور مادی:۔

جب ملک کی اخلاقی حالت مستحکم ہو کہ نظم و نسق کا معیار خوبی بن جاتی ہے تو جنگ میں کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ نپولین کا قول ہے کہ اخلاقی طاقت جسمانی طاقت سے کم از کم تین گناہ زیادہ اہم ہے۔ چونکہ فوج ہر لحاظ سے اپنے ملک وقوم کی علم بردار ہوتی ہے اس لیے جس فوج میں سچائی، بردباری، ایثار و جاں نثاری اور صلاحیت و استعداد کی خوبیاں اور عشرت

◆ جنگ کے کچھ دن قبل بھارت کی لوک سبھا میں شری لال بہادر شاستری کی حکومت کے خلاف عدمِ اعتماد کی تحریک پیش ہوئی تھی۔ جو بعد میں کثرتِ رائے سے مسترد ہوگئی۔

Marfat.com

رانی [1] کے بجائے نفس کشی کے اوصاف ہوں گے وہ ہر جدوجہد میں کامیاب رہے گی۔

(۳) آلاتِ حرب وضرب:۔

فوج کا جدید آلات سے مسلح ہونا ضروری ہے۔ اس سے اپنی فوج پر اپنے باشندوں کا اعتماد بڑھتا ہے اور اس اعتماد سے تجارت فروغ پاتی ہے۔ دوسری قوتیں اس زبردست فوج کے باعث اس ملک کے حقوق و مفاد، اس کی حکومت اور اس کی تجارت کا احترام کرتی ہیں۔

> ''حکومت کا فرض ہے کہ اعلانِ جنگ کے وقت ملکی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے فوج کو اپنے دفاعی مقاصد [2] سے واضح طور پر آگاہ کر دیا جائے۔''

جنرل برڈ کے یہ افکار جو میجر جنرل اکبر خاں کے لفظوں میں بیان ہوئے ایک عمومی قدیمی پالیسی کے متعلق تھے۔ میدانِ جنگ میں جانے سے پہلے جو تیاریاں ہونی چاہیں ان کے متعلق میجر جنرل صاحب جنرل ہیملے اور جنرل کیگل کی کتاب ''آپریشن آف وار'' کے اقتباسات ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

> ''جنگ شروع کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا لینا ضروری ہے کہ لڑائی کن کن حالات اور کن کن اثرات کے ماتحت لڑی جائے گی۔ میدانِ جنگ کس قسم کا ہے۔ فوجوں کے ہتھیار خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں بدلتے رہیں گے۔ میدانِ جنگ میں کامیابی کے لیے فوج میں عزم و اخلاق، نظم وضبط، عقل وفہم، جسمانی طاقت اور تحملِ مصائب کی قوت کا ہونا لازمی ہے، لڑائی کے میدان میں اخلاقی

---

[1] بھارتی فوج کے مفتوحہ مورچوں میں سے جو چیزیں سب سے زیادہ مقدار میں ملیں وہ شراب کی خالی اور بھری ہوئی بوتلیں، ایکٹریسوں کی تصویریں اور عشقیہ خطوط تھے۔ بھارتی فوج اپنے ریڈیو کو جن گانوں کی فرمائش کرتے تھے۔ وہ عشقیہ ہوا کرتے تھے۔ ان کے مقابلے میں پاکستانی فوجی ترانوں اور نعتوں کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ اور تحفے میں قرآن کریم اور پنج سورہ شریف کے نسخوں کی فرمائش ہوتی تھی۔

[2] ہماری فوج کا ہر سپاہی جانتا تھا کہ اسے مظلوم کشمیریوں کی دادرسی کرنی ہے۔ اور اپنے ملک کے عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے جان دینا ہے۔ اس کے مقابلے میں بھارتی فوج لاہور کے جم خانہ کلب میں وہسکی پینے کے لیے آرہی تھی۔

Marfat.com

قوتوں کی خاص آزمائش ہوتی ہے۔"

کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ جنگ کا آغاز اچھا ہو اور آغاز اسی وقت اچھا ہوسکتا ہے جب آغازِ جنگ سے پہلے زمانۂ امن میں لڑائی کی پوری تیاری کر لی جائے۔ لیکن یہ تیاری بے کار محض ہے اگر فوج کو اس زمانہ میں عمدہ تربیت دے کر سخت جان نہ بنایا گیا ہو۔ پھر مصائب کے خنداں اور فرحاں برداشت کرنے کا انحصار جسمانی قوت سے زیادہ اخلاقی قوت پر ہے۔ اس لیے سپہ سالار پر لازم ہے کہ وہ فوج کی اخلاقی تعلیم کا بہت زیادہ خیال رکھے کیونکہ دفاعی منصوبوں کی کامیابی کا دارومدار از اخلاقی حالت کے اچھے یا بُرے ہونے پر ہوتا ہے۔"

ان شہرۂ آفاق ماہرینِ فن حرب کے افکار (جو دراصل ان کے مطالعہ اور تجربات کا نچوڑ ہیں) پیش کرنے کے بعد میجر جنرل اکبر خان دنیا کی دو بڑی فوجوں کی شکست کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اکثر دفاعی مبصرین کی رائے ہے کہ فرانس ۴۵۔۱۹۳۹ء کی جنگ عظیم میں محض اس لے شکست کھا گیا کہ فرانسیسی سپاہی آرام طلب، عیش پسند اور پست حوصلہ تھے اور خود اعتمادی کے جوہر سے تہی مایہ۔

گو مسولینی نے اٹلی والوں کو جسمانی اور تعلیمی اعتبار سے فائق بنا دیا تھا مگر اخلاقی مضبوطی کی طرف توجہ نہ کی۔ اس لیے میدان میں وہ بھی بہت جلد جی چھوڑ بیٹھے۔"

اسلام کی دفاعی تیاریاں:۔

یہ دنیا کے ان ماہرینِ جنگ کے مطالعہ اور تجربات کا نچوڑ ہیں جو جنگی فنون کے ایک تربیت یافتہ، تجربہ کار اور سوچنے سمجھنے کی اہلیت سے بہرہ ور افسر کی زبانی پیش ہوئے۔ میجر

Marfat.com

جنرل اکبر خاں نے ۱۹۵۳ء میں یہ کتاب ختم کی تھی گویا اوپر کی سطور میں جو کچھ پیش ہوا وہ جدید ترین ہے۔ اب اس کے مقابلے میں ان دفاعی تیاریوں کا مطالعہ کیجئے جو مدینہ میں آج سے چودہ سو برس قبل ہوئیں اور پھر اندازہ کیجئے کہ پیغمبرانہ بصیرت صدیوں کے جنگی تجربات اور آلاتِ جنگ میں کل انقلاب کے باوجود کتنی مکمل اور کتنی نتیجہ خیز تھی۔ اس بصیرت نے جو جنگی اصول وقوانین وضع فرمائے ان کے مقابلے میں جدید ترین افکار وآراء کتنی تشنہ اور کم سواد ہیں اور اس نقطۂ نظر سے آنحضرت ﷺ کے غزوات کا مطالعہ ہمارے لیے من حیث القوم کتنا ضروری اور اہم ہے۔

اخلاقی تربیت:۔

آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی سرتاسر معلم اخلاق کی زندگی تھی۔ اس زمانے میں جتنی آیات نازل ہوئیں اور جتنے قوانین نافذ ہوئے ان کا مقصد یہ تھا کہ:

① اس تحریک میں شامل ہونے والوں کو ایک مرکز اور ایک عالمگیر قانون کے تحت اس طرح جمع کر دیا جائے کہ وہ ''ملتِ واحدہ'' بن جائیں۔

② ان کو اخلاق کا ایسا معیار دیا جائے کہ ان کی انسانی کمزوریاں توانائیوں میں بدل جائیں اور ان کی جبلی عظمتیں ان نئی توانائیوں کے ساتھ مل کر مرکز کے حقیقی مقصد کے لیے وقف ہو جائیں۔

③ دنیوی زندگی کی کوئی حقیقت کسی کی نظر میں باقی نہ رہے اور حیات بعد الموت ◆ کو اتنی اہمیت حاصل ہو جائے کہ دنیوی زندگی کو آخرت کی بہترین زندگی کے حصول کے لیے

◆ یہاں اس اہم بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب سے یورپ مسلمان کے ساتھ ٹکرایا اسی دن سے اس نے مسلمانوں کے اس تصور (حیات بعد الموت) کو اپنے لیے خطرناک سمجھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ صلیبی لڑائیوں سے لے کر عالمِ اسلام کی شکست کے آخری دن تک اور اس سے بڑھ کر آج کے دن تک یورپ نے اس عظیم تصور کے خلاف عقلی مورچہ قائم کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کے ایمان کو جس کی بنیاد پیغمبرانہ بصیرت ہے انسانی عقل کی میزان پر تولنا اس کا پرانا شغف ہے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دشمن کا ردِعمل خود عملی کی عظمت کا ثبوت ہوتا ہے۔

Marfat.com

جدوجہد کا میدان سمجھ لیا جائے۔

④ ہر قسم کے مصائب اور شدائد کو برداشت کرنے اور بڑی سے بڑی جرأت کو خندہ پیشانی سے جھیل جانے کی ایسی ہمت اور جرأت پیدا ہو جائے کو مخالفت کتنی بھی شدید، کتنی بھی کڑی اور کتنی بھی نا قابلِ برداشت ہو پائے ثبات میں لغزش نہ آئے۔

یہ وہ عظیم تربیت تھی جس میں مسلمان مکی زندگی کے تیرہ سال تک گزرتے رہے ان میں ایسے لوگ تھے جنہوں نے بڑی سے بڑی آزمائش میں صبر کرنے اور مشکلات کو نماز اور صبر کے ذریعے عبور کر جانے کے نا قابلِ یقین کمالات دکھائے تھے۔ لاریب اس قسم کی اخلاقی تربیت کسی قوم اور کسی فوج اس سے پہلے نہیں دی گئی اور مسلمانوں نے جب تک اخلاق کے اس معیار کو قائم رکھا اور زمانۂ ان میں اس تربیت کو اپنے وظیفۂ حیات کے طور پر اختیار کیا اس وقت تک دنیا کی کوئی قوم ان پر غالب نہیں آسکی۔

اس ساری تربیت، ریاضت، مشقت اور قوتِ برداشت کو جہاد کے وسیع ترمعنوں میں لیا جاتا ہے اور یورپ اور امریکہ کے وہ تمام بڑے بڑے جرنیل جن کے حوالے میجر جنرل اکبر خاں نے دیئے اسی کو امن کے زمانے کی تربیت نام دیتے ہیں۔ مغربی جرنیلوں کے تصور تربیت اور اسلام کے تصور جہاد میں ایک بنیادی اور اہم فرق یہ ہے کہ یہ جرنیل اس تربیت کو صرف فوج تک محدود رکھتے ہیں۔ اسلام اس کا دائرہ پوری قوم پر وسیع کر دیتا ہے۔ اس فرق کا عملی زندگی میں جو اثر ہوگا وہ مغربی قوموں اور اس تصور پر پوری طرح سے عامل مسلمان قوم میں بالکل واضح اور تاریخی طور پر ثابت ہے۔

مغرب کی افواج اپنی قومی روایات کو میدانِ جنگ میں بھی ساتھ لاتی ہیں اور انہیں ان اخلاقی اقدار کی تربیت حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ جہاں یہ تربیت ذرا کمزور اور ڈھیلی ہو وہاں فرانس [1] اور اٹلی کی فوجوں کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلمان افواج اپنی قومی روایات کو ساتھ لے کر میدانِ قتال میں اترتی ہیں۔ ان

---

[1] اب اس میں بھارتی فوج کو بھی شامل کر لیجیے۔

Marfat.com

کی اخلاقی تربیت نسبتاً آسان ہے اور فوج کے میدان میں اترتے ہی پوری قوم اس جنگ کا جزو بن جاتی ہے۔ اس کی لاتعداد مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ تازہ ترین مثال ۱۹۶۵ء، میں پاکستان پر بھارت کے حملے کے نتیجے میں سامنے آئی۔ پوری پاکستانی قوم ایک جست میں اس نصب العین کی سرحدوں میں داخل ہوگئی جو صدیوں پہلے قائم ہوا تھا اور ثابت ہوگیا کہ ہماری بے شمار کوتاہیوں اور ثقافت کے نام پر ہونے والی لاتعداد حماقتوں کے باوجود اسلام کے ابدی اصول ہم جیسے بے عملوں کو بھی زندگی کی شعلہ سامانیوں سے معمور کر سکتے ہیں۔

سیاسی تیاری:۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا دفاع کی سیاسی تیاریوں میں ملک کی جغرافیائی پوزیشن، قومی مفاد اور ان مفادات کے تحفظ کے لیے قوم کے عزم کو خاص اہمیت دی جاتی ہے، جہاں تک قومی مفادات اور ان مفادات کے تحفظ کے لیے قوم کے عزم کا تعلق ہے۔ زیادہ تفصیلات کی ضرورت نہیں۔ قدوسیوں کی یہ مختصر جماعت جو اپنے گھر بار کو چھوڑ کر مدینہ میں آتی تھی وہی نصب العین رکھتی تھی جو مکہ میں مدتوں ظاہر ہوتا رہا۔ یعنی یہ کہ دنیا لامرکزیت اور لاقانونیت کے چنگل میں گرفتار ہے اور اس کی وجہ سے اولادِ آدم ہزار دو ہزار مصائب کا شکار ہوگئی ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ دنیا کو مرکزیت اور قانونیت کی نعمتوں سے مالا مال کیا جائے۔ ایک خدا، ایک قانون اور اس قانون کا ایک مفسر (ﷺ) اولادِ آدم کو ہزار در ہزار مصائب سے نجات دلائے گا اور دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال کر دے گا۔ اس جماعت کا مفاد مکہ میں بھی یہی تھا کہ یہ نصب العین دنیا میں قائم ہو جائے اور اس کی ترویج و اشاعت کے راستے ہموار ہو جائیں۔ مکہ نے اسی مفاد کو تباہ کر دینے کی لاتعداد کوششیں کیں اور اس جماعت کو گھروں سے نکلنا پڑا۔ مدینہ میں بھی یہی مفاد تھا اور اس کے تحفظ کے لیے قوم کے عزم کا اس سے بڑا کوئی ثبوت نہیں دیا جاسکتا کہ اسی ◆ تحفظ کی خاطر اپنا گھر بار، اپنا مال املاک اور اپنی

◆ سر راہے یہ ذکر بھی ہو جانا چاہیئے کہ یہی وہ خاص نکتہ ہے جس کو بھارت کا براہمنی سامراج قیامِ پاکستان کے وقت نہیں سمجھ سکا۔ قیامِ پاکستان کے وقت ہندی مسلمانوں نے جان اور ناموس کی جو باقی اگلے صفحہ پر

Marfat.com

جائیدادیں یہاں تک کہ بعض صورتوں میں اپنی محبوب بیویاں اور پیارے بچے بھی تج دیئے گئے۔ اس کے بعد کونسی قوم اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے آمادہ ہو سکتی تھی؟ اس نقطۂ نظر سے جو بات سمجھنے والی رہ جاتی ہے وہ مدینے کی جغرافیائی پوزیشن ہے۔

مدینے کا جغرافیہ اور معاشرہ:۔

تقریباً دس ساڑھے دس میل لمبے اور دس میل چوڑے چٹیل میدان میں ایک دوسرے سے ایک ایک دو دو فرلانگ کے فاصلے پر بنی ہوئی چند بستیوں کا مجموعہ جو عہد نبوی کا یثرب تھا اس میں جو بستی ان تمام بستیوں کے ٹھیک درمیان میں آباد تھی اسے یثرب کہا جاتا تھا اور اسی نسبت سے اس پورے مجموعے کو یثرب کہتے تھے۔ ان دوسری بستیوں کے اپنے اپنے الگ الگ نام بھی تھے۔ بستیوں کا یہ مجموعہ تین طرف سے پہاڑیوں میں گھرا ہوا تھا۔ شمال میں جبل احد ہے جو شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے اور جس کی چوٹی جبل ثور کہلاتی ہے۔ جنوب میں جبل عیر ہے۔ اس وقت کی یہ متفرق آبادی جبل ثور سے جبل عیر تک پھیلی ہوئی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے یثرب میں نزولِ اجلال فرمایا اور پہاڑیوں کے اس طویل وعریض سلسلے میں گھرے ہوئے میدان کو جو "جوف یثرب" کہلاتا تھا۔ حرم کے لفظ سے یاد فرمایا اور یہ آہستہ آہستہ "حرم مدینہ" کہلانے لگا۔ اس علاقے کی زمین ہموار نہیں ہے۔ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں جو میجر جنرل اکبر خاں کے بقول ہجوم اور دفاع کے اعتبار سے بہت زیادہ اہم ہیں۔ اس بستی کے مغرب جنوب اور شمال مشرق میں متعدد باغات اور گنجان آبادیاں واقع تھیں۔ مشرق میں طرف قبا سے احد کے قریب تک شمالاً جنوباً زیادہ تر یہودی آباد تھے جن کے محلے گنجان اور دور دور تک چلے گئے تھے۔ یثرب کے شمال مغرب میں بئر رومہ سے وادی

باقی حاشیہ (صفحہ......) قربانیاں دیں وہ اپنی جگہ عظیم تھیں۔ ان کے ساتھ ساتھ مال و املاک کی قربانی جس کے اثرات دور رس اور طویل المعیاد تھے محض ہندو غنڈوں کے خوف سے نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ ایک نصب العین کی خاطر یہ سب کچھ ہوا۔ اگر بھارت کی قیادت قربانیوں کی ان روایات کا مفہوم سمجھتی تو وہ یہ بھی سمجھ جاتی کہ پاکستان بنانے کے لیے یہ سب کچھ کرنے والے پاکستان کی حفاظت کا محکم عزم رکھتے ہیں۔

Marfat.com

العقیق کے کناروں تک بہت سے باغات تھے۔ بہر رومہ کا یہ علاقہ بھی یہودیوں کے قبضے میں تھا۔ شمالی علاقہ کھلا ہوا تھا اس میدان کی زمین شور ہونے کی وجہ سے ناقابلِ کاشت تھی۔ جنوب کی طرف دشوار گزار وادیاں اور گھائیاں ہیں۔ قدم قدم پر لاوے کے پتھر حائل ہیں۔ پانی کی شدید قلت ہے۔ پتھروں کے تپ جانے سے گرمی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔

غرض آنحضرت ﷺ نے جس بستی کو آج کی زبان میں اسلامی ریاست کے صدر یا مرکزی مقام کی حیثیت سے پسند فرمایا اور اس میں مسجد اور ازواجِ مطہرات کے حجرے تعمیر کر کے اسلامی ریاست کی پہلی اسمبلی قائم فرمائی۔ وہ دفاعی اعتبار سے بستیوں کے اس مجموعہ کا بہترین حصہ ہے۔

اس اسلامی ریاست کے قریب تریں ہمسائے یہودیوں کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ تھے۔ اس کے علاوہ ان بستیوں کے اکثر وہ قبیلے جو یہودی الاصل نہ تھے یہود سے علمی طور پر مرعوب تھے اور والدین منت مانا کرتے تھے کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو وہ اپنے بچے کو یہودی بنا دیں گے۔ اس رسم کی وجہ سے اور دیگر وجوہ سے بنی نجار بنی الاشہل، بنی ساعدہ، بنی عمرو بن عوف، بنی زریق، بنی حارثہ، بنی ثعلبہ وغیرہ میں یہودیوں کی بڑی تعداد پائی جاتی تھی۔

ان بستیوں کی غیر یہودی آبادی اور دوسرے قبیلوں اوس وخزرج پر مشتمل تھی جو عرب کے عام دستور کے مطابق خاندانوں کی تقسم در تقسیم میں بٹی ہوئی تھی۔ ہجرت کے بعد مکہ سے مہاجرین تشریف لائے اور اس معاشرے کا تیسرا حصہ بن گئے۔

مدینے کی سیاست:۔

اسلام سے پہلے اوس وخزرج اس علاقے کی حکمران اکثریت اور بااثر قبیلے تھے یہودی قبائل جو باہر سے آکر اس علاقہ میں آباد ہوئے تھے ان کے زیر اثر تھے لیکن آہستہ آہستہ یہودیوں نے کاروبار پر قبضہ جمایا۔ صناعی اور حرفت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سود کے لین

Marfat.com

دین سے ایک طرف اوس اور خزرج کی اقتصادی حالت کو کمزور کیا اور دوسری طرف اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا۔ یہود کی ریشہ دوانیوں سے ان دونوں قبیلوں کی پرانی رنجشیں پھر سے تازہ ہوئیں۔ یہودی سرمایہ داروں اور بنکاروں نے دونوں قبیلوں کو ''اقتصادی امداد'' دی۔ دونوں کو لڑایا اور دونوں کو سیاسی اور اقتصادی طور پر اتنا کمزور کر دیا کہ دونوں ان کے اثر میں آ گئے۔ اسلام کی آمد کے وقت مدینہ میں یہود سب سے مؤثر اور فیصلہ کن گروہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

اسلام کی آمد سے عبداللہ بن ابی بن سلول کو جو ذاتی نقصان پہنچا اس کا حال پیچھے گزر چکا ہے۔

مہاجرین جب مدینہ تشریف لائے تو وہ اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ آئے تھے مدینہ کے انصار نے ان کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تاہم مہاجرین کی آباد کاری ایک اہم مسئلہ تھی جس کی طرف اگر فوری توجہ نہ دی جاتی تو اس کی اقتصادی بنیادیں سیاست کو متاثر کر سکتی تھیں۔

ان سب پر مستزاد بستیوں کے اس مجموعہ سے باہر وہ چھوٹے چھوٹے دیہات تھے جنہیں مدینہ کے نواحی دیہات کہا جا سکتا ہے۔ یہ ساٹھ ستر میل کا دائرہ تھا جس میں مختلف قبائل آباد تھے۔ ان قبائل کے ساتھ مکہ اور مدینہ دونوں کے قبائل کے حلیفانہ تعلقات تھے اور یہ تعلقات کسی وقت بھی سیاسی مسائل پیدا کر سکتے تھے۔

اُسوہ رسول ﷺ:-

اس صورتِ حال میں آنحضرت ﷺ نے جو حسنِ عمل اختیار فرمایا اس پر عمل کرنا مسلمانوں کا تو مذہبی فریضہ ہے ہی یہ اس نقطۂ نظر سے بھی لائق توجہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے دفاعی جرنیل صدیوں کے تجربات کا مطالعہ کرنے اور خود ان تجربات میں سے گزرنے کے بعد ٹھیک انہی نتائج پر پہنچے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ حضرات اپنے ان افکار پر کس حد تک

Marfat.com

عمل کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے ان اصولوں کو قابلِ عمل اور ناقابلِ تسخیر ثابت فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اپنے گھر کی حالت درست کی اور انصار اور مہاجرین میں بھائی بھائی کا رشتہ پیدا کر کے معاشرے کے ان گروہوں کو جو دو مختلف گروہ بن سکتے تھے ایک جان دو قالب کر دیا۔ سیرت کی کتابوں میں اسے ''مواخاۃ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس عظیم کارنامے کی تفصیل سیرت کی ہر کتاب میں مل جائے گی۔ یہاں یہ بات نوٹ کر لینے کی ہے کہ مسلمان مہاجر (1) ہوں یا انصار، ارشادِ نبوی ﷺ کی پابندی کرنے کی سعادت سے اس حد تک بہرہ یاب ہوئے کہ ان کے درمیان یہودیوں یا مکہ کے مشرک ذرا سا فرق پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ یہ ان قابل احترام بزرگوں کا عمل تھا جس نے ملتِ اسلامیہ کی بنیادوں کو چٹان کی طرح مضبوط اور متحد بنا دیا۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ؓ۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے یہود کی طرف توجہ فرمائی۔ قرآن حکیم یہود ہوں یا نصاریٰ دونوں کا احترام کرتا ہے۔ اور مشرکین کے مقابلہ میں انہیں اہلِ کتاب کے معزز لقب سے یاد فرماتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے بزرگ ہمارے بزرگ ہیں اور ان کے متعلق کسی قسم کی گستاخی اتنا ہی بڑا سوء ادب ہے جتنا کسی مسلمان بزرگ کے خلاف ہو سکتا ہے۔ نظریات کے اس رشتے کے اعتبار سے یہ توقع ہونی چاہیے تھی کہ یہود اور نصاریٰ نظریات کی بنیادوں پر متشکل ہوتی ہوئی اس نئی قوم کے ساتھ ہمدردانہ رویہ (2) اختیار کریں گے لیکن بدقسمتی سے ایسا

(1) یہ اسی عمل کی برکت تھی کہ قیامِ پاکستان کے وقت ہماری بے شمار اور ان گنت کوتاہیوں کے باوجود مہاجر اور مقامی آبادی کے درمیان کوئی ایسا رخنہ پیدا نہیں ہو سکا جو پاکستان کی سیاسی زندگی کے لیے پریشان کن ثابت ہوتا۔ پاکستان کے علاقوں کے قدیمی باشندے اور اس علاقے کے باہر سے آنے والے دونوں مخلص اور پرجوش پاکستانی ہیں۔ قرآن شاید ہم پاکستانیوں ہی سے مخاطب ہو کر پوچھتا ہے ''بس تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کا شکر ادا نہیں کرو گے؟''

(2) اس سلسلے میں یہ بات پورے فخر کے ساتھ بیان کی جا سکتی ہے کہ پاکستان کے وطن دوست مسیحیوں نے حب الوطنی کی قابلِ فخر مثالیں قائم کیں۔

Marfat.com

نہیں ہو سکا۔ خاص طور پر مدینہ کی یہودی آبادی نے اپنے معاندانہ رویے کی وجہ سے تاریخ سے یہ سرٹیفکیٹ حاصل کیا کہ یہ قابلِ اعتبار اور قابلِ اعتماد نہیں ہیں اور معاہدہ کر کے مکر جاتے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے انہیں نا قابلِ اعتبار دوست کہہ کر مسلمانوں کو ان کے ساتھ دوستی کرنے اور ان کے کسی وعدے پر اعتبار کرنے سے روک دیا۔

یہ مدینہ کے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان عمومی تعلقات کا نقشہ ہے جو آہستہ آہستہ واضح ہوا۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے مدینے میں تشریف لاتے ہی پہلے دفاعی اقدام کے طور پر ایک تحریری معاہدہ مرتب فرمایا جس کے دو حصے ہیں۔

① پہلے حصہ میں مہاجرین قریش اور یثرب کے غیر یہودی قبائل (جن میں غیر مسلموں کے لیے ''تابعین'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے) ایک پارٹی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے نبی کی حیثیت سے اس پارٹی کو یہ تحریر دی کہ خون بہا، فدیہ، انصاف اور نیکی کے متعلق ان کے تمام بنیادی حقوق کی حفاظت کی جائے گی اور اس سلسلے میں ان کی قبائلی روایات کا احترام کیا جائے گا۔ اس کے بدلے میں ان پر یہ فرض عائد کیا گیا کہ جنگ کے موقع پر وہ شہر کی حفاظت کرنے میں نبی اکرم ﷺ کی مدد کریں اور جنگ کے مصارف بھی برداشت کریں۔

② معاہدے کا دوسرا حصہ یثرب کی قریب ترین ہمسایہ بستیوں کی مؤثر ترین اکثریت یعنی یہودی قبائل سے متعلق ہے۔ اس حصے میں یہود کے ساتھ وعدہ کیا گیا کہ ان کے دین کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ان کے تمام وہ حقوق جو بحیثیت یہود انہیں حاصل ہیں حسبِ سابق حاصل رہیں گے اور ان کا احترام کیا جائے گا اس کے بدلے میں یہود پر یہ فریضہ عائد کیا گیا کہ وہ شہر میں ''ہلاکت و فساد'' برپا نہیں کریں گے اور ان بستیوں کے دوسرے شہریوں کی طرح ایک سیاسی وحدت کی حیثیت سے جنگ کے زمانے میں آنحضرت ﷺ کی مدد کریں گے اور جنگی مصارف برداشت کریں گے۔

Marfat.com

اسی معاہدے ◆ کے مطابق جوفِ یثرب کو "حرمِ یثرب" کا درجہ دے دیا گیا۔ واضح رہے کہ حرم کو آج کی سیاسی زبان میں "اوپن سٹی" (Open City) کہا جاتا ہے اور اُس سے یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ اہلِ شہر اس کے اندر اور اس کے گردونواح میں جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکی اور برطانیہ کی حکومتوں نے بیت المقدس کو "اوپن سٹی" قرار دیا تھا۔ دوسری عالمی جنگ میں ایک موقعہ ایسا بھی آیا۔ جب حکومت فرانس کی استدعا پر پیرس "اوپن سٹی" قرار پایا اور جرمن نے اس پر بمباری نہیں کی۔

اس معاہدے کے ان تینوں پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوجائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں تشریف لا کر ایک نئی شہری ریاست کی داغ بیل ڈالی اور یثربی معاشرے کے تمام عناصر نے اس معاہدے کی تصدیق اور توثیق کر کے اس ریاست کو ریاست کی حیثیت سے قبول کرلیا۔

دوسرے اقدامات:-

جب یہ ہو چکا، تو دفاعی سیاست کے دوسرے اقدامات کیے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر سے پہلے صحابہ کی مختلف التعداد جماعتوں کے ساتھ مدینہ کے اردگرد پھیلے ہوئے مختلف علاقوں میں کچھ سفر خود بھی فرمائے اور کچھ سفر ایسے بھی تھے جو آپ ﷺ کے احکام اور ہدایات کے مطابق صحابہ نے کیے۔ ان میں سے جن سفروں میں آنحضرت ﷺ خود شامل تھے انہیں مورخین قدیم "غزوہ" کی اصطلاح سے یاد کرتے ہیں اور جن میں آپ ﷺ شامل نہ تھے انہیں "سریہ" کہا جاتا ہے۔ سیرت کے جدید ◆ مسلمان خادم انہیں فنونِ جنگ اور فنونِ سیاست کی نئی اصطلاحات کے زیرِ عنوان سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

◆ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام یا "آنحضرت ﷺ کی سیاسی زندگی" مؤلفہ ڈاکٹر حمید اللہ۔ اردو میں ڈاکٹر حمید اللہ نے پہلی دفعہ اس معاہدے کی عظیم سیاسی اور تاریخی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

◆ ملاحظہ ہو ڈاکٹر حمید اللہ خاں کی کتابیں "آنحضرت ﷺ کی سیاسی زندگی"...... "آنحضرت ﷺ کی جنگیں اور ان کے متفرق مضامین" میجر جنرل محمد اکبر خاں کی کتاب "حدیثِ دفاع" وغیرہ۔

Marfat.com

اس سلسلے میں یہ بات واضح طور پر ذہن میں رہنی چاہیئے کہ مغرب کے تصورِ سیاست کے برعکس اسلام میں دین اور سیاست دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ اسلام معتقدات کو جن اخلاقی اقدار کے تابع کرتا ہے۔ سیاست بھی انہی اخلاقی اقدار کے تابع ہے اور مغرب کی سیاست گری کی طرح اسلام کی سیاست بے اخلاق ریاست نہیں۔ یہی صورت جنگ کی بھی ہے۔ اسلام میں ''بے اخلاق جنگ'' کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہاں جنگ ان تمام اخلاقی اقدار کی تابع ہے جو اعتقادات اور سیاست پر اور اس سے آگے بڑھ کر اقتصادیات اور دولت آفرین وسائل کی تقسیم پر مؤثر ہوتی ہیں۔ اس لیے جب تبلیغِ اسلام کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے تو اس کا مفہوم صرف متقدات کی تبلیغ نہیں ہوتا بلکہ اس سارے اخلاقی نظام کی تبلیغ ہوتا ہے جس میں فنونِ جنگ، فنونِ سیاست، فنونِ اقتصادیات اور دیگر تمام انسانی فنون و علوم ایک مرکزی اخلاقی قوتِ حکم و احتساب کے تابع ہو جاتے ہیں۔

تمام غزوات وسرایا انہی معنوں میں تبلیغی دورے تھے اور ان دوروں سے سیاسی اور دفاعی مقاصد بھی حاصل کیے گئے۔

معلوماتی سفر:۔

دفاعی اصولوں میں سے ایک اہم اصول ریاست کی نواحی آبادیوں کے متعلق مکمل اور درست رپورٹیں حاصل کرنا اور ان کی طاقت اور دشمنی یا دوستی کا صحیح اندازہ کرنا ہے آنحضرت ﷺ کی مکمل اور جامع زندگی میں اس سفر کی ایک واضح مثال وہ ہے جسے سیرت کے قدیم خادم غزوۂ ودان یا غزوہ الابواء [1] کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ ان مدینہ منورہ کے جنوب مغرب کے ضلع فرغ کا ایک مقام ہے۔ اس میں قبیلہ بنو ضمرۃ بن بکر آباد تھا جو قریش کے نسب سے تھا۔ آنحضرت ﷺ ہجرت کے بارہویں مہینے چند صحابہ کے ہمراہ اس مقام میں تشریف لائے اور قبیلہ ضمرۃ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کا فریق ثانی فخشی بن عمرو

---

[1] ابواء اسی ضلع کا ایک دوسرا مقام ہے۔ ایک مستند روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی قبر اسی مقام پر تھی۔

Marfat.com

الضمری تھا جو ان دنوں میں اس قبیلے کا سردار تھا حسب ذیل شرائط پر اتفاق ہوا۔

(الف) قبیلہ سخرہ قبیلہ قریش کی کوئی مدد نہیں کرے گا اور جنگ کی صورت میں غیر جانبدار رہے گا۔

(ب) اپنے علاقے میں امن وامان قائم رکھے گا۔

(ج) آئندہ جھگڑوں میں بھی غیر جانبدار رہے گا۔

ایک دوسری مثال وہ ہے جسے قدیم خادمانِ سیرت غزوہ معشیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ابنِ ہشام نے ابن اسحاق کی مسند پر اس غزوے کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لشکری دینار کے [1] پہاڑوں کے درمیانی راستے میں سے گزرتا ہوا الخبار کے میدان میں پہنچا جہاں نبی اکرم ﷺ نے ابن ازہر کے ایک پتھریلے مقام میں ایک درخت کے نیچے نزول فرمایا جسے ذات الساق کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ وہاں آپ ﷺ نے نماز ادا کی اور اس کی یاد میں ایک مسجد ابن ہشام کے زمانے تک وہاں موجود تھی۔ وہیں چولھا بنایا گیا اور کھانا تیار ہوا جو اصحاب کے ساتھ مل کر آپ ﷺ نے تناول فرمایا جس چشمے سے آپ کے لیے پانی لایا گیا اس کا نام المشترب تھا۔ یہاں سے کوچ کر کے اس لشکر نے الخلائق نامی ایک قطعۂ زمین کو بائیں ہاتھ پر چھوڑا۔ اور شعبہ عبداللہ نامی ایک پہاڑی ندی سے گزرتا ہوا بائیں جانب کے نشیب کی طرف بڑھ کر یلیل [2] میں سے ہوتا ہوا الضبوعہ میں اترا۔ الضبوعہ کی باؤلی سے پانی لے کر یہ لشکر طلل نامی [3] سبزہ زار کی طرف بڑھ کر صخیرات الیمام کے پاس عام راستے پر آیا اور پھر آگے بڑھ کر وادی ینبوع کے مقام العشیرہ میں فروکش ہوا۔

اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا ہوگا کہ یہ طویل راستہ عام راستے سے مختلف تھا۔ العشیرہ کو جنگِ بدر میں بھی خاصی اہمیت حاصل ہوئی تھی۔ ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر اگر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ یہ سفر دہری اہمیت کا حامل ہے۔ اوّلاً یہ کہ اس سفر کے ذریعہ فوجیوں کو نامانوس راستوں سے متعارف کرایا گیا۔ قیام اور پانی کے انتظام کے ٹھکانے تلاش

Marfat.com

کیے گئے۔ گویا ایک غیر معروف راستے کے لیے جنگی نقشہ تیار کیا گیا۔ اس سے کئی صدیوں کے بعد جرمنی کے شہرۂ آفاق جرنیل فیلڈ مارشل ہنڈنبرگ نے ٹینبرگ نامی ایک مقام پر روسی فوجوں کو گھیر کر وادیوں میں پھنسا کر فنا کر دیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہیڈنبرگ نے اس سارے علاقے کا چپہ چپہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے پیروں سے روندا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس سفر کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ مستقبل کے ممکن میدانِ جنگ کا چپ چپہ صرف جرنیل ہی نہیں فوج کے ایک بڑے حصے کے زیر مطالعہ رہا۔ غیبی نصرت کے غیر معتبدل وعدوں پر بے مثال حد تک کامل ایمان کے ساتھ ساتھ جہانِ علت و معلول کی باریک ترین مادی جزئیات کا مطالعہ کرنا اور اس کے نتائج کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنا ہمارے پیغمبر ﷺ کے ہر عمل کا نمایاں پہلو ہے۔ یہ واقعہ بھی اسی پہلو کی ایک حسین مثال ہے۔ اس کی دوسری اہمیت دفاعی سیاست میں ایک اہم مقصد کا حصول ہے۔ العشیرہ کی آبادی بنو مدلج پر مشتمل تھی۔ جو ودان کے رہنے والے قبیلہ ضمرۃ کے حلیف تھے۔ یہ قبیلہ عام راستے پر آباد تھا اور یہ عام راستہ مکہ اور شام کے درمیان تجارت کی شاہ رگ تھا۔ قبیلہ بنوضمرۃ کے ساتھ معاہدے کے حوالے سے اس قبیلے کے ساتھ بھی معاہدہ ہو گیا اس معاہدے کی تفصیلات کتابوں میں درج نہیں کی لیکن یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کی بھی اولیں شرط یہی ہوگی کہ یہ قبیلہ قریش کی کوئی مدد نہیں کرے گا اور جنگ کی صورت میں غیر جانبدار رہے گا۔

اسی قسم کی ایک تیسری مثال تاریخوں میں سریہ عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث کے نام سے مشہور ہے۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث ساٹھ (۶۰) یا اسی (۸۰) مہاجرین کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں کوئی انصار شامل نہ تھے۔ اوپر کے دونوں سفروں میں بھی یہ بات بتصریح موجود ہے کہ ان میں انصار کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ غالباً وجہ یہ ہوگی کہ انصارِ مدینہ اور نواحِ مدینہ سے پوری طرح آگاہ تھے۔ مہاجرین پردیسی اور ان کے علاقوں سے ناواقف تھے۔ اس لیے ان کو مشق کرانے اور ان علاقوں سے باخبر ہونے کی زیادہ

Marfat.com

ضرورت تھی یہ لشکر ایک چشمے کے پاس پہنچا جو ثنیۃ المرہ نامی پہاڑی کے نیچے واقع تھا۔ یہاں پہنچ کر انہیں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ ملا جو مکہ کے مشہور اسلام دشمن سردار ابوجہل کے صاحب زادے عکرمہ کی قیادت میں جا رہا تھا۔ ابن ہشام اس واقعہ کے متعلق دو دلچسپ باتیں بیان کرتے ہیں۔

① اس قریشی جماعت میں دو مسلمان بھی شامل تھے جو ابن ہشام کے لفظوں میں ''کافروں سے تعلقات پیدا کرنے کے لیے نکلے تھے۔'' اور جو بعد میں ان سے علیحدہ ہو کر مسلمانوں سے آملے۔ گویا اس وقت تک دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے کے لیے جاسوسی کا سلسلہ باقاعدہ شروع کیا جا چکا تھا۔

② اس سفر میں دو بدو ہو جانے کے باوجود مسلمانوں نے اس قافلے پر حملہ نہیں کیا۔ ''بجز اس کے کہ (حضرت) سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے اس روز ایک تیر مارا اور یہ پہلا تیر تھا جو اسلام میں مارا گیا۔'' یہ مسلمانوں میں اطاعتِ امیر کی تربیت کی پختگی کی مثال بھی ہے کہ جھپٹ پڑنے اور جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی اور قریشیوں پر حملہ کر دینے کے لیے اس جوش اور بے قراری کا ایک ثبوت بھی جو اس وقت مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا۔

مہماتی سفر:۔

دفاعی مقاصد کے حصول کے لیے فوج کو اقدام اور دفاع کی مختلف مشقیں کراتے رہنا دفاع کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ آج کی دنیا میں سلیٹو اور سنٹو کی مشقیں اسی مقصد کے تحت ہوتی ہیں اور دنیا کی ہر فوجی اکیڈمی اپنے کیڈٹس کو اس قسم کی مشقت طلب مشقیں کراتی

◆ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو جانے والے چار راستوں میں سے قریب تر لیکن دشوار تر راستہ طریق المغائر یا طریق الغائر کہلاتا ہے۔ یہ پہاڑی اسی راستے پر مدینے سے چند منزلوں کے فاصلے پر واقع ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے اسی راستے سے مکہ سے مدینے کو ہجرت فرمائی تھی۔

❖ عکرمہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن بالآخر مسلمان ہو کر صحابیت سے فائض ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

ہیں۔ آنحضرت ﷺ جس معاشرے میں ایک نئی نظریاتی ریاست کی بنیادیں مستحکم کر رہے تھے۔ اس معاشرے کا ہر فرد تلوار کا دھنی اور لڑائی کا مردِ میدان تھا۔ انصار کی کئی پشتیں میدانِ جنگ میں لڑ رہی تھیں۔ مکہ کے مہاجر گو تجارت کرتے تھے اور سپاہیانہ زندگی ان کا پیشہ تھا۔ تاہم تجارتی کاروانوں کی حفاظت اور اس سے بڑھ کر معاشرے میں باعزت زندگی گزارنے کے لیے تلوار کا سہارا لینا ان کے لیے بھی ناگزیر تھا۔ اس لیے پیشہ ور سپاہی نہ ہونے کے باوجود ان کی زندگی کی سپاہیانہ زندگی تھی۔ اس کے علاوہ جیسا کہ اس سے پہلے بھی عرض کیا گیا یہ رسالت کا عہد تھا اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ بذاتہٖ مسلمانوں کے درمیان موجود تھے۔ اس سے زیادہ بابرکت کوئی دوسرا عہد نہیں ہوسکتا۔ اور اس بات کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا جو نزول اس زمانے میں ہوا اس سے زیادہ یا اس جیسا کسی دوسرے زمانے میں بھی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کی حفاظت اپنے ذمے لی تھی اور نصرت کے وعدے شب و روز ہو رہے تھے جن پر کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن ان مادی اور روحانی نعمتوں کے باوجود آنحضرت ﷺ ہم خوش اندیشوں اور کوتاہ اندیشوں کے لیے بار بار عملی طور پر اس بات کو قائم فرماتے رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرتوں اور غیبی امداد پر کامل ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم اس دنیا کو عالمِ علت و معلول سمجھنے میں ایک لمحے کے لیے کوتاہی نہ برتیں اور مادی عوامل کی باریک ترین جزئیات کا مطالعہ کرنے اور اس کے نتائج کو اپنے مثبت اور تعمیری مقاصد کی کامیابی کے لیے استعمال کرنے میں کمی نہ آنے دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی فوج کو اقدام اور دفاع کی متعدد مشقیں کرائیں۔ سیرت اور تاریخ کے قدیم خادموں نے ان مشقوں کو بھی اپنی مخصوص اصطلاحات یعنی غزوہ اور سرایا میں بیان کیا ہے۔

① ان میں سے پہلی مشق غزوۂ بواط کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ابن ہشام اس کا بیان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ”آپ ﷺ ضلع رضوی کے مقام بواط تک پہنچے۔ پھر مدینہ تشریف لائے اور کوئی مقابلہ نہ ہوا۔“ بواط ایک وادی کا نام بھی ہے اور رضوی کے اطراف

Marfat.com

میں پہاڑوں کے ایک سلسلے کو بھی اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے اس نسبت سے اسے پہاڑی علاقوں میں جنگی مشق بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ جنگی مشق العشیر ہ سے پہلے ہوئی۔

(۲) العشیر ہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک دستہ حجاز کے مقام خراد تک روانہ فرمایا۔ جو جحفہ کے قریب واقع ہے۔ اس دستہ کے سالارِ لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص تھے اور اس میں آٹھ مہاجر شامل تھے۔ یہ دستہ بھی کسی تصادم کے بغیر مدینہ کو لوٹ آیا۔ اسے سریہ سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۳) غزوۂ العشیر ہ کے دس دن کے بعد کرز بن جابر الفہر ی نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا۔ جب مدینہ میں اس کی اطلاع پہنچی تو آنحضرت ﷺ نے چند صحابہ کے ساتھ بہ نفسِ نفیس اس کا تعاقب فرمایا اور ضلع بدر کی اس وادی تک پہنچے جس کا نام سنوان ہے۔ کرز بن جابر اس یلغار سے بچ کر نکل گیا۔ اور آپ ﷺ مدینہ میں واپس تشریف لے آئے اسے غزوۂ بدر الاولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک اہم جنگی مشق:

اسی دوران میں جنگی تربیت کے ایک دوسرے اہم پہلو کی طرف توجہ کی گئی۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس تربیت کو قانون کا نہیں آئین کا حصہ بنایا گیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے۔ جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ

Marfat.com

کی صفت پیدا ہوگی۔ چند مقرر دنوں کے روزے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے اور جو لوگ روزے رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ اور جو اپنی خوشی سے کوئی زیادہ بھلائی کرے تو یہ اسی کے لیے بہتر ہے لیکن اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ روزہ رکھو''۔

اس آیت کے متعلق مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحقیق یہ ہے کہ:

''یہاں تک وہ ابتدائی حکم ہے جو رمضان کے روزوں کے متعلق ۲ھ میں جنگِ بدر سے پہلے نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد کی آیات اس کے ایک سال بعد نازل ہوئیں۔''

چند مقرر دنوں کے لیے بھوک، پیاس اور دیگر خواہشات سے پرہیز کی مشقت اٹھانے کی مشق کی جنگی افادیت کا صحیح اندازہ پاکستان کے صف شکن بہادروں کے تجربوں سے ہوسکتا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں پاکستان پر بھارت کے حملے کے دوران ان سپاہیوں کو ایسی حالت میں مورچوں میں رہنا پڑا کہ کھانے پینے کی آسانیاں میسر نہ ہوسکیں۔ راقم الحروف کی ناقص رائے میں اس آیت کا جنگ بدر سے پہلے نازل ہونا معنی خیز ہے۔ اس کے علاوہ رمضان المبارک کے روزوں کا آئین کا حصہ بن جانا اس بات کی گواہی بھی ہے کہ مسلمان قوم کے ہر فرد کو اللہ کا سپاہی بنانا بھی منشائے ربانی ہے۔

نتیجہ:۔

ان واقعات کی روشنی اور فقہائے امت کے استنباط سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے، یہ ہے کہ وہ ریاست جس میں اسلامی قوانین کی حکومت قائم ہو یا ہوسکے اللہ اور مسلمانوں کے نزدیک مقدس ہو جاتی ہے اور اسے مسجد کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس مسجد کی حفاظت ہر مسلمان پر

Marfat.com

فرض ہو جاتی ہے۔ اس فرض میں ہر مسلمان مرد، عورت اور بچہ شامل ہے اور کسی کو اس سے مفر نہیں۔ اس لیے یہ دفاعی جنگ صحیح معنوں میں قومی جنگ قرار پاتی ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں اس جنگ کے لیے مکمل تیاریاں کرنا سنت کی بجا آوری ہے۔ یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ مصارفِ جنگ کو برداشت کرنا، بہترین اسلحہ کی فراہمی، تحریر و تقریر کے ذریعہ قوم کے حصولوں کو برقرار رکھنے کی سعی، دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق خبروں کے فراہمی کے لیے جاسوسی اور گوریلا جنگ، جنگی مشقیں، دفاعی مقاصد کے حصول کے لیے سیاسی اقدامات اور معاہدے وغیرہ سب اتباع سنت میں شامل ہیں اور انہیں ان تمام اخلاقی اقدار کے تابع رہنا چاہیئے جن کو قرآن حکیم ہم پر فرض قرار دیتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ مدینہ کے غیر مسلموں کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے جو معاہدہ فرمایا وہ راقم الحروف کے نزدیک آج بھی قائم ہے اور ہر وہ ریاست جو اپنے یہاں اسلامی قوانین کو رائج کیے ہو یا رائج کرنے پر قادر ہو اس معاہدے کی پابند ہے اس معاہدے میں غیر مسلموں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی ہے۔ ان کی اپنی مخصوص قومی روایات کے احترام کا یقین دلایا گیا ہے۔ اور اس کے بدلے میں ان پر یہ شرط عائد کی گئی ہے وہ جنگ کے موقعہ پر مسلمانوں کی مدد کریں گے اور مصارف جنگ کو برداشت کرنے میں اپنا حصہ دیں گے۔ اگر غیر مسلم اس شرط کو پورا کرتے ہیں تو وہ اور مسلمان اس معاہدے کی رو سے ریاست کی سیاسی اکائی بن جاتے ہیں اور ان کے درمیان سیاسی طور پر کوئی فرق و امتیاز باقی نہیں رہ جاتا۔ جو مسلم یا غیر مسلم ان شرائط کی پابندی نہیں کرتے۔ قرآن انہیں منافق کا نام دیتا ہے اور انہیں کھلے مشرکوں سے زیادہ خطرناک قرار دے کر ان کی شدید مذمت کرتا ہے۔ جنگ بدر تک منافقین کا گروہ پوری طرح سے واضح ہو کر سامنے نہیں آیا تھا۔ اس کی تفصیلات اگلے صفحات میں آئیں گی۔

Marfat.com

باب ۴ :-

جنگِ بدر کا دیباچہ

بدر کا میدان مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر اس راستے سے ذرا ہٹ کر واقعہ ہے جو عراق اور شام سے مدینہ میں سے گزر کر جدہ سے ہوتا ہوا مکہ معظّمہ کو جاتا تھا۔ یہ بحرِ احمر سے تقریباً دس میل دور ہے اور سمندر کے کنارے کنارے جانے والے راستے سے بھی بنا ہوا ہے۔ گویا مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کو جانے والے اور ینبوع سے مکہ معظّمہ کو جانے والے ساحلی راستے کے درمیان میں واقعہ ہے۔

مسلمانوں اور مکہ کے مشرکوں کے درمیان حق و باطل کا پہلا باقاعدہ معرکہ اسی میدان میں ہوا اس لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دارالاسلام مدینہ کے دفاع کے لیے لشکرِ اسلام کو خود دارالاسلام سے اسی میل دور تجارتی قافلے تک آنے کی کیوں ضرورت پڑی اور اسے دفاعی جنگ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے چند تفصیلات کا تذکرہ ناگزیر ہے جو بظاہر موضوع سے متعلق معلوم نہیں ہوتیں۔

حجاز کے تجارتی راستے:-

حجاز کی طبعی حالت جو جغرافیے کی ہر کتاب میں مل جائے گی ایسی نہ تھی کہ اس میں ایک متمدن انسانی آبادی قائم ہو سکتی۔ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق اللہ کے ایک نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا کی پہلی مسجد تعمیر کی جس کا مقصد یہ تھا کہ عالمِ انسان یہاں آکر خدائے واحد کی عبادت کا فریضہ ادا کرے اور دنیا میں وحدانیت یا مرکزیت اور قانونیت کی تبلیغ ممکن ہو سکے۔ دنیا کی اس پہلی

Marfat.com

مسجد کے پہلے متولی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بنے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے اور اس مسجد کے معماروں میں سے ایک تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کہ اللہ تعالیٰ اس غیر آبادی اور نا قابلِ زراعت زمین کو اپنے پوشیدہ خزانوں سے رزق بخشے اور اس میں آباد ہونے والوں کو اس کی کمی محسوس نہ ہو۔ ابوالانبیاء علیہ السلام کی یہ دُعا اس طرح قبول ہوئی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس غیر آباد اور نا قابلِ زراعت علاقے کا ایک عجیب وغریب استعمال نکلا جو پہلے شاید کسی انسانی عقل میں نہیں آسکتا تھا اس علاقے میں تجارتی راستے بنے جو اس زمانے کی متمدن اور مہذب دنیا کو تجارتی وثقافتی اور تمدنی طور پر باہم ملانے اور مربوط کرنے کا باعث بنے۔ تاریخ کا یہ عجیب وغریب معجزہ کس طرح وقوع پذیر ہوا اس کا جواب تاریخ کے پاس نہیں ہے لیکن تاریخی اور جغرافیائی حقائق جس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ ہے کہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے درمیان وہ بری تجارتی راستہ جو بحری راستے کی دریافت سے پہلے متمدن دنیا کے دو یا تین طریق ہائے ارتباط میں سے ایک تھا حجاز میں سے ہو کر گزرتا تھا۔

یہ راستہ حجاز میں تین راستوں میں بنا ہوا تھا۔

① شام سے شروع ہو کر مدینہ میں سے گزرتا ہوا جدہ پہنچتا اور یہاں سے سیدھا مکہ معظمہ پہنچ کر دو راستوں میں بٹ جاتا۔ ایک یمن کو چلا جاتا اور دوسرا خلیج فارس کی منزل اول نجد کو۔

② دوسرا راستہ عراق سے شروع ہوتا اور خم کھا کر شام کو دائیں ہاتھ پر چھوڑتا ہوا بالآخر اسی راستے سے آملتا جو شام سے مکہ اور پھر یمن اور نجد کو جاتا تھا۔

③ تیسرا راستہ شام سے شروع ہو کر پہلے راستے کے مقامِ اتصال تک آتا۔ یہاں سے مشترک راستے کو بائیں ہاتھ پر چھوڑتا ہوا بحر احمر کے کنارے کنارے چلتا ہوا ینبوع میں پہنچتا۔ یہاں سے جدہ کو اپنے دائیں ہاتھ پر چھوڑتا ہوا سیدھا مکہ پہنچتا اور پھر نجد اور یمن کی طرف جانے والے انہی دو راستوں میں تقسیم ہو جاتا۔

Marfat.com

حجاز کے راستے

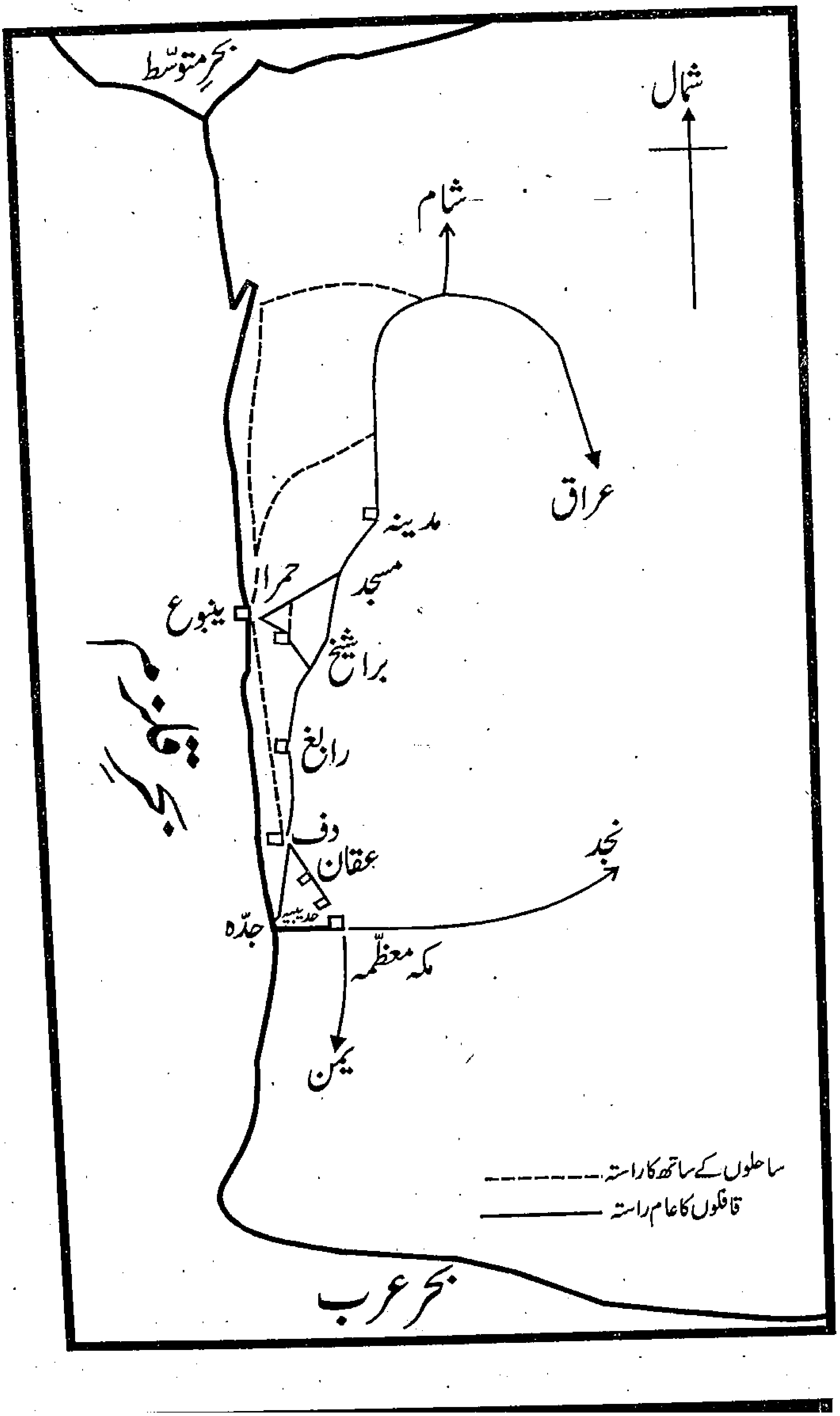

Marfat.com

ان راستوں کی تفصیل سے جو چیز واضح طور پر سامنے آتی ہے یہ ہے کہ مکہ جو دنیا کی پہلی مسجد کے اردگرد آباد تھا۔ یورپ اور افریقہ پر کھلنے والے دروازے ''شام'' اور خلیج فارس کے ذریعہ ایشیا پر کھلنے والے دروازے ''نجد'' کے درمیان چلنے والے تینوں راستوں کا مقامِ اتصال بنا۔ اس لیے حجاز میں چلنے والے تمام تجارتی کاروانوں کا اہم ترین پڑاؤ اور تجارت کی بہت بڑی منڈی بن گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا کردہ مسجد کا شہر ہونے کی سعادت اسے پہلے حاصل تھی اور حجاز میں رہنے والے تمام قبائل اس بات کا دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اس لحاظ سے مکہ پورے حجاز کا روحانی مرکز تھا۔ تجارتی مرکز بن جانے کے بعد اس کی اہمیت میں اور اضافہ ہوگیا۔ اور یہ شہر پورے حجاز اور اس کی وساطت سے پورے عرب کا مذہبی مرکز اور اس علاقے کی تجارت کا اعصابی مرکز بن گیا۔ راقم الحروف کے عقیدے کے مطابق یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا اثر تھا جس نے اس بے آب وگیاہ ریت کے سمندر کے عین درمیان یہ گل کھلا دیا۔

انہی راستوں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ تجارت کے ان دو راستوں پر مکہ کے بعد سب سے اہم شہر مدینہ تھا۔ اور شام سے مکہ کو آنے والے یا مکہ سے شام کو جانے والے تجارتی کاروانوں کی حفاظت کا دارومدار اس بات پر تھا کہ مدینہ والوں کے ساتھ مکہ کی دوستی اور مخالفت قائم رہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے قبل کی تاریخ میں اس بات کی بے شمار وضاحتیں موجود ہیں کہ مکہ کی قبیلائی حکمران اکثریت قریش اور مدینہ میں رہنے والے اوس وخزرج کے درمیان تعلقات ہمیشہ خوش گوار رہے۔ اور سردارانِ قریش ہمیشہ اس علاقے کے سرداروں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب کی ننھیال مدینہ میں تھی۔ خود آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب اسی شہر سے متعلق تھیں۔ اسی طرح دوسری شاخوں میں بھی یہ تعلقات قائم ہوئے تھے جو صدیوں سے چلے آرہے تھے۔

اس کے بعد حجاز کے دوسرے کمتر درجے کے تمام شہر انہی راستوں پر آباد تھے اور کیونکہ

Marfat.com

راستے ایسے علاقوں میں سے ہو کر گزرتے تھے جہاں سے انسانوں اور حیوانوں کے لیے سامانِ خورونوش مل سکے۔ اس لیے اس راستے کے علاوہ تمام ملک بے آب و گیاہ ریگستان تھا۔ جہاں کسی آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔

مدینہ کی اہمیت:۔

مکہ کے بعد مدینہ کی اس اہمیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اگر مدینہ ناراض ہو جائے یا اس پر کوئی ایسا گروہ غالب آجائے جس کی مکہ کے ساتھ مفاہمت نہ ہو سکے۔ تو مکہ کی تجارت اور اس طرح پورے حجاز کی معیشت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی مدینے کو ہجرت اور اس علاقے میں آپ ﷺ کا اس طرح بااقتدار اور بااختیار ہونا کہ اس کے باشندوں سے معاہدہ کر سکیں اور ان پر اس معاہدے کی پابندی کو لازم بنا سکیں مکہ کے لیے شدید تشویش اور خطرے کا باعث بننا چاہیئے تھا۔ مکہ کو صاف نظر آنے لگا کہ اس کی تجارت کے راستے اس گروہ کے رحم و کرم پر ہیں جسے انہوں نے بروزِ شمشیر جلاوطن کر دیا تھا۔

اس مسئلے کا پرامن حل قطعی طور پر معدوم نہ تھا۔ اگر مکے کو کوئی امن دوست سردار میسر آجاتا تو آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی اسے حضور ﷺ کے عفو و کرم سے مایوس نہ کرتی۔ اگر وہ صلح کی طرف ایک قدم بڑھاتا تو اس کی طرف دس قدم بڑھائے جاتے لیکن بدقسمتی سے مکہ میں برسرِ اقتدار گروہ کی باگ دوڑ جس شخص کے ہاتھ میں تھی اس کا نام عمر بن ہشام بن المغیرہ تھا اور کنیت ابوالحکم تھی۔ ابوالحکم نے جو پالیسی اختیار کی وہ اس کے اس مزاج کے مطابق تھی جس نے تاریخ سے اسے ابوجہل کا لقب دلوایا تھا۔ جہل عربی کا بڑا جامع لفظ ہے اس کے معنوں میں غرور، ضد اور اپنی ہر غلط یا صحیح بات پر اڑ جانے کا مفہوم شامل ہے۔

ابوجہل کی شخصیت:۔

ابوجہل کو معمولی درجے کا شرپسند سمجھنا تاریخِ اسلام کے اس بہت بڑے کردار کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اس کے علاوہ جس طرح تاریک رات کے بغیر دن کے اُجالوں کی

Marfat.com

اہمیت کا اندازہ نہیں ہو سکتا اسی طرح ابو جہل کی شخصیت کو ذہن نشین کیے بغیر آنحضرت ﷺ کے کارناموں کی عظمت اور اسلام کی عصر ساز فتوحات کا اندازہ بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ذیل کی سطور میں چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ ابو جہل کی شخصیت کس درجے کی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ میں اسلام کے دورِ ابتلاء کے دوران اللہ تعالیٰ سے جن دو آدمیوں میں سے ایک کو اسلام کے لیے مانگا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب اور ابو جہل بن ہشام تھے۔ ابنِ ہشام نے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک روایت میں اس کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"وہ دبلا پتلا، تیز مزاج، تیز زبان اور تیز نظر تھا۔"

آغازِ اسلام کے زمانے میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے کعبہ میں قریش کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس محفل میں قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے علاوہ ابو جہل بھی موجود تھا۔ ان سرداروں نے اس تبلیغِ حق کے ردِ عمل کے طور پر جو جواب دیئے اس سے آنحضرت ﷺ سخت مایوس ہوئے اور اٹھ کر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے جانے کے بعد ابو جہل نے قریشی سرداروں کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے گروہِ قریش! محمد (ﷺ) نے تو ہمارے دین پر عیب لگانے، ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دینے، ہمارے عقل مندوں کو احمق بنانے او رہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے کے سوا ہر بات سے انکار کر دیا۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ میں تو اب عہد کر لیتا ہوں کہ کل کوئی ایسا بڑا پتھر جسے میں اٹھا سکوں لے کر اس کے لیے بیٹھوں گا، یہی الفاظ کہے یا اس کے مثل کوئی اور الفاظ کہے، پھر جب وہ نماز کے سجدے میں ہو تو اس سے اس کا سر پھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد خواہ تم میری امداد سے دست بردار ہو جاؤ یا میری حمایت کرو اور بنی مناف مجھ سے جو چاہیں سلوک کریں۔"

Marfat.com

ابوجہل اپنے اس عہد کو پورا نہ کر سکا۔ لیکن ان الفاظ میں جو ارادے جھلکتے ہیں اور جس شقاوتِ قلبی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اآنحضرت ﷺ کی پوری مکی زندگی میں اپنا اظہار کرتی رہی۔ ابوجہل بیرونِ مکہ سے آنے والوں کو تجارتی اور اقتصادی ناکہ بندی کی دھمکی دے کر اسلام سے روکتا رہا اور مکہ والوں کو معاشرتی علیحدگی کی دھمکی دے کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتا۔ ابوجہل کی قیادت میں مکہ نے اسلام کے خلاف اس سرد جنگ کو کشیدہ سے کشیدہ تر بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جو اسلام کے پہلے اعلان سے شروع ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ ہجرت سے قبل آنحضرت ﷺ کو مشترکہ طور پر موت کے گھاٹ اتار دینے اور اس طرح آپ ﷺ کے خاندان بنی مناف کے انتقام سے بچ نکلنے کا منصوبہ بھی ابوجہل ہی کے زرخیز دماغ کا نتیجہ تھا۔

اس ذہن اور فکر کے آدمی سے یہ توقع نہیں ہوسکتی کہ وہ ہجرت کے بعد تجارتی راستوں پر پیدا ہونے والے خطرے کا کوئی پرامن حل تلاش کر سکے گا۔ چنانچہ یہی ہوا ابوجہل کی قیادت میں مکہ نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو دھمکی آمیز خط لکھ کر ثابت کر دیا کہ وہ کسی صلح جوئی اور صلح پسندی کے لیے تیار نہیں بلکہ اس نئے خطرے کی وجہ سے اسلام اور شرک کے درمیان بڑھ جانے والی کشیدگی کو بزورِ شمشیر حل کرنے پر آمادہ ہے۔ اس بات کی تصدیق ابوجہل کے ایک دوسرے عمل سے ہوتی ہے۔

ہجرت کے فوراً بعد ابوجہل نے مدینے میں پناہ گیر مکی مسلمانوں کو اغوا کرنے اور انہیں بالجبر اسلام سے منحرف کرنے کی مہم شروع کی۔ اس مہم کے پہلے شکار حضرت عیاش رضی اللہ عنہ بن ابی ربیعہ تھے۔ ابوجہل اس کام کے لیے خود دو تین آدمیوں کے ساتھ مدینہ پہنچا۔ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو دھوکے سے اپنے ساتھ لے کر مکہ کو روانہ ہوا۔ مدینہ سے باہر آکر ان کی مشکیں کس لی گئیں۔ اور انہیں اس طرح پابہ زنجیر مکہ پہنچا کر مسلسل اذیتوں کا شکار بنایا گیا۔ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کافی عرصے کے بعد مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچنے کے قابل ہوئے ظاہر ہے وہ مکہ کی تیاریوں کے متعلق مکمل خبریں لے کر مدینہ پہنچے ہوں گے اور مدینہ میں یہ خبر عام

Marfat.com

ہوگئی ہوگی کہ قریش کے تجارتی قافلے جنگی مصارف کے لیے وقف کر دیے گئے ہیں اور پورا قبیلہ قریش اس میں حصہ لے رہا ہے۔

قریش کی جنگی تیاریوں کے متعلق مولانا شبلی نعمانی ابن سعد کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''حملہ کے لیے سب سے بڑی ضروری چیز مصارفِ جنگ کا بندوبست تھا۔ اس لیے اس کے موسم میں قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا اس سروسامان کے ساتھ روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبارِ تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں ان کا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا۔ ابوسفیان اس کے قافلہ سالار تھے۔''

غزوہ بدر کی ابتداء:-

آنحضرت ﷺ ان تیاریوں سے باخبر تھے لیکن ان کی روک تھام کے لیے آپ ﷺ نے تاحال کوئی انتظام نہیں فرمایا تھا۔ مسلمان دستے حسب سابق سکاؤٹنگ اور جنگی اہمیت کی دیگر مشقوں میں مصروف ہے۔ چنانچہ العشیرہ کی جنگی مشق کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں نو یا بعض روایات کے مطابق بارہ مہاجرین پر مشتمل ایک دستہ نخلہ کو روانہ کیا۔ قدیم مورخ اسے ''سریہ عبداللہ بن جحش'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان میں جو حضرات شامل تھے ان کے نام ونسب پر اگر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ ان بزرگوں کے انتخاب کے وقت مکہ کی گروہی سیاست کو پوری طرح سے ذہن میں رکھا گیا ہے اور اس کی ترتیب اس طرح کی گئی ہے کہ مکہ کے مفادات کے اکثر گروہوں کو اس میں نمائندگی حاصل ہو جائے۔ ان کے نام گنانا موجودہ سطور کے لیے غیر ضروری ہوں گے۔ شائقین سیرت ابن ہشام سے رجوع فرمائیں۔

Marfat.com

روانگی کے وقت حضرت عبداللہ بن جحش کو ایک تحریر دی گئی اور حکم دیا گیا کہ جب دو دن تک سفر کر چکیں اس کے بعد اس تحریر کو پڑھیں اس میں جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کریں۔ دو دن سے پہلے اس تحریر کو پڑھنے سے منع فرما دیا گیا۔

دو دن کے بعد جب یہ تحریر پڑھی گئی تو اس میں مندرجہ ذیل حکم تھا۔

''جب تم میری اس تحریر کو پڑھو تو یہاں تک چلو کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں اترو اور وہاں رہ کر قریش کی (نقل و حرکت) کی دیکھ بھال کرتے رہو اور ان کی خبروں سے ہمیں آگاہ کرتے رہو۔''

اس حکم کے مطابق یہ دستہ نخلہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں دو حضرات کے اونٹ کھو گئے اور وہ ان کی تلاش میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گئے۔ چنانچہ سات اور دوسری روایت کے مطابق دس حضرات نخلہ میں جا اترے۔ ان کے پاس سے قریش کا ایک قافلہ گزرا جو ابوسفیان کی سربراہی میں شام کو جانے والے اس قافلے سے مختلف تھا جس کا ذکر اوپر کی سطور میں ہوا ہے۔ یہ قافلہ منقی، چمڑا اور دوسرا سامان تجارت لے جا رہا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ میں اصابہ اور طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس تجارتی قافلہ میں قریش کے بڑے بڑے معزز لوگ شامل تھے۔ اس میں عمرو بن الحضرمی تھا جو مکہ کے اموی سردار حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ اس کے علاوہ مکہ کے دوسرے معزز سردار مغیرہ (جو حضرت خالد بن ولید کے دادا ہیں اور حرب کے بعد مکہ میں دوسرے درجے کے رئیس تھے) کے دو پوتے عثمان اور نوفل بھی اس میں شامل تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام کا ایک آزاد کردہ غلام الحکم بن کیسان بھی اس قافلے میں شامل تھا۔ ان لوگوں نے جب مسلمانوں کو دیکھا تو بہت خوف زدہ ہوئے۔ اتفاق سے مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد حضرت عکاش کا سر منڈا ہوا تھا۔ مشرکوں نے سمجھا کہ یہ عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں اس لیے بے ضرر ہیں۔ مسلمانوں نے آپس میں فیصلہ کیا اور اس قافلے پر حملہ کر دیا۔ عمرو حضرمی حضرت واقد رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کے تیر سے قتل ہو گیا۔ عثمان بن عبداللہ اور الحکم بن کیسان ابن ہشام کی روایت کے مطابق قید

Marfat.com

ہوئے اور نوفل بن عبداللہ بچ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ مولانا شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق نوفل بھی گرفتار ہو گیا تھا۔ قافلے کے سامان پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔

یہ جو کچھ ہوا آنحضرت ﷺ کی اجازت کے بغیر ہوا۔ چنانچہ جب یہ حضرات قیدیوں اور مالِ غنیمت کے ساتھ مکہ میں وارد ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے تنبیہہ فرمائی اور ارشاد کیا..... ''میں نے تمہیں ماہِ حرام میں تو کسی جنگ کا حکم نہیں دیا تھا.....'' اور قافلے کے اونٹوں اور مالِ غنیمت میں سے بیت المال کا حصہ لینے کو ملتوی فرما دیا۔ اپنی غلطی کے احساس سے یہ حضرات بہت نادم تھے۔

لیکن مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرک اس بات کو لے اڑے اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ مہم شروع ہو گئی۔ پورے مکہ اور مدینہ میں یہ غلغلہ بلند ہو گیا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں نے حرام مہینے کو بھی حلال قرار دے دیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے اپنے طور پر اس پراپیگنڈہ کا توڑ کرنے کی کوشش کی لیکن اس ہمہ گیر غلغلے میں ان کی آواز دب گئی۔ پراپیگنڈہ کی اس مہم میں سب سے اہم اور خطرناک کردار یہودیوں کا تھا۔ انہوں نے بنو تمیم کے شخص (حضرت واقد رضی اللہ عنہ بن عبداللہ) کو ایک حضرمی فرد کا قاتل ٹھہرایا اور اس طرح ان دونوں کے درمیان قبیلائی جنگ بھڑکانے کی کوشش کی جو عرب کے معاشرے کی خطرناک ترین سیاسی صورت تھی۔ یہی وہ حربہ تھا جس کے عیارانہ استعمال سے اس سے قبل مدینے کے یہودیوں نے اوس وخزرج کے درمیان ایک طویل جنگ کرا کے دونوں قبیلوں کو کمزور کر دیا اور مدینے میں اپنی بالا دستی قائم کر لی تھی۔ یہی حربہ یہاں استعمال کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے علاوہ مدینے کے اندر مختلف افواہیں پھیلا کر مدینے کی مسلمان آبادی پر خوف و ہراس طاری کیا گیا۔ تاریخ نے بعض افواہیں محفوظ کی ہیں۔ ''عمرت الحرب'' (جنگ لمبی ہو گئی) ''حضرت الحرب'' (جنگ سر پر آ گئی) ''وقدت الحرب'' (جنگ کا شعلہ بھڑک اٹھا) ایسے فقرے تھے جو مدینے میں پھیل گئے تھے۔ اور مولانا مودودی کے قول کے مطابق [1]

---

[1] تفہیم القرآن جلد اول، تفسیر سورۂ بقرہ

Marfat.com

''مسلمانوں میں سے بعض سادہ لوگ، جن کے دل پر نیکی اور صلح پسندی کا ایک غلط تصور مسلط تھا۔ کفار مکہ اور یہودیوں کے اعتراضات سے متاثر ہو گئے تھے۔''

اسلام کی طرف سے اس خطرناک اور پہلو وار پراپیگنڈے کے دو جواب دیئے گئے۔

اولاً قرآن حکیم نے اپنے ایک معرکہ آراء حکم کے ذریعہ ایک ایسا انسانیت نواز قانون اور اصول مرحمت فرمایا جس کا دنیا کی قانونی تاریخ میں اس سے پہلے کوئی جواب موجود نہ تھا اور آج بھی اپنی افادیت کے اعتبار سے دنیا کی ہر قوم کے لیے قابل عمل ہے۔ ارشاد ہوا:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ

(ترجمہ) ''لوگ پوچھتے ہیں ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے۔ کہو اس میں لڑنا بہت برا ہے۔ مگر راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ اور فتنہ خون ریزی سے شدید تر ہے۔''

ابن ہشام بتاتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے مسلمانوں کے دلوں سے خوف و ہراس جاتا رہا۔ نبی اکرم ﷺ نے مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے اونٹوں اور قیدیوں کو بیت المال کے لیے قبول فرمایا اور حضرت عبداللہ بن جحش کے دل کا بوجھ دور ہو گیا۔ یہ عہد شکن یہودیوں کی پہلی سفارتی شکست تھی۔ وہ مسلمانوں کو بددل کرنے میں بُری طرح ناکام ہو گئے۔

ثانیاً مکہ کی طرف سے عثمان اور الحکم بن کیسان کی رہائی کے لیے سلسلۂ جنبانی شروع ہوئی اور فدیہ کی پیش کش کی گئی لیکن آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا:

''ہم ان دونوں کے متعلق تمہارا فدیہ اس وقت تک قبول نہیں کریں

Marfat.com

گے جب تک ہمارے دونوں دوست (یعنی سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان جو اونٹوں کی تلاش میں دستے سے الگ ہو گئے تھے) واپس نہ آجائیں۔ کیونکہ ان دونوں کے متعلق ہمیں تم سے اندیشہ ہے۔ پس اگر تم نے ان دونوں کو قتل کر دیا تو ہم بھی تمہارے دونوں دوستوں کو قتل کر دیں گے۔"

اپنے موقف پر مضبوطی اور استحکام سے قائم رہنے کے اس طرزِ عمل نے اس پراپیگنڈے کی بنیادوں کو ہلا دیا جو بنو تمیم اور بنو حضرم کے درمیان جنگ کی صورت اختیار کر سکتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد دونوں حضرات سلامتی سے واپس تشریف لے آئے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے وعدے کے مطابق فدیہ قبول کر کے دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا۔

مکہ کی نفسیاتی کیفیت:۔

لیکن ابن الحضرمی کا خون ابھی فیصلہ طلب تھا۔ اس کے علاوہ اس قافلے کے لُٹ جانے کی وجہ سے مکہ کے ان تمام لوگوں میں شدید اعصابیت پائی جاتی تھی جنہوں نے اپنا سب کچھ اس تجارتی قافلے میں دے ڈالا تھا جو ابوسفیان کی قیادت میں شام کو روانہ ہوا تھا اور جس کی واپسی جلد ہی متوقع تھی۔ اس صورتِ حال میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مکہ والوں کے دلوں پر کیا بیت رہی ہوگی اور ان کو کیسے کیسے خدشات لاحق ہوں گے۔ اس خاصی خوف زدہ اور کشیدہ نفسیاتی صورتِ حال کا نقشہ ابن ہشام کی ایک روایت میں نظر آتا ہے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی پھوپھی جنابہ عاتکہ کے ایک خواب کے متعلق بیان کی ہے۔ جنابہ عاتکہ اسلام نہیں لائی تھیں اور مکہ میں موجود تھیں۔ آں محترمہ نے ایک خواب دیکھا کہ ایک سوار اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ میں آیا اور وادئ ابطح میں کھڑے ہو کر با آوازِ بلند پکارا:

"سنو اے بے وفاؤ......! تین دن کے اندر جنگ کے لیے ان جگہوں کی طرف نکل چلو جہاں تم پچھاڑے جاؤ گے۔"

لوگ اس کے گرد اگرد جمع ہو گئے تو وہ حرمِ کعبہ میں داخل ہو گیا۔ لوگ بھی اس کے

Marfat.com

ساتھ حرم میں داخل ہوئے۔ اونٹ اسے لیے ہوئے خانہ کعبہ کے اوپر نمودار ہوا۔ وہ پھر اسی طرح چلایا:

''سنو اے غدارو! تین دن کے اندر جنگ کے لیے اس جگہ کی طرف چل پڑو جہاں تم پچھاڑے جاؤ گے۔''

پھر اونٹ اسے لیے ہوئے ابوقبیس پر نمودار ہوا اور وہ اسی طرح چلایا۔ پھر اس نے ایک چٹان لے لی اور اسے لڑھکا دیا۔ وہ لڑھکتی ہوئی پہاڑ کے دامن میں پہنچی، تو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ مکہ کے گھروں میں سے کوئی گھر اور کوئی احاطہ باقی نہ رہا کہ اس چٹان کا کوئی نہ کوئی ٹکڑا اس میں نہ گیا ہو۔

ابن ہشام آنحضرت ﷺ کے چچا جناب عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس خواب کا چرچا مکہ میں گھر گھر ہوا۔ یہاں تک کہ دوسرے دن جب جناب عباس جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ طوافِ کعبہ کے لیے حرم میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ابوجہل قریش کے ایک مجمع میں بیٹھا ہوا ہے اور یہی خواب موضوعِ گفتگو ہے۔ ابوجہل نے جناب عباس کو اپنے پاس بلایا اور کہا ''اے بنی عبدالمطلب......! تم میں یہ نئی نبیہ کب سے پیدا ہوئی ہے۔ کیا تمہیں یہ بات کافی نہ تھی کہ تم میں سے مردوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگی ہیں۔ ہم بھی ان تین دنوں کا انتظار کریں گے۔ اگر یہ بات سچ نہ نکلی تو ہم تمہارے متعلق ایک نوشتہ لکھ رکھیں گے کہ تم لوگ حرم والوں میں سب سے زیادہ جھوٹے خاندان کے ہو۔''

ٹھیک تیسرے دن صبح جب حضرت عباس کعبہ کو روانہ ہوئے تو سخت غصے کے عالم میں تھے۔ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر ابوجہل نے آج بھی اس قسم کی باتیں کیں تو وہ اسے مزا چکھا دیں گے۔ لیکن انہوں نے کعبہ میں پہنچ کر دیکھا کہ ابوجہل تیزی سے حرم سے باہر چلا گیا۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ابوجہل نے ڈر کر راہِ فرار اختیار کی ہے۔ وہ اس کے پیچھے گئے تو دیکھا کہ ضمضم بن عمرو الغفاری بطنِ وادی میں اپنا اونٹ ٹھہرائے ہوئے چیخ رہا

Marfat.com

ہے۔ ضمضم نے اپنے اونٹ کی ناک کاٹ ڈالی تھی۔ کجاوہ الٹ دیا تھا۔ کرتہ پھاڑ لیا تھا اور پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

''اے گروہِ قریش...... تمہارے سامان والے اونٹ...... تمہارے سامان والے اونٹ...... تمہارے سامان والے اونٹ...... محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اپنا مال بچاؤ جو ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اسے پا سکو گے۔ فریاد...... فریاد۔''

لشکر کفار کی روانگی:۔

جناب عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پکار سن کر ابوجہل نے میری طرف اور میں نے ابوجہل کی طرف دیکھا۔ مکہ میں تیزی سے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ مکہ والے کہہ رہے تھے:

''کیا محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی اس قافلے کو بھی ابن الحضرمی کا قافلہ سمجھ رہے ہیں واللہ ان پر بہت جلد واضح ہو جائے گا کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔''

کچھ لوگ ہتھیار باندھ باندھ کر اور جنگ کے لیے تیار ہو کر قافلہ تجارت کی حفاظت کے لیے گھروں سے نکلے۔ کچھ ایسے تھے جنہوں نے اپنے تجارتی مال کی حفاظت کے لیے دوسروں کو کرائے پر لیا خود جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کے چچا ابولہب نے ایک شخص العاص بن ہشام بن المغیرہ سے چار ہزار دینار لینے تھے۔ العاص ابولہب کی جگہ اس قرض کے عوض جنگ کے لیے روانہ ہوا۔ اس طرح تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جس کے پاس سات سو سواریاں تھیں۔ مدینہ کی جانب روانہ ہوا۔ ابوجہل سالارِ لشکر تھا۔

لشکر اسلام کا کوچ:۔

اس سے قبل مکہ والوں کی تیاریوں کی اطلاعات برابر مدینے پہنچ رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے بھی روانگی کی تیاری کا حکم دیا۔ مولانا شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ ۱۲

Marfat.com

رمضان المبارک ۲ھ کو تین سو جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ قرآن حکیم کی سورۃ انفال اس واقعہ کا مستند ترین ہم عصر ریکارڈ ہے۔ ابن ہشام کے لفظوں میں ''ان لوگوں کی حالت اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے اس وقت کے نکلنے کی کیفیت'' بیان فرماتے ہوئے اس سورۃ میں ارشاد ہوتا ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ○ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ○

(ترجمہ) ''جس طرح تیرے پروردگار نے تجھے تیرے گھر سے (ایک امر) حق کے ساتھ نکالا۔ حالانکہ مومنوں کا ایک گروہ اسے ناپسند کر رہا تھا اور تجھ سے امرِ حق میں اس کے ظاہر ہو جانے کے بعد جھگڑتے ہیں۔ گویا وہ موت کی جانب ہانکے جا رہے ہیں اور وہ (اس موت کو) دیکھ رہے ہیں۔''

اس آیت کی تصریح کرتے ہوئے ابن ہشام لکھتے ہیں:

''یعنی دشمن کے مقابلے کو ناپسند کرنے اور قریش کے چل پڑنے کی خبر جو انہیں ملی تھی اسے نہ ماننے کے سبب۔''

اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ

(ترجمہ) ''اور (یاد کرو اس وقت کو) جب اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ دو گروہوں میں سے ایک بے شبہ تمہارے لیے (مقرر کر دیا گیا) ہے اور تم چاہتے تھے کہ قوت نہ رکھنے والا گروہ تمہارے مقابلے کے لیے ہو۔''

ابن ہشام کی تصریح ہے:

Marfat.com

''یعنی غنیمت مل جائے اور جنگ نہ ہو۔''

اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہوا۔

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ○

(ترجمہ) ''اور اللہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعہ سے حق کو استحکام دے اور کافروں کے پیچھے رہنے والوں (تک) کو کاٹ دے۔ تاکہ حق ثابت ہو اور باطل مٹ جائے۔ خواہ اس امر کو گناہگار ناپسند ہی کریں۔''

ابن ہشام فرماتے ہیں:

''یعنی بدر کے اس واقعہ کے ذریعے سے قریش کے سورماؤں اور ان میں کے سرداروں کے ساتھ مڈبھیڑ کرادے۔''

ارشاداتِ ربانی اور اولین خادم سیرت کی تصریحات سے جو چیز عیاں ہوتی ہے یہ ہے کہ سالارِ لشکر ﷺ نے جنگی مصلحتوں کے پیش نظر لشکریانِ اسلام کو اعتماد میں نہیں لیا تھا اور یہ عادتِ شریفہ تھی کہ بعض اہم جنگی امور کی رازداری کے خیال سے جنگ کا پورا منصوبہ لشکریوں میں عام نہیں فرماتے تھے۔ ◆ چنانچہ لشکریوں میں عام تاثر یہ تھا کہ ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کرنا مقصود ہے اس سے مالِ غنیمت ہاتھ آئے گا۔ اور قافلے والے نہتے ہوں گے کوئی جنگ بھی پیش نہیں آئے گی۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ مکہ نے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے باقاعدہ لشکر مرتب کر لیا ہے تو فوج میں دو رائیں ہو گئیں اور لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔ بعض نے حضور ﷺ کے سامنے بھی اس اختلاف کا اظہار کیا ہوگا لیکن اس کے باوجود لشکر بڑھا انہیں اعتماد میں نہیں لیا گیا اور وہی ہوا جو خدا کی

◆ صحیح بخاری میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کا ایک قول ہے۔ اور آنحضرت ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے۔'' توریہ کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں'' آپ ﷺ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنیین الفاظ استعمال فرماتے تھے۔'' (مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

مصلحت اور مرضی تھی۔

کیونکہ یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس لیے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ میں حاکم مقرر فرمایا۔ اس لشکر میں ۳۱۳ اصحاب شامل تھے۔ ان کے پاس کل ستر اونٹ تھے۔ جن پر باری باری سواری کی جاتی تھی۔

خبر رساں:۔

جب لشکر صفرا نامی ایک گاؤں میں پہنچا تو آپ ﷺ نے حضرت بسبس رضی اللہ عنہ بن عمرو الجہنی اور حضرات ابی بن ابی الزغبا کو آگے روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ قافلہ قریش کے متعلق اطلاعات فراہم کریں۔

یہ دونوں حضرات منزلیں مارتے ہوئے آگے بڑھے اور آخر بدر کے کنوئیں پر پہنچ گئے۔ یہاں پانی بھرنے کے لیے آنے والی دو لڑکیوں کی باہمی گفتگو سے انہیں معلوم ہو گیا کہ قریش کا قافلہ دو ایک روز میں یہاں پہنچنے والا ہے۔ یہ خبر لے کر یہ دونوں حضرات اپنے لشکر کی طرف واپس ہوئے۔

دو یوم کے بعد قریش کا قافلہ بدر میں پہنچا اور قافلہ سالار ابوسفیان حالات کا اندازہ کرنے کے لیے قافلے سے آگے بدر کے اس کنوئیں پر پہنچے، جہاں دونوں صحابی تھوڑا وقت گزار چکے تھے۔ یہاں آکر اونٹ کی مینگنیوں میں کھجور کی گٹھلیاں دیکھ کر ابوسفیان نے اندازہ کیا کہ یثرب کی طرف سے نقل و حرکت ہو رہی ہے۔ اس نے ازراہِ احتیاط قافلے کو اصل راستے پر لے جانے کے بجائے بحر احمر کے کنارے کنارے چلنے والے راستے پر ڈال دیا اور مزید احتیاط کے طور پر ضمضم کو تیز رفتار اونٹنی پر مکہ روانہ کر دیا تاکہ وہ اہل مکہ کو خطرے سے آگاہ اور ہوشیار کر دے۔ ضمضم نے یہ اطلاع اس ڈرامائی انداز میں دی اور مکہ کے لوگ جو پہلے ہی اعصابیت کے نقطۂ عروج پر تھے اس خبر کے متعلق مزید تحقیق کیے بغیر شعلۂ جوار بن کر لشکر کی صورت میں مکے سے نکل پڑے۔

Marfat.com

غیر مشروط اطاعت کا عہد:-

ادھر لشکرِ اسلام آگے بڑھ کر ایک وادی میں پہنچا جسے ذفران کہا جاتا ہے۔ ابھی لشکر نے پوری وادی قطع نہیں کی تھی کہ رات ہوگئی۔ اور لشکر نے شب بسری کے لیے اسی جگہ پڑاؤ ڈالا۔

اسی جگہ آنحضرت ﷺ نے مہاجر اور انصارِ صحابہ سے مکہ سے لشکر کی آمد کے متعلق مشورہ فرمایا۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اور حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنی غیر مشروط اطاعت اور جاں فروشی کا یقین دلایا۔ انصار حضرات خاموش تھے۔ آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا...... ''لوگو......! مجھے مشورہ دو۔'' انصار میں سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے حضرات انصار کی نمائندگی کی اور جاں نثاری اور غیر مشروط اطاعت کا یقین دلایا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی باتیں سُن کر آنحضرت ﷺ بے حد مسرور ہوئے اور بشارت دی۔

> ''چلو (بڑھو) اور بشارت لو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دونوں گروہوں (قافلۂ تجارت اور لشکرِ قریش) میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ اس وقت میں گویا بے شبہ وہ مقامات دیکھ رہا ہوں جہاں یہ لوگ پچھاڑے جائیں گے۔''

اردو کے بعض جیّد علمائے سیرت نے اس واقعہ کی مختلف تاویلیں کرنے کی کوشش کی ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں اس واقعہ یں کوئی اشکال نہیں اور یہ کسی تاویل کا محتاج نہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ جب لشکر چلا تو منزل کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے کچھ اختلاف رائے ہوا۔ یہ اختلاف نبی اکرم ﷺ کے پیش نظر تھا پیغمبرانہ بصیرت آنے والی جنگ کے نقشے اور اس کے نتیجے سے باخبر تھی۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ فوجی مصلحتوں کے پیش نظر لشکریوں کو اعتماد میں لیے بغیر اطاعتِ امیر کے نقطے پر لشکریوں کی یک جہتی اور متحد الخیالی کو پختہ تر کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ مجلس مشاورت منعقد ہوئی اور امیر لشکر ﷺ نے ایک خوبصورت اور لائق تقلید طریقے سے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

Marfat.com

باب ۵ :-

غزوۂ بدر

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں سال کے سال میلہ لگتا تھا۔ اس سے ملحقہ میدان چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ یہ طول میں ساڑھے پانچ میل لمبا اور تقریباً اتنا ہی چوڑا ہے۔ زیادہ حصہ ریتلا ہے اور بقیہ حصے میں ریتلے پتھروں کی چٹانیں پاء جاتی ہیں۔ جہاں غزوۂ بدر ہوا اور وہاں کہیں کہیں گھاٹیاں ہیں اوران کے نشیب میں جہاں کارریزوں سے آبپاشی ممکن ہے متعدد نخلستان بنے ہوئے ہیں لیکن اس پہاڑی کے دامن میں ریت نہایت باریک ہے اور کئی جگہ ریت کی دلدلیں ہیں جنہیں انگریزی میں "کوک سینڈ" (Quick Sand) کہتے ہیں۔لڑائی میں یہ دلدلیں بڑی خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔گھوڑے ان میں بالکل نہیں چل سکتے۔آدمی اور اونٹوں کی نقل وحرکت بھی بدوقت ہوتی ہے اور نصف میل کے بعد ہی ان کی بھی ہمت جواب دے جاتی ہے۔

لشکرِ کفار کی آمد:-

مکہ کے جنگ پسندوں اور جنگ خواہوں کا وہ لشکر جو کاروانِ تجارت کی حفاظت کے ادّعا کے ساتھ مکہ سے امنڈا تھا۔تیزی سے منزلیں مارتا ہوا میدانِ بدر میں پہنچا اور پہاڑ کے دامن میں اس وادی میں اترا۔ جسے الجحفہ کہا جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر انہیں ابوسفیان کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ قافلہ محفوظ ہے اور اب اسے کوئی خطرہ نہیں۔ اس لیے واپس آجاؤ۔ اس پیغام کے جواب میں ابوجہل نے جو کچھ کہا وہ مکہ کے جنگ بازوں کے حقیقی عزائم کی ایک جھلک پیش کرتا ہے۔ابن ہشام اس جواب کوابنِ اسحاق کی سند پر رپورٹ کرتے ہیں:

Marfat.com

"واللہ جب تک ہم بدر نہ پہنچ جائیں نہیں لوٹیں گے۔ وہاں ہم تین دن رہیں گے۔ کاٹنے کے قابل جانور کاٹیں گے۔ کھانا کھلائیں گے شراب پلائیں گے۔ گانے والیاں ہمارے سامنے گائیں گی۔ عرب میں ہماری شہرت ہوگئی۔ ہمارے جانے اور اکٹھے ہونے کی خبر پھیلے گی۔ پھر ہمارا رعب و داب ان پر چھا جائے گا۔ اس لیے ہمیں چلنا چاہیئے۔"

چنانچہ اس عزم کے مطابق لشکر آگے بدر کے گاؤں کی طرف بڑھا اور اس وادی کے بطن میں پہنچا جس کا نام یلیل ہے۔ یلیل اور بدر کے درمیان ایک ٹیلہ واقع ہے جس کا نام العقنقل ہے۔

لشکرِ اسلام کا ورود:-

اسلام کا لشکر اللہ کے ۳۱۳ سپاہیوں کے ساتھ جنہوں نے پچھلے پڑاؤ پر غیر مشروط اور بے چون و چرا وفاداری کا یقین دلایا تھا۔ لشکرِ کفار کی آمد کے بعد بدر میں پہنچا اور سالارِ لشکر کے حکم سے خیمہ زن ہوا۔ آنحضرت ﷺ آرام کرنے کے ہر خیال کو تج کر گردونواح کے حالات کا مطالعہ کرنے کی غرض سے فوراً نکل کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ کی ملاقات ایک بوڑھے شیخ سے ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے شیخ کو اپنی ذات سے مطلع کیے بغیر بوڑھے شیخ سے متعدد سوالات کیے۔ شیخ نے جواب میں کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ محمد (ﷺ) فلاں روز مدینے سے نکلے ہیں۔ اگر یہ اطلاع درست ہے تو ان کے لشکر کو آج فلاح جگہ ہونا چاہیئے۔ اور بوڑھے شیخ نے جس جگہ کا نام لیا ٹھیک وہ جگہ تھی جہاں لشکرِ اسلام خیمہ زن تھا۔ پھر شیخ نے بتایا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ قریش فلاں دن مکہ سے نکلے ہیں اگر یہ اطلاع درست ہے تو آج وہ لوگ فلاں جگہ ہوں گے۔ اور یہ ٹھیک وہی جگہ تھی جہاں کفار مکہ کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔

آنحضرت ﷺ واپس لشکر میں تشریف لائے۔ شام ہوئی تو شیخ کی نشان دہی کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن

Marfat.com

ابی وقاص کو ایک جماعت کے ساتھ بدر کے چشمے کی طرف روانہ فرمایا۔ جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو انہیں کچھ لوگ ملے جو پانی لے جانے کے لیے آئے تھے۔ ان حضرات نے ان میں سے دو کو پکڑ لیا۔ یہ دونوں غلام تھے۔ ان سے پوچھ گچھ پر معلوم ہوا کہ قریش کے لشکر میں کسی روز نو اور کسی دن دس اونٹ کاٹے جاتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ کیا گیا کہ اس لشکر میں نو سو سے ایک ہزار کے قریب آدمی شامل ہیں انہی لوگوں سے یہ معلوم ہوا کہ لشکر میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم ابن حزام، نوفل بن خویلہ، الحارث بن عامر بن نوفل، طعیہ بن عدی بن نوفل، النضر بن الحارث، ابوجہل بن ہشام اور امیہ بن خلف جیسے سردار شامل ہیں۔ یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

"مکہ کے تمہارے مقابلے کے لیے اپنے جگر کے ٹکڑے ڈال دیئے ہیں۔"

لشکروں کے اجزائے ترکیبی:۔

ہر لشکر کی ترکیب و ترتیب کرتے وقت دنیا کا ہر سمجھ دار فوجی جرنیل اس بات کو نگاہ میں رکھتا ہے کہ فوج کی ڈویژنیں ہم قوم، ہم مزاج اور ہم طبع سپاہیوں پر مشتمل ہوں۔ تاکہ ان کے درمیان کسی قسم کی رقابت راہ نہ پا سکے۔ انگریز نے ہندوستان میں اسی اصول کے تحت فوجوں کی ڈویژنوں کی ترتیب کی تھی۔ دنیا میں ہر فوج کا یہی قاعدہ ہے۔

لیکن لشکرِ اسلام دنیا کا وہ واحد لشکر تھا جو رنگ، نسل، زبان اور قومیت وغیرہ کے اصولوں پر قائم نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی اس کی تربیت اور تشکیل قبل از اسلام لشکروں کی طرح خاندانوں اور حلیفوں کے خاندانوں کے افراد سے کی گئی تھی۔ ۳۱۳ افراد کے اس لشکر میں ابن ہشام کی تصریح کے مطابق مکہ کے قبیلہ قریش کے ۱۳ خاندان شامل تھے اور مدینہ منورہ کے اوس و خزرج کے دو قبائل کے ۳۳ خاندان حاضر تھے۔ گویا دونوں شہروں کے ۴۶ خاندان اسلام کی طرف سے اس غزوہ میں حصہ لے رہے تھے۔ اسلام سے پہلے ان میں سے اکثر خاندان ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے مثلاً بنی عبدشمس اور بنی عبد مناف یا اوس اور خزرج، لیکن اب

Marfat.com

یہ ایک خدا، ایک رسول ﷺ ایک قرآن یعنی ایک مرکز اور ایک قانون کے زیر سایہ ایک لشکر بن گئے تھے جس کے اختلاف رائے کو غیر مشروط اور بے چون و چرا وفاداری کے عہد سے دور کر دیا گیا تھا جسے گزشتہ کئی سال سے جسمانی مشقت، نماز کے ذریعہ نظم و ضبط، اطاعت امیر اور حلف بندی، بلند اخلاقی کی تلقین اور بے مثال اسوہ کے اتباع نے بڑی سے بڑی مشکل کو برداشت کر لینے اور راضی بر رضا رہنے کے عظیم ہتھیاروں سے لیس کر دیا تھا۔ اس لشکر کو گزشتہ دو سال سے اس علاقے میں خوب گھمایا پھرایا گیا تھا اور جنگی اہمیت کے اکثر مقام ان میں سے اکثر نے توجہ اور غور سے دیکھ لیے تھے سیاسی طور پر اس لشکر کی پوزیشن مضبوط تھی۔ گردونواح کے اہم قبائل غیر جانبداری کے پیمان کر چکے تھے۔

اس کے مقابلے میں کفار کا لشکر تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لیے نکلا تھا اور مکہ سے نکلتے وقت اس کا جوش وخروش اس خبر کی بنا پر تھا جسے ضمضم کی ڈرامائی اداکاری نے ممکن خطرے سے حقیقی خطرے میں بدل دیا تھا۔ یہاں آکر جب معلوم ہوا کہ خطرہ ٹل گیا تو گویا لشکر کی ترتیب اور ترکیب کے پاؤں نکل گئے اور وہ قوت باقی نہ رہی جو اس جوش وخروش کو برقرار رکھ سکتی۔ اس صورتِ حال نے لشکر کی ذہنی اور اخلاقی حالت میں جو کیمیائی تبدیلیاں کیں ان کی جھلک ابن ہشام کی بعض روایات میں صاف نظر آتی ہے۔

لشکر قریش میں ایک صاحب اخنس بن شریق تھے جو بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو ثقیف بنی زہرہ کے حلیف تھے اور بنی زہرہ کے افراد کی اچھی خاص تعداد اس لشکر میں موجود تھی۔ اخنس نے بنی زہرہ کے ان افراد کو سمجھایا کہ ہمارا اصل مقصد تجارتی قافلہ کی حفاظت تھا۔ یہ مقصد پورا ہو گیا۔ اب مرنے اور مارنے کا کوئی مقصد باقی نہیں ہے اس لیے ہمیں واپس جانا چاہیے۔ یہ بات بنی زہرہ کی سمجھ میں آگئی اور بنی ثقیف اور بنی زہرہ کے تمام افراد لڑائی سے کنارہ کش ہو کر مکہ کو لوٹ گئے۔

آنحضرت ﷺ کے خاندان بنی عبد مناف کے لوگ بھی لشکر میں شامل تھے یہ وہی لوگ تھے جن کے خوف کی وجہ سے مکہ آنحضرت ﷺ کی ذات پر براہِ راست کوئی مہلک حملہ نہ کر

Marfat.com

سکا۔ ان میں جناب عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مشرک ہونے اور بیعتِ عقبیٰ ثانیہ کی مکمل راز داری کے باوجود اس میں شامل کیے گئے اور جب تک اس بات پر پوری طرح مطمئن نہ ہو گئے کہ مدینہ میں ان کے بھتیجے (ﷺ) کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ اور ان پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ اس وقت تک ہجرت کی اجازت دینے پر تیار نہیں ہوئے۔ ان کے علاوہ اس لشکر میں آنحضرت ﷺ کے داماد جناب ابوالعاص بھی شامل تھے جن کی زوجہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ جناب ابوالعاص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہ نہایت قریبی رشتہ دار ضمضم ہی کی اداکاری سے متاثر ہو کر اور اپنا مالِ تجارت بچانے کی غرض سے آئے ہوں گے۔ یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ یہ آنحضرت ﷺ کی دشمنی کی بنا پر اس اقدام پر تیار [1] ہو گئے تھے۔ اسی خاندان کے ایک صاحب جہیم بن الصلت تھے۔ جن کا ایک خواب ابن ہشام بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ لڑائی کی صورت میں قریش کو ہزیمت ہوگئی اور بعض بڑے بڑے سردار اس میں مارے جائیں گے ابوجہل نے اس بروقت آواز کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ:

"بنی عبدالمطلب کا یہ اور نبی ہے۔ کل مقابلہ ہوگا تو معلوم ہوگا کہ مقتول کون ہے۔"

ایک اور صاحب جنہوں نے قریشیوں کو اس کام سے باز رکھنے کی کوشش کی حکیم بن حرام ہیں۔ عتبہ بن ربیعہ، عمرو بن الحضرمی کا حلیف تھا اور مسلمانوں سے اس کے خون کے دعویداروں میں سے ایک تھا۔ حکیم بن حرام نے عتبہ بن ربیعہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ عمرو کا خون بہا اپنے ذمہ لے لے اور اس طرح قتال کو روک دے۔ یہ انتظام کر کے حکیم ابوجہل کے پاس گئے اور اسے بتایا کہ قافلہ محفوظ ہے اور عمرو بن الحضرمی کا خون بہا عتبہ بن ربیعہ دے دے گا اس لیے جنگ بے مقصد ہے۔ ہمیں واپس چلنا چاہیے لیکن ابوجہل اس

---

[1] جنگ سے پہلے آنحضرت ﷺ نے اپنے لشکر کو ہدایت فرمائی کہ یہ لوگ اپنی مرضی کے خلاف لشکر میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ اس لیے اگر مسلمان ان پر غلبہ پالیں تو انہیں قتل نہ کریں۔

Marfat.com

کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کی تیز زبان نے طعنوں کے ذریعہ حکیم کو بھی مشتعل کر کے جنگ پر تیار کر دیا۔ اور عمرو بن الحضرمی کے بھائی عامر بن الحضرمی کو بھی یہ اشتعال انگیز خبر دی کہ "تیرا حلیف لوگوں کو لے کر لوٹ جانا چاہتا ہے اور تیسرے بھائی کے خون کا بدلہ تیری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اٹھ اور قریش سے ایفائے عہد کا مطالبہ کر۔" چنانچہ عامر الحضرمی نے دہائی دینی شروع کر دی اور قریشیوں کے لیے مسلمانوں پر حملہ ناگزیر ہو گیا۔

ان واقعات کی تفصیل سے یہ محسوس کرنا مشکل نہیں کہ مسلمان حملہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اور اگر قریشی لوٹ جاتے تو جنگ نہ ہوتی۔ قریشیوں میں بعض افراد ایسے تھے جو اس جنگ کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ابوجہل جو ابتدائے اسلام سے اسلام کے خلاف قریشیوں کی سرد جنگ کا سرغنہ تھا اور جس نے ہجرت سے چند دن قبل اس سرد جنگ کو مکارانہ قتل کی سازش میں تبدیل کر دینے کی پوری کوشش کی تھی اس بات پر تلا ہوا تھا کہ یہ جنگ ہو اور اس کے ذریعہ اس نئی تحریک کو کچل دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں کو مشتعل کر کے آمادۂ پیکار کرنے کا ہر طریقہ اختیار کیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہر اس بہانے اور حیلے کو استعمال کیا جسے وہ کر سکتا تھا۔ ابوجہل کی اسی ہٹ اور ضد کا مقابلہ کر کے اس شعر سے اسلام کو محفوظ رکھنے کی کوشش ہر لحاظ سے دفاعی کوشش تھی۔ آنحضرت ﷺ کی پیغمبرانہ بصیرت نے اسلامی ریاست مدینہ سے ۸۰ میل دور جا کر یہ مقابلہ کیا تاکہ حق و صداقت کی آویزش اور اس کے نتائج نواحی علاقوں پر واضح ہو جائیں اور قریش کے تجارتی راستوں پر بسنے والے باشندے قریش کے جس رعب سے مرعوب ہیں اس کا اثر کم ہو جائے۔

لشکر اسلام میں جنگ کی تیاری:۔

جنگی اہمیت کی پہلی فتح جو آنحضرت ﷺ نے بطور جرنیل حاصل کی، یہ تھی کہ آپ ﷺ نے تیزی سے بڑھ کر ان چشموں پر قبضہ کر لیا جو بطن معلیل سے مدینہ کے رخ بہتے تھے۔ اس طرح لشکر اسلام نے نسبتاً بلند جگہ پر پڑاؤ ڈالا لشکر قریش ان سے نیچے خیمہ زن تھا

Marfat.com

اور پانی کے لیے ان چشموں کا محتاج تھا جو لشکرِ اسلام میں سے ہو کر بہتے تھے بدر کے چشمے کے اردگرد بند باندھ کر تالاب بنالیا گیا اور پانی روک دیا گیا۔ یہ فوجی جرنیل کا عمل تھا۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کے لیے بے پایانِ جودوسخا نے دشمن کے ہر اس فرد کو تالاب سے پانی لینے کی اجازت دے دی جو اس تالاب تک پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ تاریخ ایسے دو تین نام گناتی ہے جو جنگی مصلحتوں کی شدید اہمیت کے باوجود پیغمبرانہ جودوسخا سے سیراب ہوئے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جنگی اہمیت کا دوسرا عمل یہ تھا کہ آپ نے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کو قبول فرمایا کہ ایک ایسی جگہ پر ایک سائبان بنا دیا جائے جس سے لشکر کی نقل و حرکت، سالارِ لشکر (ﷺ) کی نظر میں رہے اور ہدایات جاری کرنے میں آسانی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ یہ جگہ جنگ کی عام یلغار سے محفوظ بھی ہو۔ اس کے قریب سواریاں بھی حاضر ہوں۔ میجر جنرل اکبر خاں کا قیاس ہے کہ یہ سواریاں جنگ کے گھمسان میں مصروف دستوں تک مناسب اور ضروری ہدایات پہنچانے کے کام میں بھی آسکتی تھیں۔ ابن ہشام کی روایت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس خیال سے رکھی گئی تھیں کہ اگر جنگ کا انجام مسلمانوں کے حق میں نہ ہو تو داعیٔ اسلام ﷺ تیزی کے ساتھ کسی محفوظ مقام پر پہنچ سکیں اور تحریکِ اسلام کی ترویج واشاعت میں کوئی کمی نہ ہو۔

یہ جمعہ کا دن اور رمضان ۲ھ کی سترھویں تاریخ تھی۔ مترجمین ابن ہشام کے مطابق ۱۳ مارچ ۶۲۴ء۔ آنحضرت ﷺ نے صبح لشکرِ اسلام کی صفیں درست کرایں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تیر تھا جس کی مدد سے آپ ﷺ صفیں سیدھی کروا رہے تھے۔ تاکید فرمائی،

① جب تک آپ ﷺ حکم نہ دیں۔ حملہ نہ کیا جائے۔
② اگر ان لوگوں نے تمہیں گھیر لیا تو اپنی مدافعت کے لیے تیر برساتے رہو یہ جنگ بدر کی صبح تھی۔

ان تفصیلات سے یہ احساس ہو گیا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی اس دفاعی یا حربی سنت

Marfat.com

کی تقلید دنیا کر ہر قابل ذکر جرنیل شعوری یا غیر شعوری طور پر کرتا ہے ہر جنگ کے موقع پر حسب حال اور حسب ضرورت پر تمام احتیاطی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اور لشکر کو سالار کے مرکزی حکم کے تابع رہنے کی ہدایت اور تربیت دی جاتی ہے۔ موجودہ جنگوں کا دائرہ عمل بے حد وسیع ہو گیا ہے اور جنگی آلات میں ایسی تبدیلی آئی ہے کہ پرانے آلات روایت بن کر رہ گئے ہیں۔ اس لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تکنیک اور لشکر کی مناسب نقل وحرکت کے فن میں بھی ناگزیر طور پر انقلابی تبدیلیاں آئی ہیں۔ تاہم بنیادی باتیں احتیاط، مرکز کے ساتھ لشکر کا مکمل رابطہ اور لشکر کے ہر سپاہی اور افسر کی طرف سے سالار لشکر کی مکمل فرمانبرداری ہی ہیں۔ اور یہ دنیا کے ہر لشکر میں موجود ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنے اسوۂ مبارک سے جس چیز کو اسلامی لشکر کے ساتھ مخصوص کر دیا اور جو دنیا کے کسی لشکر میں اس سند کے ساتھ رائج نہیں ہو سکتی وہ یہ ہے کہ:

"اگر چہ (1) بارگاہِ الٰہی سے فتح ونصرت کا وعدہ ہو چکا تھا۔ عناصر عالم آمادۂ مدد تھے، ملائکہ کی فوجیں ہم رکاب تھیں۔" تاہم عالم علت ومعلول پر گہری نظر رہی اور آپ ﷺ نے اس وقت کی ضرورت کے مطابق ہر ممکن جنگی تدبیر فرمائی جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو سائبان میں تشریف لے گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمراہ تھے۔ مولانا شبلی نعمانی صحیحین کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پر سخت خضوع وخشوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے:

"خدایا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ آج پورا کر۔"

محویت اور بے خودی کے عالم میں چادر کندھے سے گر گر پڑتی تھی اور آپ ﷺ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ کبھی سجدے میں گرتے تھے اور فرماتے تھے:

"اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔"

ابن ہشام کے مطابق اس دُعا کے الفاظ حسب ذیل تھے:

---

(1) مولانا شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ جلد اول

Marfat.com

اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ الْیَوْمَ لَا تُعْبَدُ

''اے اللہ! اگر تو نے آج اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر تیری پرستش نہ کی جائے گی۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''اے اللہ کے رسول (ﷺ) دعاؤں میں کمی فرمایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے اسے ضرور پورا فرمائے گا۔''

اسی عالم میں وحی نازل ہوئی:

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ

''فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔''

آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ...... ! خوش ہو جاؤ کہ تمہارے پاس اللہ کی امداد آ گئی۔ یہ جبرئیل ہیں۔ گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے اسے کھینچ رہے ہیں۔ اور اس کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ سائبان سے باہر تشریف لائے اور صف بند صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے آج جو بھی شخص ان لوگوں سے جنگ کرے گا اور صبر سے ثواب سمجھ کر قتل ہو جائے گا آگے بڑھتا ہوا ہوگا۔ پیٹھ پھرانے والا نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے جنگ میں داخل کرے گا۔''

لشکریانِ اسلام پر اس کا عجیب اثر ہوا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بن الحمام ایک صحابی تھے جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں چند کھجوریں تھیں جنہیں وہ کھا رہے تھے۔

Marfat.com

حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو بے اختیار ہو کر بولے۔

''آہاہا...... ! کیا میرے اور جنت کے درمیان بس اتنا ہی فاصلہ ہے کہ میں ان لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں۔''

اور انہوں نے کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

حضرت عوف رضی اللہ عنہ بن الحارث ایک اور صحابی تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

''یا رسول اللہ (ﷺ)! پروردگار کو اپنے بندے کی کون سی بات خوش کرتی ہے؟''

ارشاد ہوا:

''جب وہ بے زرہ ہو اور اپنا ہاتھ دشمن کے خون میں ڈبو دے۔''

انہوں نے زرہ پہن رکھی تھی۔ اتار کر پھینک دی۔ تلوار لی اور جنگ کرنے لگے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔

یہ رسالت کا عہد تھا۔ آج غیابت کا عہد ہے۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۶۵ء کو راقم الحروف اخباری نمائندے کی حیثیت سے جنت کے اگلے مورچوں پر گیا۔ ایک پاکستانی سپاہی نے اپنے یونٹ کی ایک بات بتاتے ہوئے کہا...... اور راقم الحروف اس بات کو ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ رپورٹ کر رہا ہے:-

''جب ہم مورچوں میں جاتے ہیں تو باوضو ہوتے ہیں جب پاکستان کے دشمنوں نے پاکستان پر حملہ کیا تو ہم نے سجدے میں گر کر دُعا کی۔'' اے اللہ...... ! اگر یہ ملک باقی نہ رہا تو تیرے دین کا سر بلند نہیں ہو سکے گا......'' اور پھر ہم سے اللہ تعالیٰ نے جو خدمت لی وہ آپ کے سامنے ہے۔''

سپاہی کی اس بات نے راقم الحروف کے ذہن پر جمی ہوئی ساری گرد جھاڑ پونچھ کر

Marfat.com

صاف کر دی اور اس بات پر ایمان پختہ ہوگیا کہ وہ وعدے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ساتھ فرمائے آج بھی قائم اور جاری ہیں۔ اور یہ وعدے پورے ہوں گے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ ہم سنت رسول ﷺ کے مطابق:

① علّت و معلول کے اس عالم کو جسے ہم مادی دنیا کا نام دیتے ہیں حقیقی سمجھیں اور اس کی ہر باریک سے باریک اور خفی سے خفی ضرورت کو پورا کریں یعنی ہر ممکن تدبیر سے کام لیں اور ہر ممکن واقعہ کے لیے تیار رہیں۔ اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے لڑیں اور پیٹھ نہ پھیریں۔ اگر مر گئے تو شہید ہیں، زندہ رہے تو غازی۔

② اسی ایقان و ایمان کے ساتھ اس بات پر بھی پختہ یقین رکھیں کہ اخلاقی اور روحانی دنیا میں بھی اتنی ہی حقیقی ہے جتنی یہ مادّی دنیا۔ اس کی بھی بڑی باریک، نازک اور خفی ضرورتیں ہیں۔ قرآن حکیم اور اسوۂ رسول ﷺ میں اس کا پورا چارٹ موجود ہے۔ ان ضرورتوں کی تکمیل بھی اسی ژرف نگاہی اور باریک بینی کے ساتھ ہونی چاہیئے جس سے مادی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

اگر ہم انسانی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھنے میں کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی وہ نصرتیں جو جنگ بدر میں ہمیں حاصل ہوئی تھیں اور جن کا اعادہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں بار بار اور بالشکرا ہوا ہمیں ہمیشہ حاصل رہیں گی۔

لشکرِ کفار میں جنگ کی تیاری:۔

صبح کے وقت قریش کا لشکر اس ٹیلے پر سے اترا جو ان کے پڑاؤ اور بدر کے درمیان واقعہ تھا۔ اس ٹیلے کا نام العقنقل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں اترتا دیکھا تو فرمایا:

"اے اللہ! یہ قریش ہیں یہ اپنے فخر و غرور کے ساتھ آ گئے ہیں۔ تیری مخالفت کرتے اور تیرے رسول ﷺ کو جھٹلاتے ہیں۔ یا اللہ! تیری اس مدد کا طالب ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ یا اللہ.....! آج صبح انہیں ہلاک کر دے۔"

Marfat.com

اور قریش کے غرور کا یہ عالم تھا کہ راستے میں ایک قبیلے کے سردار نے انہیں کچھ اونٹ بھیجے اور اس کے ساتھ یہ پیغام بھی بھیجا کہ اگر ہتھیاروں اور آدمیوں کی مدد کی ضرورت ہوئی تو اس سے بھی انکار نہیں کیا جائے گا۔ قریش نے جواب میں کہلا بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں کمزور نہیں ہیں۔ اور:

''اگر ہم اللہ سے جنگ کر رہے ہیں جیسا کہ محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے تو اللہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تو کسی میں بھی سکت نہیں۔''

ابوجہل نے جنگ شروع ہونے سے پہلے دُعا کی:

''یا اللہ ہم میں سے جو شخص رشتوں کا زیادہ توڑنے والا ہے اور ہمارے آگے ایک غیر معروف بات پیش کر رہا ہے۔ اسے آج صبح ہلاک کر دے۔ وہ خود اپنی بربادی کا دروازہ آپ کھولنے والا تھا۔''

جنگ:-

آنحضرت ﷺ کے حکم کے بغیر حملہ کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے لشکرِ اسلام اس وقت تک صبر و استقلال سے کھڑا رہا۔ جب تک حکم نہیں دیا گیا۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس وقت حکم قتال نہیں فرمایا جب تک کہ قریش کی طرف سے پہل نہیں ہوگئی۔

اس کی تفصیلات بڑی دلچسپ ہیں لیکن موجودہ سطور ان کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ مختصر یہ ہے کہ عرب کے عام دستور کے مطابق پہلے قریش نے اپنے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو ایک کے ساتھ ایک کی جنگ پر للکارا اور واصل جہنم ہوئے۔ اس کے بعد عام جنگ ہوئی جس کا نام گھمسان شام تک جاری رہا اس جنگ میں دونوں طرف سے اس بہادری اور مردان جرأت کی مثالیں بہم پہنچائی گئیں جو عربوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ دونوں گروہوں کی لڑائی میں فرق یہ تھا کہ ایک طرف ایک مقصد کے تحت سرفروشی کی تمنا کی جارہی تھی۔ یہاں خدا کے دین کو بچانے کے لیے خدا کے حضور خدا کی دی ہوئی جان قربان کی جارہی تھی۔ دوسری

Marfat.com

طرف ایک حمق ایک جہل تھا جو پوری فضا کو محیط تھا۔ لوگ اس چھوٹی سی جماعت...... اس چھوٹے سے ملک کو...... جو خدا کی وحدت اور اخلاقی اقدار کی ترویج و اشاعت کے مرکز کے طور پر قائم ہوا تھا مٹانے کی آرزو میں حملہ آور ہو رہے تھے۔ کچھ ایسے تھے جو صرف ابن الحضرمی کے خون کا بدلہ چکانے کے جوش میں تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو زبردستی لائے گئے تھے اور جن کے متعلق مسلمانوں کو ہدایت تھی کہ اگر انہیں پاؤ تو قتل نہ کرنا بلکہ انہیں گرفتار کر لینا۔ ان میں سے خاندان عبد مناف کے لوگوں کا خاص طور پر نام بھی لے دیا گیا تھا۔ یہ ہجوم اس کوہ عزم و ثبات سے ٹکرایا اور جب جنگ کے بادل چھٹ گئے تو معلوم ہوا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے ۱۴ اصحاب نے شہادت پائی جن میں سے ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ قریشیوں کی طرف سے تقریباً ستر آدمی مارے گئے جن میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس جنگ کے بنیادی لوگ تھے۔ مثلاً ابوجہل، شیبہ، عتبہ، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج۔ یہ قریش کے بڑے بڑے رئیس اور اس کی تجارتی اور معاشرتی قوت کے بڑے بڑے ستون تھے اتنے ہی لوگ گرفتار ہوئے۔

Marfat.com

باب: ۶

دوسری جنگ کی تیاریاں

ہر جنگ اپنے ساتھ بے شمار مسائل لے کر آتی ہیں۔ بے شمار نئے تجربات ہوتے ہیں اور حکومتوں کو ان کی روشنی میں اپنی بعض پالیسیوں میں تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔ بعض ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں جو اس سے پہلے موجود نہ تھے اس لیے ان کو سلجھانے اور ان سے نبرد آزما ہونے کے قوانین کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی جنگ کے بعد نئے قوانین کی ضرورت ہوتی ہے اور انہیں بنایا اور رائج کیا جاتا ہے۔

مدینہ کی اسلامی ریاست بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھی اس پر پہلی بار حملہ ہوا تھا اور اس نے پہلی دفاعی جنگ لڑی تھی۔ اس لیے اس کے لشکریوں نے ان روایات پر عمل کیا جو ان کے معاشرے کا صدیوں سے معمول چلی آتی تھیں۔ لیکن جو اسلام کے نئے ضابطۂ اخلاق کے لیے قابلِ قبول نہ تھیں۔ اس لیے نئی قانونی ضرورتیں پیدا ہوئیں اور یہ ضرورتیں پوری کی گئیں ان کو پورا کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ اس وقت تک قرآن حکیم کی جتنی آیات نازل ہو چکی تھیں ان کے اصول وضوابط کے دائرے کے اندر رہ کر شارحِ اسلام ﷺ نے کچھ احکام جاری کر دیئے اور اصول طے فرما دیئے کچھ ایسے مسائل بھی تھے جن کے متعلق کوئی قطعی اور واضح ہدایت قرآن میں موجود نہ تھی۔ ان کے متعلق اس نئے طریق فکر اور طریق زندگی کے حاکم مطلق اور مقننِ اکبر یعنی خود خدائے ارض وسما نے نئی ہدایات جاری فرمائیں اور نئی آیات نازل ہوئیں۔

چنانچہ جنگ بدر کے بعد سورۂ انفال نازل ہوئی جس میں مالِ غنیمت کے متعلق قطعی احکام نازل ہوئے۔ اطاعتِ امیر کی مزید تاکید کی گئی اور جنگ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین

Marfat.com

کی گئی لیکن متعدد ایسے مسائل ہیں جو مل کر اسلام کے قانونِ جنگ و صلح کا نام پاتے ہیں۔
جنگ بدر کے بعد مسلمانوں کو چھ اور بڑی جنگیں لڑنی پڑیں اور موقع بموقع اسلام کے آئین کی مختلف دفعات نازل ہوتی رہیں اور اس سے قوانین کا استخراج ہوتا رہا۔ اس لیے جنگ بدر کے فوراً بعد صلح و جنگ کے متعلق اسلامی قوانین کو یک جا کر دینا قبل از وقت ہوگا اور ان قوانین کی اہمیت بھی واضح طور پر ذہن نشین نہیں ہو سکے گی اس لیے اس سے قبل بقیہ جنگوں کے ان حالات کا مختصر بیان مناسب معلوم ہوتا ہے جو ان قوانین کو ذہن نشین کرانے میں مؤید ہو سکیں۔

قریش کا جوشِ انتقام:۔

جیسا کہ واضح ہو چکا ہوگا۔ ابوجہل اور اس کے عصر بڑے قریشی سرداروں نے ہادی اسلام ﷺ کی وفات سے دنیا کو محروم کر کے اسلام کا قلع قمع کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے تجارتی قافلے کی حفاظت اور اس کے بعد عمرو بن الحضرمی کی موت کے واقع کو بہانہ بنا کر لشکرِ اسلام پر حملہ کیا تھا۔ اس حملے کا اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا سکا۔ کہ قریش کے جتنے بڑے سردار تھے ان میں سے اکثر مارے گئے۔ ان کے علاوہ قریش کے اکثر گھرانوں کے سربراہ اور جوان کام آئے۔ گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ ہر گھر سے انتقام کی آوازیں اٹھنے لگیں۔ جنگ بدر کے لیے عمرو بن الحضرمی کا بہانہ بنا تھا۔ اب تقریباً ستر سروں کا بدلہ لینے کا مقصد وجود میں آگیا۔

بڑے بڑے سرداروں کے مر جانے کے بعد جنگ کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ آئی جو اسلام دشمنی میں اپنے پیش زوروں سے کسی طور کم نہ تھے۔ اس کے علاوہ یہ بنو عبد شمس سے تعلق رکھتے تھے اور یہ گھرانہ آنحضرت ﷺ کے گھرانے کا پرانا حریف تھا۔ آنحضرت ﷺ کے جد امجد جناب ہاشم اور ابوسفیان کے بزرگ امیہ کے درمیان برتری کی جنگ شروع ہوگئی تھی جو جناب عبدالمطلب کی عظیم شخصیت تک بنو امیہ کی ناکامی کی صورت میں قائم رہی۔ اور بنو عبد شمس، بنو ہاشم پر برتری حاصل نہ کر سکے۔ جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد بنو عبد مناف

Marfat.com

میں کوئی اتنی بڑی شخصیت نہ تھی اس لیے برتری اور بزرگی کا تاج حرب بن امیہ کے سر پر رکھا گیا جو ابوسفیان کے والد تھے۔ اس خاندان کی اس فتح پر ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے یعنی خاندان کی خواہش عزوجاہ ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے نبوت کا دعویٰ فرمایا۔ بنو شمس کے اکثر افراد نے اس دعویٰ میں اپنی سیاسی پسپائی کی جھلک دیکھی اور اسلام دشمنی ان میں سے اکثر کا دین وایمان قرار پائی۔ کچھ ایسے صالح اور نیک نہاد بزرگ ان میں بھی تھے جنہوں نے اسلام کو گروہی سیاست سے بلند ہو کر دیکھا اور اس کی عالمگیر سچائیوں کو قبول کرنے میں مطلقاً ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نامِ نامی اس فہرست کا طغرا ہے لیکن مجموعی طور پر اس خانوادے نے اسلام کو اپنی گروہی سیاست کی عینک سے دیکھا اور مدتوں تک اپنے آپ کو اس سے محروم رکھا۔ ابوسفیان اسی ذاتی عداوت کو مکہ کی عمومی عداوت میں ضم کر کے مکہ کے سردارِ جنگ بنے اور ان کا پہلا فرض یہ قرار پایا کہ وہ مکہ کے تقریباً ستر افراد کا بدلہ مدینے والوں سے لیں۔

ابوسفیان کی تیاریاں:-

چنانچہ بدر سے واپس ہوتے ہی جب مقتولین کی کثرت نے مکہ کے گھر میں صفِ ماتم بچھا دی تو ابوسفیان نے رئیس جنگ کی حیثیت سے مقتولین پر ماتم کرنے اور واویلا کرنے کو سرکاری طور پر منع کر دیا۔ اپنے اس حکم کو مؤثر بنانے اور مکی عوام کے جذبات کو آہِ بکا سے ہٹا کر انتقام پر مرکوز کر دینے کے لیے اہالیانِ مکہ کے سامنے قسم کھائی کہ جب تک وہ مقتولین کا انتقام نہیں لے لیں گے اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالیں گے اور نہ ہی غسلِ جنابت کریں گے۔ ظاہر ہے اس قسم کی وجہ سے ابوسفیان مکہ کے معاشرتی حلقوں میں مکی انتقام کے "سمبل" کی حیثیت اختیار کر گئے ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ کیا گیا کہ مکہ کے تجارتی قافلوں کا تمام منافع مصارفِ جنگ کے لیے وقف کر دیا جائے مکہ کو بدر میں یہ تجربہ ہو گیا تھا کہ مدینہ کی ریاست ایک ہزار کے لشکر پر بھاری ہے۔ اس لیے لشکر کی تعداد اور اس کے لیے ساز وسامان میں اضافہ ضروری تھا اور اس کے لیے وسیع تر ذرائع کی تلاش ناگزیر تھی۔

Marfat.com

بدر سے دو ماہ کے بعد ابوسفیان دوشتر سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ کے نواح میں داخل ہوئے۔ قدیم مؤرخین اسے ابوسفیان کا حملہ قرار دیتے ہیں اور یہ قیاس کرتے ہیں کہ ابوسفیان نے صرف اپنی قسم سے گلو خلاصی کرانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا لیکن اس حملے کی تفصیلات سے جنگی اہمیت کے بعض دوسرے پہلو بھی نمایاں ہوتے ہیں جن کو نوٹ کر لینا مفید ہوگا۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان نے دوسوشتر سواروں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا اور بیرونِ مدینہ کے ایک باغ میں دو مسلمان کاشت کاروں کو قتل کر دیا اور بھس کے ایک ڈھیر میں آگ لگا دی۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ چند جاں بازوں کو ساتھ لے کر بہ نفیس نفیس تعاقب میں نکلے۔ ابوسفیان یہ خبر سنتے ہی بھاگے۔ ان کے پاس ستوؤں کے چند تھیلے تھے۔ جو غیر ضروری بوجھ محسوس ہوئے ہونگے ابوسفیان نے ا نہیں راستے میں پھینک دیا۔ یہ ستو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی زبان میں ستوؤں کو سویق کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے قدیم علمائے مغازی نے اس واقعہ کو غزوۂ سویق کے نام سے یاد کیا ہے۔

لیکن ابوسفیان نے اس سفر کے دوران ایک کام اور بھی کیا جس کا نوٹس میجر جنرل محمد اکبر خاں نے اپنے مخصوص اسلوب میں لیا ہے اور اسے جنگی اہمیت کا سفارتی دَورہ قرار دیا ہے۔ بعض وجوہ سے جنرل موصوف کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

قدیم خدام سیرت ہمیں بتاتے ہیں کہ ابوسفیان نے اپنی آمد کے فوراً بعد مدینے کے کسی حصے پر براہِ راست کوئی حملہ نہیں کیا۔ بلکہ وہ سب سے پہلے خطیہ طور پر سر برآوردہ یہودی قبائل کی بستیوں میں آئے۔ بقول ابن ہشام سب سے پہلے وہ بنوالنضیر کی بستی میں آئے اور طاقتور یہودی قبیلے کے سربراہ حی بن اخطب سے ملنا چاہا لیکن حی بن اخطب نے ''اپنے گھر کا دروازہ اس پر نہیں کھولا''۔ اس کے بعد وہ اسی قبیلے کے دوسرے سردار اور خزانچی سلام بن مشکم کے گھر پہنچے جس نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور خاطر تواضع کی۔ ابن ہشام

Marfat.com

کے الفاظ میں ''لوگوں کے رازوں'' کے متعلق بھی ضروری اطلاعات بہم پہنچائیں۔ ابوسفیان راتوں رات اپنے ٹھکانے کو لوٹ گئے جو مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور ثبت کے پہاڑ پر تھا۔

ابوسفیان نے سلام بن مشکم سے کیا راز سنے۔ تاریخ ان کی تفصیلات کے متعلق خاموش ہے لیکن اس کے بعد جو واقعات رونما ہوئے وہ توجہ طلب ہیں۔ سب سے پہلے کعب بن اشرف کا واقعہ ہے۔ ابن ہشام کے مطابق ''کعب کی ماں بنی نضیر میں سے تھی۔ اور کعب ابوسفیان کے جانے کے چند ہی دن بعد مدینہ سے مکہ پہنچا اور بدر میں قتل ہونے والے قریشیوں کے دردانگیز مرثیے جگہ جگہ سناتا اور اس طرح مسلمانوں کے خلاف مکہ کے جذبات کو جو پہلے ہی بھڑکے ہوئے تھے اور زیادہ دہکاتا رہا۔ اسی طرح مدنی یہودیوں کا ایک طاقتور خاندان بنی قینقاع ہے۔ جس سے جنگ احد سے پہلے نپٹنا ضروری سمجھا گیا۔ ایک اور شخص ابن سنینہ سے جو یہود کے تاجروں میں سے تھا۔ اس کے شر سے محفوظ ہونے کی ضرورت بھی اس غزوے سے پہلے محسوس کی گئی۔ ان کی کچھ تفصیلات آگے آئیں گی۔ یہاں یہی کہنا کافی ہے کہ ان واقعات کی موجودگی میں یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر اور یہود کے ساتھ رابطہ قائم کر کے اس مسئلے کی ابتدا کر دی جسے اسلام کے دورِ اول کی تاریخ میں یہود مدینہ کا مسئلہ کہا جاتا ہے اور جس کا حل غزوۂ خیبر سے پہلے نہ ہو سکا۔

یہودیوں کے علاوہ ایک اور گروہ جو آگے چل کر بے حد اہم ہو جاتا ہے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کا گروہ ہے۔ تاریخ اس بات میں ہماری کوئی راہبری نہیں کرتی کہ اس موقعہ پر عبداللہ بن ابی اور ابوسفیان میں کوئی ملاقات ہوئی یا نہیں لیکن ان دونوں کے تعلقات دیرینہ تھے چنانچہ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے نزولِ اجلال کے فوراً بعد قریش مکہ کی طرف سے پہلا تنبیہی مراسلہ جو مدینہ میں موصول ہوا وہ عبداللہ بن ابی ہی کے نام تھا۔ جنگِ بدر کے بعد عبداللہ بن ابی بظاہر مسلمان ہو گیا۔ اور اس طرح اسے آنحضرت ﷺ کے قرب میں آنے اور مسلمانوں کے بیش از بیش راز جاننے کے مواقع ملنے لگے۔ ابوسفیان جیسے ذہین شخص سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیئے کہ انہوں نے اس موقعہ کو کھو دیا ہوگا۔ آنے والے واقعات میں

Marfat.com

عبداللہ بن ابی کے کردار کا مفہوم اس امکان کو قبول کیے بغیر متعین نہیں ہوتا۔

غرض یہ کہ اس خیال و قیاس کے مطابق ابوسفیان کا سفارتی سفر دو پہلوؤں سے خاص طور پر کامیاب ہوا۔

اولاً وہ مدینہ کی اسلامی ریاست میں آنحضرت ﷺ اور یہود مدینہ کے درمیان عہد نامے کی موجودگی کے باوجود یہود کو توڑنے اور انہیں ریاست کے اندر گڑ بڑ پھیلانے پر اکسانے میں کامیاب ہوئے اور۔

دوم نام نہاد مسلمانوں میں ایک گروہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے جو ریاست کے اہم راز فاش کرنے اور اہم مواقع پر سبوتاژ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں میں منافق کے نام سے مردود قرار پایا۔ قرآنِ حکیم نے بعض مواقع پر اس گروہ کی مذمت میں کفار اور مشرکین کی مذمت سے بھی زیادہ شدید انداز اختیار کیا ہے۔

اس موقعہ پر یہ سوال بار بار ذہن میں ابھرتا ہے کہ مغربی ممالک نے کئی صدیوں کے بعد دنیائے اسلام کے متعلق جو پالیسی اختیار کی کیا اس کے اولین پیش رو ابوسفیان نہ تھے اور کیا اس دورِ تنزل کے مسلمان اگر قرآن اور اسوۂ رسول ﷺ کو وہ محدود معنی نہ دیتے جو اس دور میں مسلمانانِ عالم کا توجہ طلب شیوہ رہا تو کیا آنحضرت ﷺ کا وہ اُسوہ جو ابوسفیان کے اس عملی کے ردِّعمل کے طور پر ظاہر ہوا اور قرآن کی وہ آیات جن میں ابوسفیان کے پیدا کردہ گروہ کی مذمت کی گئی۔ مسلمانانِ عالم کے لیے مشعلِ راہ بنتا؟

راقم الحروف کے ناقص خیال میں آنے والی سطور کا مطالعہ اگر اس نقطۂ نظر سے کیا جائے تو زیادہ دلچسپ بھی ہوگا اور مفید بھی۔

تجارتی ناکہ بندی:-

آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرماتے ہی پہلے دفاعی حربے کے طور پر تجارتی راستوں کی ناکہ بندی شروع کر دی تھی۔ شام اور عراق سے نجد اور یمن کو جانے

Marfat.com

والے اہم راستوں پر بدر ایک اہم پڑاؤ تھا اور اس پر قریشِ مکہ کی شکست نے اس راستے کو ان کے لیے خطرناک بنا دیا تھا اس لیے ساحل کے ساتھ چلنے والے راستہ کو زیادہ محفوظ سمجھا جانے لگا تھا۔ مدینہ میں جب مکہ کے جنگی جنون کی خبریں پہنچیں اور یہ معلوم ہوا کہ کاروانِ تجارت سے حاصل ہونے والے فائدے کو مصارفِ جنگ کے لیے وقف کیا گیا ہے تو تجارتی راستوں کی ناکہ بندی کے لیے سرگرمیاں تیز تر کر دی گئیں۔

ابنِ ہشام فرماتے ہیں: غزوۂ سویق کے بعد آنحضرت ﷺ نے ذی الحجہ کے باقی دنوں میں مدینے میں قیام فرمایا اور اس کے بعد ''غطفان کے لیے'' نجد کا ارادہ فرمایا۔ سفر کا پورا مہینہ یا اس کے قریب آپؐ نجد ہی میں رہے۔ پھر مدینہ واپس تشریف لائے اور کوئی جھڑپ نہیں ہوئی۔ ابنِ ہشام میں ''غطفان کے لیے'' کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

میجر جنرل محمد اکبر خاں حوالہ دیے بغیر فرماتے ہیں کہ:

> ''بنی غطفان نے بھی شرارت پھیلانے کی کوشش کی مگر آنحضرت (ﷺ) کے پہنچتے ہی صلح کر کے خاموش ہو گئے۔''

ان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس سفر اور نجد میں حضور ﷺ کے قیام کا مقصد تجارتی ناکہ بندی تھا۔ تاہم نجد اس تجارتی شاہراہ کا آخری پڑاؤ ہے جو شام اور عراق سے شروع ہوتی تھی اور مدینہ سے ہوتی ہوئی مکہ میں سے گزر کر خلیج فارس کی تجارتی بندرگاہ کو شام اور عراق سے ملاتی ہے۔ اور ایشیاء اور یورپ کے تجارتی رشتے استوار کرتی تھی۔ اس سفر کو قدیم خادمانِ سیرت غزوۂ ذی امر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں نجد کے ایک دوسرے نواحی قبیلے بنو ثعلبہ کی ایک اور شرارت کا ذکر بھی تفصیل سے کرتے اور بتاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس قبیلہ پر ساڑھے چار سو مجاہدین کے ساتھ اچانک حملہ کر دیا اسے مغلوب کیا اور اس کا سردار عشور بظاہر مسلمان ہو گیا۔ لیکن بدر اور احد کے غزوات کے درمیانی عرصے میں اس کا کوئی ذکر ابنِ عشام میں مجھے نہیں ملا۔ ابنِ ہشام کی سیرت النبی (ﷺ) مغازی کے باب میں اولیں مستند ماخذ ہے۔ جس سے بعد میں آنے والوں سے

Marfat.com

زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا ہے:

البتہ سریہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا وہ واضح واقعہ ہے جسے تجارتی ناکہ بندی [1] کی پالیسی کے واضح ثبوت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ حضرت زید بن حارثہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ آنحضرت ﷺ کے حکم سے قریش کے ایک تجارتی قافلے پر حملہ آور ہوئے جو خود ابوسفیان کی قیادت میں بہت سی چاندی لے کر شام کو جارہا تھا۔ قافلے کے محافظ اس حملے سے بدحواس ہوکر بھاگ گئے۔ یہ بات اہم ہے کہ اس واقعہ کے وقت علاقے کے نواحی قبائل میں سے کسی نے قریش کی مدد نہیں کی۔ اس میں چاندی کی خاصی بڑی مقدار مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اسی طرح ابن ہشام، غزوۂ ذی امر کے بعد غزوۂ بحران کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قریش کے مقابلہ کے ارادے سے نکلے اور بحران تک پہنچے۔" بحران "ضلع الفرع میں حجاز کی ایک کان ہے۔" سیرت ابن ہشام کے مترجمین مشہور عرب جغرافیہ نویس یاقوت کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ یہ علاقہ مدینہ منورہ سے ایک سو میل کے فاصلے پر ہوگا اور بڑا سرسبز علاقہ ہے۔ کوئی مقابلہ نہیں ہوا۔

تجارتی ناکہ بندی کا سب سے واضح بیان ان اشعار میں موجود ہے جو ابنِ ہشام نے صحابیٔ رسول (ﷺ) حضرت حسان بن ثابت سے منسوب کیے ہیں۔

اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"شام کی چھوٹی نہروں کو چھوڑ دو کہ ان کے (اور تمہارے) درمیان ایسی تیز تلواریں حائل ہوگئی ہیں جو پیلو کے درخت کھانے والی حاملہ اونٹنیوں کے منہ کی طرح (خوفناک) ہیں۔

مذکورہ تلواریں ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور حقیقی مدد کرنے والے کی طرف ہجرت کی ہے اور فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

---

[1] یہاں یہ موازانہ شاید دلچسپی کا موجب ہو کہ مشرق پر اور خصوصاً عالم اسلام پر یورپ کی بالادستی کا آغاز اس طرح ہوا کہ مغربی اقوام نے بحری راستے دریافت کر لیے جن کی مکمل اور مؤثر حفاظت نہ ہوسکی۔

Marfat.com

بطن عالج کے نشیب کوئی قافلہ چلے تو اس سے کہہ دینا کہ ادھر راستہ نہیں۔''

سبوتاژ کرنے والوں کی سرکوبی:-

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ابوسفیان کے سفارتی دورے کا پہلا اثر یہ تھا کہ مدینہ کا ایک شخص کعب بن اشرف جو باپ کی طرف سے قبیلہ طے کی شاخ نبہان سے تھا لیکن جس کا ننہال یہودیوں کا خاندان بنونضیر تھا، مدینہ سے نکلا اور مکہ اور اس کے نواح کے قبائل کو اسلام کے خلاف آمادہ جنگ کرتا رہا۔ مکہ سے فارغ ہونے کے بعد کعب مدینہ میں واپس آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے مسلم خواتین کے متعلق اشعار کہنے شروع کیے۔ اور ان پردہ نشینوں کو رسوا کرنے کی مکروہ سازش شروع کی۔ اس طرح مدینہ کی تمام بستیوں میں اسلام کے خلاف ایک ذہنی فضا قائم ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ نے اس فتنے کو ختم کرنے کے لیے متعدد اقدامات فرمائے۔ ان اقدامات کی تاریخیں متعین کرنا ممکن نہیں۔ یہ واقعات تجارتی ناکہ بندی کے اقدامات میں پیوست ہیں اور اسی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں۔

کعب بن اشرف کے استیصال کے لیے قبیلہ اوس کی ایک شاخ بنی عبدالاشہل کے ایک نوجوان صحابی حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو پیش کیا اور اپنے ہی خاندان کے چار دوسرے نوجوانوں کے ساتھ مل کر کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔ قتل کے اس واقعہ کا ایک اہم کردار حضرت ملکان رضی اللہ عنہ بن سلامہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ شاعر بھی تھے اور کعب بن اشرف کے دودھ بھائی بھی تھے۔ رضاعت کا رشتہ عرب کے معاشرے میں بڑی اہمیت رکھتا تھا لیکن اسلام کے مقابلے میں خون کے رشتے ہیچ ہو چکے تھے۔ رضاعت کا رشتہ تو پھر دوسرے درجے پر آتا تھا۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں اس واقعہ کو بجا طور پر اسلام میں گوریلا جنگ کی ابتدا کا نام دیتے ہیں۔ اور گوریلا ◆ دستوں کے قیام کو ہر اس قوم کے لیے ضروری

◆ جنگ ہو یا صلح ایک عمومی نفسیاتی اصول یہ ہے کہ دشمن اپنی مدمقابل قوم یا جماعت کے اسی حربے کو بطور خاص طعن و تشنیع، جرح قدح اور تنقید و تنقیص کا نشانہ بنائے گا جو اس کے لیے خطرناک ثابت ہو چکا ہو یا ہو رہا ہو۔ مغرب کے مستشرقین اور مؤرخوں نے اسلام اور ہادیٔ باقی اگلے صفحہ پر

Marfat.com

قرار دیتے ہیں جو کسی دوسری جنگ پسند قوم کی ہمسایہ ہو۔

ایک اور انصاری حضرت محیصہ بن مسعود مجاہدوں کی اسی جماعت کے رکن ہیں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے ایک یہوذی تاجر سنینہ کو قتل کر دیا۔ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کے خاندان سے اس تاجر کے پرانے تعلقات تھے۔ ان کے بڑے بھائی حویصہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے بڑے خفا ہوئے اور زدوکوب پر اُتر آئے۔ مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

''اللہ کی قسم اس کے مال سے کچھ نہ کچھ تیرے پیٹ میں بھی چربی پیدا ہوئی ہوگی۔''

حضرت محیصہ نے جواب دیا:

''واللہ! اس کے قتل کا حکم مجھے ایسی ذات نے فرمایا ہے کہ اگر وہ مجھے تیرے قتل کا بھی حکم دے تو تیری گردن بھی مار دوں۔''

عرب معاشرے میں اس جواب کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ حویصہ بڑے پریشان ہوئے اور بالآخر اسلام کی طرف مڑ گئے۔

یہ انفرادی شرپسندوں سے عہدہ برآ ہونے کے واقعات ہیں۔ ایک اجتماعی واقعہ بھی ہوا جسے غزوۂ بنی قینقاع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کی تفصیلات یہ ہیں کہ ایک مسلمان خاتون ایک سنار کی دکان پر بیٹھی تھیں جو بنی قینقاع میں سے تھا چند اوباش یہودیوں نے اس خاتون کا نقاب الٹ دیا جس پر اس خاتون نے دہائی دی لوگ جمع ہوئے اور ایک مسلمان نے یہودی سنار کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ پر سارے علاقے میں کشیدگی پیدا ہوگئی اور یہودی مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کو سمجھایا، بجھایا اور عہد کی پابندی

بقیہ حاشیہ اسلام پر جو اعتراضات کیے ہیں اور کر رہے ہیں ان سب کو اسی کسوٹی پر پرکھ لینا چاہیئے اور خواہ مخواہ عذر خواہی اور جواب دہی کی پوزیشن اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے لائقِ عمل ہے اس کے لیے ہمیں کسی اعتذار کی ضرورت کیوں محسوس ہو۔

Marfat.com

کرنے کی تلقین فرمائی لیکن اس کا الٹا اثر ہوا اور یہودی آمادۂ جنگ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ یوم تک جاری رہا۔ بالآخر شرپسندوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے آپ کو مرکزی قوتِ حاکمہ کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مومن اور منافق کا فرق:۔

قانونی ریاست کی طرف سے اس سرتاسر انتظامی اقدام نے جسے آج کی زبان میں پولیس ایکشن کہا جائے گا۔ دو گروہوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا اور آگے چل کر مدینے کی اسلامی ریاست ◆ کے بعض اہم واقعات اسی فرق کی بنیاد پر استوار ہوئے ایک گروہ وہ تھا جس کی مثال حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن الصامت نے پیش کی۔ یہ صحابی بنی عوف سے تعلق رکھتے تھے اور بنی عوف بنی قینقاع کے حلیف اور دوست تھے۔ جب بنی قینقاع نے آنحضرت ﷺ کی صلح کی کوشش کے باوجود لڑائی پر ہی آمادگی کا اظہار کیا تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن الصامت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عام اعلان کیا:

> ''یا رسول اللہ (ﷺ) میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں سے محبت کرتا ہوں۔ ان کفار کی دوستی اور ان کے حلیف ہونے سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔''

آئینی ریاست کے ساتھ غیر مشروط وفاداری کے سامنے دوستی اور رشتہ داری قطعی بے محل ہے۔ صحابہ کرام بار بار اسی بات کا اظہار فرما رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی بنی عوف ہی سے تھا اور بنی قینقاع کی دوستی کا اسے بھی دعویٰ تھا۔ ابنِ ہشام اس موقعہ پر اس کے متعلق یہ بولتا ہوا فقرہ لکھتے ہیں۔

◆ محولہ بالا عہد نامے کے مطابق مدینہ کی اسلامی ریاست دنیا کے ہر بین الاقوامی قانون کے مطابق آئینہ اور قانونی ریاست ہے اور اپنی نوع کی پہلی ریاست ہونے کی حیثیت سے دنیا کی موجودہ آئینی ریاستوں کی پیش رَو کہلانے کی مستحق ہے۔

Marfat.com

''جب بنی قینقاع نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو ان کے معاملے میں ◆ عبداللہ بن ابی بن سلول نے روک تھام کی۔''

جب جنگ یہود کی مکمل شکست پر ختم ہوئی تو عبداللہ بن ابی بن سلول اٹھا اور بولا۔

''اے محمد (ﷺ) میرے دوستوں سے نیک سلوک کیجئے، یہ لوگ بنی خزرج کے حلیف ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ کی اس بات کو قبول کرنے میں تاخیر فرمائی تو عبداللہ نے پھر کہا۔

''اے محمد (ﷺ) میرے دوستوں سے نیک سلوک کیجئے۔''

آنحضرت ﷺ نے روئے مبارک اس کی طرف سے پھیر لیا۔ یہ اظہارِ تکدر دیکھ کر عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ کی زرہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ آپ کو اس حرکت پر غصہ آیا۔ ابن ہشام کے لفظوں میں۔

''آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کو لوگوں نے سیاہی مائل ابر کی طرح دیکھا۔''

اسی عالم میں فرمایا:

''مجھے چھوڑ۔ تیرے لیے خرابی ہو۔ مجھے چھوڑ۔''

عبداللہ بن ابی نے جواب دیا۔

''نہیں بخدا میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ میرے دوستوں سے نیک سلوک کریں۔ انہوں نے چار سو بے زرہ آدمیوں اور تین سو سرخ و سیاہ زرہ پوشوں سے میری حفاظت کی ہے۔ کیا آپ انہیں ایک ہی دن میں کاٹ ڈالیں گے۔ بخدا میں آفاتِ زمانہ سے ڈرتا ہوں۔''

ان الفاظ کو بغور ملاحظہ فرمائیے۔ ذاتی مفاد پر مرکز کو قربان کرنے کی جو آرزو آپ کو ان

◆ ترجمہ مولانا عبدالجلیل صدیقی اور مولانا غلام رسول مہر

Marfat.com

الفاظ میں ملے گی وہ سیاست کی تاریخ میں شاذ نہیں ہے۔ ایسے لاتعداد سیاستدان ہیں جنہوں نے ذاتی مفاد پر مرکز کے مفاد کو قربان کیا۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے ایسی تمام دھمکیاں دیں جو عبداللہ بن ابی سلول دے رہا تھا لیکن وہ جس پر مرکز کی نگہبانی اور اس کے بقا و استحکام کی ذمہ داری تھی۔ اس کو قبول نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس طرف توجہ نہیں دی گئی۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن الصامت نے بھی سفارش کی۔ آنحضرت ﷺ کو ان پر اعتماد پیدا ہو چکا تھا۔ بنی قینقاع کا فیصلہ کرنے کا اختیار انہی کو دے دیا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ یہ پورا قبیلہ شہر بدر کر دیا جائے۔ اس طرح دوستوں کی جان بھی بچ گئی اور شتر و فساد کی وہ گھٹا جو ابوسفیان کے سفارتی دورے کے بعد مدینے کی شہری اور سیاسی زندگی کو مکدّر بنا کر دفاع کو کمزور کر رہی تھی چھٹ گئی۔

مومن اور منافق کا مرکزی نکتہ یہ ظاہر ہوا کہ مرکز کے ساتھ غیر مشروط اور بے داغ وفاداری ایمان کی شرطِ اول ہے اور مرکز کے مفاد کے مقابلے میں اپنے مفاد کو ترجیح دینا گمراہ ہو جانے اور منافق بن جانے کی پہلی منزل۔ اس سے آگے یہ فرق واضح سے واضح تر ہوتا چلا گیا۔ اور خود قرآنِ حکیم نے اسے متعدد آیات میں اپنے دل نشیں اسلوب میں بار بار ظاہر کیا۔

دونوں طرف کی تیاریوں کا فرق:۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دونوں طرف کی تیاریوں کا عمومی فرق ذہن نشین کر لیں۔ مکہ میں تجارتی قافلوں سے حاصل ہونے والے منافع کو جنگی اخراجات کے لیے وقف کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ بڑی سے بڑی فوج جمع کی جائے جو تقریباً ستر مقتولوں کے انتقام کے جوش میں اس تحریک کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے جس کو مٹانے کی تمنا ابوجہل، عتبہ اور دوسرے بڑے بڑے سردار دل ہی میں لے کر اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے تھے، اس مقصد کے حصول

Marfat.com

کے لیے مکہ کے نواح کے قبائل میں سفیر بھیجے گئے تا کہ راستہ ہموار کریں۔ شاعر قریہ قریہ گھومے اور اپنی آتش بیانی سے لوگوں میں جنگ کا جنون پیدا کر کے آئے ان میں سے عمرو جحمی اور مسافع کے نام تاریخ نے خاص طور پر محفوظ رکھے ہیں۔ ان کی خدمات روپے کے عوض خریدی گئی تھیں۔ کعب بن اشرف نے محض اسلام دشمنی کی بنا پر یہ خدمت انجام دی۔ اس تگ و دو کا فائدہ یہ ہوا کہ کنانہ اور تہامہ کے باشندے جو غزوۂ بدر میں غیر جانب دار رہے تھے۔ اب قریش کے لشکر کا جزو بن گئے۔ ایسے بے شمار لوگ جو براہِ راست اس لڑائی میں دلچسپی لینے کی کوئی وجہ نہ رکھتے تھے۔ خرید لیے گئے۔ ان میں سے جبیر کا غلام وحشی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے قاتل کی حیثیت سے تاریخ میں بڑا بدنام ہے۔ یہ شخص چھوٹا نیزہ (حربہ) چلانے کا بہت بڑا ماہر تھا۔ عتبہ کی بیٹی اور امیر لشکر ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آزادی کا وعدہ کر کے اسے لشکر میں شامل کیا تھا شرط یہ تھی کہ وحشی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے اور اس طرح اس کے باپ عتبہ کا انتقام پورا ہو جائے۔ اسی طرح کئی دوسرے نام تاریخوں میں مذکور ہیں۔ ان طریقوں اور کوششوں سے ایک سال میں تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار ہو گیا جس میں سات سو زرہ پوش اور دو سو اسپ سوار شامل تھے۔

اس کے مقابلے میں مرکز اسلام کی تیاریوں میں پہلی توجہ تجارتی ناکہ بندی پر کی گئی تا کہ مصارفِ جنگ جمع کرنے کی دشمن کی کوششوں کو زیادہ سے زیادہ محدود کیا جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان شورشوں کو فرو کیا گیا جنہیں ابوسفیان کی جنگی سفارت نے برپا کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ افرادی قوت میں بھی اضافہ ہوا۔ مرکزِ اسلام پہلی جنگ میں ۳۱۳ سرفروش پیش کر سکا تھا۔ امید تھی کہ اگر مکہ نے دوبارہ حملہ کیا تو لڑنے والوں کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہو گئی۔ پہلی جنگ میں ہزار کے مقابلے میں تین سو تیرہ تھے۔ یعنی ایک اور تین کی نسبت تھی۔ دوسری جنگ میں بھی اُمید کی جاتی تھی کہ یہ نسبت بہر حال قائم رہے گی۔

Marfat.com

باب ۷ :-

غزوۂ احد

مدینے کی ان مصروفیات میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا ایک تیز رفتار قاصد پہنچا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر کے بعد مشرف باسلام ہو کر مکہ واپس تشریف لے گئے تھے اور مکہ ہی میں مقیم تھے۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں انہیں باقاعدہ آنحضرت ﷺ کے پرچہ نویس ہونے کا اعزاز دیتے ہیں۔ آگے چل کر صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ دیکھیں گے کہ نواحِ مکہ کا ایک پورا قبیلہ مسلمان نہ ہونے کے باوجود یہ خدمت انجام دے رہا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں اطلاع دی تھی کہ مکہ کا ایک بہت بڑا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے مکہ سے چل پڑا ہے۔

کوئی تاریخ اس بات کی گواہی نہیں دیتی کہ اس خبر کی وجہ سے مدینہ میں کسی قسم کی کوئی دہشت، سراسیمگی یا پریشانی محسوس کی گئی ہو۔ ممکن ہے شروع شروع میں لوگوں سے اس خبر کو پوشیدہ رکھا گیا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے پانچویں شوال ۳ھ (۱۷ جنوری ۶۲۵ء) دو خبر رساں، جن کے نام انس و مونس تھے، خبریں لانے کے لیے آگے روانہ کیے۔ انہوں نے آکر اطلاع دی کہ مشرکین کا لشکر مدینے کے قریب آگیا ہے اور ان کے گھوڑے مدینہ کی ایک چراگاہ ”عریض“ میں چر رہے ہیں۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں کی تحقیق ہے کہ جب قریش کا لشکر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچا تو ”جانباز مسلم دستے جاسوسی کے لیے اس میں شامل ہو گئے۔“ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن منذر کو حکم دیا کہ جا کر لشکر کی تعداد اور قوت کا صحیح اندازہ کریں۔ دشمن کا لشکر تین یا چار میل سے زیادہ دور نہ تھا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ اپنے مشن سے جلد فارغ ہو کر لوٹے اور صحیح تخمینے کی اطلاع آنحضرت

Marfat.com

ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ چونکہ شہر پر حملے کا اندیشہ تھا اس لیے مناسک ناکوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما ہتھیار لے کر مسجد نبوی پر پہرہ دینے لگے۔

مشاورتی کونسل:۔

صبح کو آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ اس وقت تک لشکر کی آمد کی خبر عام ہو چکی تھی۔ صحابہ میں عجیب جوش و خروش کا عالم نظر آتا ہے۔ غزوۂ بدر میں کئی نوخیز صحابہ شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے راہِ حق میں قتال کرنے کا یہ دوسرا موقع عطا کیا تھا اس لیے یہ حضرات شہادت کا تاج اوڑھنے یا غازی کے لقب سے ملقب ہونے کے لیے بے قرار تھے۔ وہ بھی مجلسِ مشاورت میں شامل تھے اور اس بات پر اصرار کر رہے تھے کہ مدینے سے باہر نکل کر دادِ شجاعت دی جائے۔ بڑے بوڑھے اس مشورے سے متفق نہ تھے۔ ان کا مشورہ تھا کہ عورتوں اور بچوں کو محفوظ آطام [1] میں بھیج دیا جائے اور خود شہر کے اندر رہ کر لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی سلول اس وقت تک بظاہر مسلمان ہو چکا تھا۔ اس کی بھی یہی رائے تھی بلکہ وہ اس پر اصرار کر رہا تھا کہ نوخیزوں کی باتوں میں آ کر باہر نکل کر جنگ کرنے کا خطرہ مول نہ لیا جائے۔

ابنِ ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مرضی بھی یہی تھی اور آپ بزرگ صحابہ سے متفق تھے لیکن نوخیز صحابہ کے اصرار پر مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے پر تیار ہو گئے۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس پر یہ اضافہ

[1] آگے چل کر یہ لفظ آپ کئی بار پڑھیں گے۔ یہ پتھر کی بنی ہوئی مینار نما عمارت کا نام تھا۔ یہ ایک منزلہ اور دو منزلہ ہوتے تھے۔ زیادہ محفوظ اور کارآمد آطام تین منزلہ بھی ہوتے تھے۔ پتھر کے بنے ہوئے ہونے کی وجہ سے دشمن ان پر آسانی سے قابو نہیں پا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ بلند ہونے کی وجہ سے دشمن پر پتھر اور تیر وغیرہ چلانے میں بھی آسانی ہوتی تھی۔ اس کا واحد اطم ہے۔ مدینے کی ہر بستی میں دو دو تین تین آطام تھے۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں بتاتے ہیں کہ ایسی عمارتیں کوہاٹ اور پشاور کے درمیانی علاقوں میں بھی موجود ہیں۔

Marfat.com

کرتے ہیں کہ اس اصرار کی وجہ سے آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے۔ اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خلافِ مرضی نکلنے پر مجبور کیا۔ سب نے عرض کیا کہ ہم اپنی رائے سے باز آتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ:

''پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر لڑے بغیر اتار دے۔''

میجر جنرل محمد اکبر خاں اس رائے سے اختلاف فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ صرف نوخیز صحابہ کے اصرار پر اپنا ارادہ بدلنے پر تیار ہو گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''آنحضرت ﷺ نے اپنی رائے کسی پر ظاہر نہ فرمائی۔ البتہ جنگ کے لیے تیار ہو جانے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ ﷺ کے اس سکوت پر لوگوں کو کچھ حیرت ہوئی اور انہوں نے اپنے خیالات میں اس کا اظہار بھی کیا لیکن جلد ہی سب اس تردّد پر نادم ہوئے۔''

اگر آنحضرت ﷺ کی اس عادتِ شریفہ کو ذہن میں رکھا جائے جسے علماء توزیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تو میجر جنرل کا یہ خیال بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ آنے والے واقعات کی منطقی کڑیاں بھی اسی وقت مربوط ہوتی ہیں جب ہم یہ قبول کر کے چلیں کہ آنحضرت ﷺ نے سب کی رائے سنی لیکن اپنی رائے کا اظہار نہیں فرمایا اور صرف جنگ کی تیاری کرنے کا حکم صادر کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

میجر جنرل محمد اکبر خاں جنگ کے مختلف طریقوں کے تربیت یافتہ اور اس میدان کے مرد ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کو پرچہ نویسوں اور جاسوسوں کے ذریعہ دشمن کے جنگی منصوبوں کا علم ہو چکا تھا۔ مجلس مشاورت میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے جب مدینے کے اندر رہ کر جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔ اور اس پر اصرار کیا تو ان معلومات کی تصدیق ہو گئی اور آپ ﷺ نے ایک دانش مند اور اعلیٰ پائے کے فوجی جرنیل کی حیثیت سے دشمن کے منصوبے کو خاک میں ملانے کے لیے اس کے بالکل الٹ اقدام فرمایا اور مدینہ سے باہر نکل کر جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ ابن ہشام مجلس مشاورت میں آنحضرت ﷺ کی ایک تقریر

Marfat.com

نقل کرتے ہیں جس کا ایک فقرہ اس سلسلے میں خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ ابنِ ہشام کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اگر تمہاری رائے ہو کہ ہم لوگ مدینہ میں ٹھہریں اور قریش نے جہاں پڑاؤ ڈالا ہے وہیں انہیں رہنے دیا جائے تو یہ بات خود ان کے لیے ٹھیک نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے بہت غلط مقام پر پڑاؤ ڈالا ہے۔''

اگر ابنِ ہشام کی عبارت کا یہ ترجمہ درست ہے تو یہ سمجھنا مشکل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عظیم الشان فوجی جرنیل کی حیثیت سے جنگی نقطہ نظر سے دشمن کی اس غلطی سے فائدہ اٹھانے کو کیوں مناسب نہیں سمجھا ہوگا اور یہ رائے کیوں ہوگی کہ اس غلطی سے فائدہ اٹھائے بغیر مدینے کے اندر رہ کر حملے کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

یہ جمعہ کا دن تھا۔ مجاہدین نے پورے سکون و اطمینان کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی۔ اسی دن قبیلہ نجار کے ایک انصاری حضرت مالک رضی اللہ عنہ بن عمرو کا انتقال ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور لشکرِ اسلام نے مدینہ سے کوچ کیا۔

مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک بستی تھی جس کا نام شوط تھا۔ اب اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہاں پہنچ کر عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا:

''رسول اللہ (ﷺ) نے دوسروں کی بات مان لی اور میری نہ مانی، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس جگہ اپنے آپ کو موت کا لقمہ کیوں بنایا جائے۔''

عبداللہ کا یہ فقرہ کئی لوگوں پر چل گیا اور تین سو آدمی اس کے ساتھ واپس چلے گئے بعض لوگوں نے دشمن کے مقابلے میں اسلام کی دفاعی قوت کو اس طرح سبوتاژ کرنے سے عبداللہ کو باز رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد بنوسلمہ اور بنو حارثہ کے کچھ لوگ بھی متزلزل ہو گئے لیکن ساتھیوں کے سمجھانے بجھانے پر واپس جانے کے ارادے سے باز آ گئے۔

قرآنِ حکیم میں اس واقعہ کا اشارہ بایں الفاظ موجود ہے:

Marfat.com

إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○

''یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ❶ ہو گئے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر جو کچھ فرمایا۔ قرآن مجید اس کا ریکارڈ محفوظ کرتا ہے۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ○

یاد کرو ❷ جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے ''کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے۔''

عبداللہ بن ابی بن سلول کی منافقت کی وجہ سے لشکرِ اسلام جو پہلے ہی کفار کے تین ہزار کے مقابلے میں ایک ہزار تھا اور بھی گھٹ کر سات سو رہ گیا۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس قلت کا کوئی اثر آنحضرت ﷺ کے عنوم پر نظر نہیں آتا۔ جب شوط سے آگے بڑھے تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

''کون ہے جو ہمیں دشمن کے قریب ایسے راستے سے لے چلے جو اس کے سامنے سے نہ گزرتا ہو۔''

---

❶ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ کریں مسلمان۔''

❷ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ فرماتے ہیں: ''جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کافی نہیں کہ تمہاری مدد کو بھیجے۔ رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے۔''

اس آیت کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر کا ہے۔''

Marfat.com

بنو حارثہ کے ایک فرد حضرت خیثمہ نے اپنی خدمات پیش کیں اور لشکرِ اسلام اُن کی راہبری میں اس دشوار گزار پتھریلی زمین پر ہو کر چلا جو اونٹوں کے لیے ناقابلِ گزر سمجھی جاتی تھی آگے چل کر لشکر کو ایک باغ میں سے گزرنا پڑا جو مربع بن قیظی نامی ایک شخص کی ملک تھا۔ یہ آنکھوں سے اندھا تھا۔ اسے اسلام میں کوئی دلچسپی اور مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ ابنِ ہشام کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: کہ یہ آنکھوں کا بھی اندھا اور دل کا بھی اندھا ہے۔ یہ اپنی ذات میں بہت بڑی رکاوٹ تھی اور مشرکین کے سالارِ لشکر اس سے بے خبر نہیں سمجھے جا سکتے۔ اس لیے یہ قیاس غلط نہیں کہ یہ سالار اس طرف سے مطمئن ہوں گے اور یہ سمجھتے ہوں گے کہ لشکرِ اسلام اس راستے سے اُدھر نہیں آئے گا۔

یہی وہ جنگی منصوبہ تھا جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے توریہ فرمایا اور اس وقت تک اس کا اظہار نہیں فرمایا جب تک عبداللہ بن ابی بن سلول اور ان کے ساتھی مقام شوط تک آنے کے بعد واپس نہیں چلے گئے اور یہ اطمینان نہیں ہو گیا کہ لشکرِ اسلام میں دشمن کا کوئی جاسوس یعنی منافق نہیں ہے اور دشمن کو اس منصوبے کی خبر نہیں ہو سکے گی۔

لشکرِ اسلام نے تیزی سے حرکت کر کے دشمن کی توقعات کے خلاف عمل کیا اور دونوں متوقع رکاوٹوں پر قابو پا کر دشمن کو خبر ہونے سے پہلے جبل عینین پر قبضہ کر لیا۔ ابنِ ہشام کے لفظوں میں ''جبل عینین وادی سے پہاڑ کی جانب اونچائی میں واقعہ تھا۔ اس وقت [1] قریش اپنے اونٹ اور گھوڑے ضمغہ (احد کے نزدیک زمین کا ایک ٹکڑا) میں چرا رہے تھے جو وادیٔ قنات کا ایک حصہ ہے۔'' جبل احد لشکرِ اسلام کی پشت پر تھا اور اس پر سے بہ کر قریش تک جانے والے چشمے لشکرِ اسلام کی زد میں تھے۔

گویا اس منصوبے کے مطابق وہی بدر والی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ کفار کا لشکر نشیب میں تھا اور پانی کی رسد کے ذرائع مسلمانوں کی زد میں تھے۔ قریش بعض روایات کے مطابق مسلمانوں سے دو دن پہلے میدانِ جنگ میں پہنچے تھے۔ اس مسابقت کی وجہ سے وہ میدانِ

---

[1] راقم الحروف ان الفاظ کو دشمن کی بے خبری اور اطمینان کی تصویر سمجھتا ہے۔

Marfat.com

جنگِ اُحد
(فوجوں کے راستے)
تشریح کی علامات
آنحضرت کا راستہ
مشرکین کا راستہ
چھاؤنی
مسجد
وادی
جبل
لاوا
باغات
مکانات
قافلے کا راستہ
دشوار راستے

Marfat.com

جنگ کا بہترین مقام منتخب کر سکتے تھے۔ جو جنگی نقطۂ نظر سے اہم ہوتا لیکن کامل رازداری اور تیز اقدام و حرکت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے کفار کو اس سبقت سے حاصل ہو سکنے والے فائدے سے محروم کر دیا۔ جنگی نقطۂ نظر سے غزوۂ احد میں یہ کفار کی پہلی ناکامی تھی کہ میدانِ جنگ میں پہنچنے میں سبقت کرنے کے باوجود وہ اس سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکے۔ آنحضرت ﷺ نے اُسی کو غلط پڑاؤ قرار دیا ہوگا۔

مشرکین کی صف بندی:۔

مکہ کے لشکر نے اس دفعہ باقاعدہ صف بندی کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان نے بدر کی شکست سے یہ سبق ضرور سیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دینا اور اسلام کے استیصال کا مقصد حاصل کرنا اتنا آسان نہیں۔ جتنا اس کے پیش رو سمجھ رہے تھے۔ ابوسفیان کے ذہن میں اسلام ایک فوجی قوت بن چکا تھا۔ اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مکہ کے اس یقیناً بے حد ذہین اور نکتہ رس سیاست دان اور سپہ سالار نے وہ تمام کوششیں کیں جو اس زمانے کے حالات کے مطابق ہونی چاہیئے تھیں۔ اس کی سیاسی کوششوں کی جھلک اوپر گزر چکی ہے۔ میدانِ جنگ میں اس نے عربوں کی احمقانہ انفرادی بہادری کو ضابطے میں پابند اور فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے انہیں جنگی اہمیت کے نقطوں پر مستعد کر دیا۔ اسی عمل کو آج کی زبان میں فوجوں کو ''ڈیپلائے'' (DEPLOY) کرنا کہا جاتا ہے۔ فوج کا ایک دستہ جناب خالد بن ولید کی کمان میں تھا۔ دوسرا جناب عکرمہ بن ابوجہل کی نگرانی مین تھا۔ یہ دونوں حضرات اس وقت تک اسلام کی نعمت سے دور تھے۔ سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں دیا گیا جو قریش کا مشہور رئیس تھا تیر اندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔ دو سو گھوڑے تیار تھے، تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئیں۔ لشکر کی پوری نگرانی خود ابوسفیان کے سپرد تھی۔

Marfat.com

لشکرِ اسلام کی صف بندی:-

آنحضرت ﷺ نے گزشتہ شب تیز عمل و حرکت کے ذریعہ میدانِ جنگ میں جنگی اہمیت کے جس مقام پر قبضہ فرما لیا تھا اور اس طرح قریشی لشکر پر جنگی اہمیت کی بالادستی حاصل کر لی تھی اس کے مطابق اپنی فوج کی تنظیم کی۔ جبل احد کو پشت پر رکھا گیا تاکہ عقب سے حملہ ہونے کے امکانات معدوم ہو جائیں، اس میں ایک درّہ تھا اور یہی وہ کھلا مقام تھا جس کے ذریعہ لشکرِ اسلام کے عقب پر حملہ ممکن تھا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ۵۰ تیر اندازوں پر مشتمل ایک دستہ اس درہ کی حفاظت پر متعین کیا گیا اور انہیں تاکیدی حکم دیا گیا کہ جنگ کی صورت کچھ بھی ہو وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ ”حتیٰ کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ان (مسلمانوں) کا گوشت نوچ کر کھا رہے ہیں۔ تب بھی اپنی جگہ مت چھوڑنا۔ ہم برابر اس وقت تک غالب رہیں گے۔ جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے۔“ ہدایت دی گئی کہ اگر دشمن اس طرف ہجوم کرے تو تیروں سے مدافعت کریں۔ ایک رسالے کے افسر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام مقرر ہوئے۔ ابنِ کثیر بتاتے ہیں کہ ایک سو زرہ پوشوں کا رسالہ علیحدہ کر دیا گیا اور ان لوگوں کا ایک رسالے کی صورت میں ترتیب دیا گیا جو زرہ پوش نہ تھے۔ بے زرہ رسالے کی کمان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی، ان کی حفاظت کے لیے تیر انداز مقرر کیے گئے۔

جنگ:-

آنحضرت ﷺ کی مستقل ہدایت تھی کہ جب تک حکم نہ دیا جائے کوئی جنگی اقدام نہ ہو اور حکم اس وقت تک نہیں دیا گیا جب تک کفار کی طرف سے پہلے نہیں ہوئی۔ جنگ کی ابتداء عرب دستور کے مطابق مبازرت طلبی سے ہوئی اور بعض انتہائی ولولہ خیز اور دلچسپ واقعات میں سے گزرتی ہوئی عام جنگ میں تحلیل ہو گئی۔

اس دفعہ قریش کے ہمراہ مکہ کی کچھ معزز خواتین بھی آئی تھیں۔ مقصد جنگ میں حصہ لینے والوں کو غیرت کا جوش دلانا اور انہیں میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگنے سے باز رکھنا تھا۔ یہ

Marfat.com

خواتین دف بجاتی تھیں اور اشعار گا گا کر سپاہیوں کو بڑھا دے رہے تھیں۔ لشکریوں کے ذہن وفکر کو سمجھنے کے لیے ان میں سے ایک بند کا پڑھ لینا مفید ہوگا۔

نحن بنات طارق غشي على النمارق

ان تغلوا انعانق اوتدبرو انفارق

فواق غير وامق

''ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔ اگر لڑو گے تو سینے سے لگا لیں گی، اگر بھاگو گے تو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گی۔''

مکہ کا لشکر اس ذہن اور ان جذبات کے جوش و خروش میں آگے بڑھ کر ان لوگوں پر حملہ آور ہوا جو اس چھوٹی سی ریاست کا دفاع کرنے کے لیے نکلے تھے۔ جس میں خدا کے قانون کی عملی مثالیں قائم ہو رہی تھیں۔ ان کی غیرت وحمیت قالینوں پر چلنے والیوں کے وصال وفراق کے جذبات پر مبنی نہ تھی۔ بلکہ اس کا محور ایک ایسی ریاست کا قیام و بقا تھا جو پوری دنیا کو قانونیت اور مرکزیت کا درس دینے اور اس طرح بندۂ خاکی کو مسجودِ ملائک بنانے کے لیے قائم ہوئی تھی۔

توقع کے مطابق انفرادی اور مجموعی جرأت اور دلیری کے مختلف مدارج کے مظاہرے ہوئے، یہ بڑی ولولہ خیز داستان ہے جس کے لیے سیرت کی کسی مستند کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ موجودہ سطور ان تفصیلات کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ یہاں اتنا کہنا کافی ہے کہ دونوں اطراف کے بہادروں نے دادِ شجاعت دی۔ اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ خواتین جو حوصلہ دلانے اور جرأت کو برقرار رکھنے کے لیے مکی لشکر کے ساتھ آئی تھیں۔ مکی لشکر کی ہزیمت اور پسپائی کا تھرمامیٹر بن گئیں۔ ان کے کیمپ میں کھلبلی اور گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے۔ لشکریانِ اسلام نے اس کا ٹھیک نتیجہ اخذ کیا کہ حملہ آور پسپا ہونے لگے ہیں اور یکایک عرب کی وہ پرانی عادت عود کر آئی جو سینکڑوں برس سے اس قوم کا شیوہ رہی تھی۔

Marfat.com

اس قدیم شیوہ کی تصویر مولانا شبلی نعمانی نے مختلف ، سندات کے حوالے سے پیش کی ہے جو ملخصًا یہ ہے کہ عرب کا ذریعہ معاش بڑی حد تک غارت گری تھا۔ لوٹ کے مار میں زیادہ تر بکریاں حاصل ہوتی تھیں۔ عربی زبان میں بکری کو غنم کہا جاتا ہے اس لیے لوٹ مار کے مال کو عربی میں غنیمت کہتے ہیں۔ یہ مولانا شبلی نعمانی کی تحقیق ہے۔ سید سلیمان ندوی کو اس کے قبول کرنے میں تامل ہے۔ صورت جو بھی ہو یہ بات طے ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں جنگوں کا بنیادی محرک مالِ غنیمت تھا۔ ثار یا خون کا بدلہ بعد کی پیداوار ہوتا تھا۔ اس لیے عربوں میں ''غنیمت'' سے محبت دیوانگی کی حد تک تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ عادت جو ثانوی فطرت بن چکی تھی، بیک جنبشِ قلم ختم نہیں ہوسکتی تھی۔ غزوۂ بدر کے بعد قرآن حکیم میں اس پر کچھ پابندیاں عائد ہوئیں۔ مسلمان ہونے والوں کی نیک نفسی اور عظمتِ کردار کو سلام ہو کر انہوں نے ان پابندیوں کو طبعی میلانات کی اس شدت کے باوجود قبول کیا۔ اور اس پر عمل کر کے روشن مثال قائم کی۔ تاہم نیک نفسی اور عظمت کردار کے بھی مدارج ہوتے ہیں اور چند لوگوں میں انسانی کمزوری کا در آنا بڑی بات نہیں۔ غزوۂ احد تک مسلمانوں نے ان پابندیوں کو قبول کرلیا تھا لیکن غنیمت کی وہ محبت جو جبلت کا جزو بن چکی تھی بعض میں موجود تھی اور اس موقع پر اپنا کرشمہ دکھانے سے باز نہ رہ سکی۔ چنانچہ جانفروشوں نے جب دیکھا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں اور فتح سامنے ہے تو وہ ''غنیمت'' پر ٹوٹ پڑے اور دشمن کا مال واسباب لوٹنا شروع کر دیا۔

قرآن حکیم میں اس واقعہ کا مستند ترین ہم عصر ریکارڈ سورۂ آل عمران میں محفوظ ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ○

Marfat.com

"اللہ ❶ نے تائید و نصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تھا۔ وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے۔ اور جونہی وہ چیز اللہ نے تم کو دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مالِ غنیمت) تو تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی تم کو معاف ہی کر دیا۔ کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے۔"

درّے پر متعین تیر اندازوں نے جب یہ حالت دیکھی تو قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق یہ سمجھ کہ اگر وہ اس وقت لوٹ میں شریک نہ ہوئے تو ممکن ہے۔ مالِ غنیمت میں ان کا حصہ انہیں نہ ملے، اپنا مورچہ چھوڑ کر مال کو لوٹ لینے کی غرض سے لپکے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ

"کسی نبی کا یہ کام نہیں ہو سکتا ❷ کہ وہ خیانت کر جائے۔"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مودودی فرماتے ہیں: ❸ "جن تیر اندازوں کو نبی ﷺ نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن کا لشکر لوٹا جا رہا ہے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ساری غنیمت انہی لوگوں کو نہ مل جائے جو اسے لوٹ رہے ہیں اور ہم تقسیم کے موقع سے محروم نہ رہ جائیں۔ اسی بناء پر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب نبی ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان

---

❶ حضرت شیخ الہند آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں: "اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا، اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز، کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت، پر تم کو الٹ دیا ان پر سے تا کہ تم کو آزمادے اور وہ تم کو معاف کر چکا اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر۔

❷ ترجمہ از حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: "اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے۔"

❸ تفہیم القرآن جلد اول

Marfat.com

لوگوں کو بلا کر اس نافرمانی کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب میں کچھ عذرات پیش کیے جو نہایت کمزور تھے۔ اس پر حضور (ﷺ) نے فرمایا:

"بل ظننتم ان نغل ولا نقسم لكم"

اصل بات یہ ہے کہ تم کو ہم پر اطمینان نہ تھا۔ تم نے یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو حصہ نہیں دیں گے۔ اس آیت ❶ کا اشارہ اسی معاملہ کی طرف ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جبیر جوان کے سالار تھے انہیں روکنے کی کوشش کرتے رہے لیکن ان حضرات نے اپنے سردار کی بات بھی نہیں سنی۔ مجبوراً حضرت ممدوح چند ❷ ساتھیوں کے ساتھ درّہ کی حفاظت پر ڈٹ گئے۔

دشمن کے گھوڑ سوار دستے ❸ کے سردار جناب خالد بن ولید نے اس کمزوری کو بھانپا اور فوراً بھرپور حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر اور ان کے چند ساتھی مدافعت کا فرض ادا کرتے ہوئے، شہید ہوئے اور خالد بن ولید نے تیزی سے ان مسلمانوں۔ کے عقب پر حملہ کیا۔ جو مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف تھا۔ اس اچانک اور غیر متوقع حملے کی بدحواسی میں دونوں فوجیں ایک دوسرے سے اس طرح گتھ گئیں کہ دوست دشمن کی تمیز باقی نہ رہی۔ کئی مسلمان

---

❶ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا فائدہ بیان فرماتے ہوئے بہت سے امکانات کا جائزہ لیتے ہیں جن میں سے ایک وہ بھی ہے جسے مولانا مودودی نے اختیار کیا اور آخیر میں نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "بہر حال مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر حضور ﷺ اپنی نرم خوئی اور خوش خلقی سے تمہاری غلطیوں کو معاف کرتے ہیں تو تم کو حضور کی عظمت و شان اور عصمت و نزاہت کا بہت زیادہ پاس رکھنا چاہیے۔ کسی قسم کا رکیک اور کمزور خیال مومنین کے پاس نہ آنے پائے۔" پھر فرماتے ہیں "غلول کے اصل معنی غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں۔ لیکن کبھی مطلق خیانت کے معنی میں آتا ہے بلکہ بعض اوقات محض ایک چیز کے چھپا لینے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔"

❷ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد گیارہ تھی۔

❸ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں: یہ دستہ ڈھائی سو افراد پر مشتمل تھا۔

Marfat.com

مسلمانوں کے ہاتھوں ضائع ہو گئے۔ اس افراتفری میں اکثر پاؤں اکھڑ گئے اور وہ جو اللہ تعالیٰ سے عہد کیے ہوئے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔ پیٹھ پھیر جانے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ الخ

''یاد کرو جب تم بھاگے چلے جارہے تھے کسی کی طرف (1) پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسول تمہارے پیچھے تمہیں پکار رہا تھا''......الخ

مولانا مودودی تشریح کرتے ہیں:

''جب مسلمانوں پر اچانک دو طرف سے بیک وقت حملہ ہوا اور ان کی صفوں میں ابتری پھیل گئی تو کچھ لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ اوپر چڑھ گئے مگر نبی ﷺ ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ دشمن کا چاروں طرف ہجوم تھا۔ دس بارہ آدمیوں کی مٹھی بھر جماعت پاس رہ گئی تھی مگر اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ اس نازک موقع پر بھی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا اور بھاگنے والوں کو پکار رہا تھا۔'' اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ۔ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ۔ ''اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ○

''تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے (2) دن پیٹھ پھیر گئے تھے ان کی اس لغزش کا

---

(1) (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے پھر نہ کر دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے......الخ)

(2) ترجمہ از حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں دو فوجیں، سو ان کو بہکا دیا شیطان نے ان کی گناہ کی شامت سے اور ان کو بخش چکا اللہ، اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا۔''

Marfat.com

سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے تھے۔ اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ اللہ بہت درگزر کرنیوالا بردبار ہے۔" ❶

ابنِ ہشام کے بقول صحابہ کی جو مختصر سی جماعت آنحضرت ﷺ کے جلو میں تھی۔ ان میں ایک صحابیہ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے قتال کرنے کی سعادت بھی حاصل کی۔ دشمنوں نے رسول اللہ ﷺ پر نرغا کیا۔ خاص طور پر ابن قمیہ جو قریش کا مشہور پہلوان تھا دیوانوں کی طرح پوچھ رہا تھا:

"مجھے بتاؤ محمد (ﷺ) کہاں ہیں۔ اگر وہ بچ نکلے تو خدا کرے میں زندہ نہ رہوں۔"

نبی آخر الزمان ﷺ کو دیوانگی کے اس ہجوم سے محفوظ رکھنے کے لیے صحابہ کرام نے کمال فداکاری اور جاں نثاری کے ثبوت دیئے۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ دشمن کی طرف پیٹھ کر کے آنحضرت ﷺ پر جھک گئے۔ جو تیر آتا تھا وہ انہیں لگتا حضرت زیاد رضی اللہ عنہ بن سکن نے پانچ انصاریوں کے ساتھ مل کر وفاداری کا وہ ثبوت پیش کیا جس کی مثال بڑی سے بڑی تحریکوں کی تاریخ میں بھی کم نظر آئے گی۔ پانچوں حضرات باری باری شمع رسالت ﷺ پر قربان ہو گئے۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کا نصیبہ اس عظیم اور حسین انداز میں جاگا کہ جب اس دنیا میں آخری سانس لی تو زانوئے پیغمبر زخمی سر کا تکیہ تھا۔

یہ نصیبا اللہ اللہ لوٹنے کی جائے ہے

---

❶ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں: "جنگِ اُحد میں جو مخلص مسلمان ہٹ گئے تھے کسی پچھلے گناہ کی شامت سے شیطان نے بہکا کر ان کا قدم ڈگمگا دیا۔ چنانچہ ایک گناہ تو یہ ہی تھا کہ تیر اندازوں کی بڑی تعداد نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی پابندی نہ کی۔ مگر خدا کا فضل دیکھو کہ اس کی سزا میں کوئی تباہ کن شکست نہیں دی۔ بلکہ ان حضرات پر اب کوئی گناہ بھی نہیں رہا۔ حق تعالیٰ کلیۃً ان کی تقصیر معاف فرما چکا ہے۔ کسی کو لعن طعن و ملامت کا حق نہیں۔"

Marfat.com

حضرت علی کرم اللہ وجہہ انہی پروانوں میں شامل تھے۔ اور ضربتِ حیدر آفتابِ رسالت ﷺ پر جھکنے والی گھٹاؤں کو کاٹ کاٹ کر پیچھے دھکیل رہی تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص مشہور تیر انداز تھے۔ وہ تیر پر تیر چلا رہے تھے۔

اس افراتفری اور ہنگامے میں رسول اللہ ﷺ کو کئی زخم آئے۔ ابن قیمہ کے پتھر سے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ چہرۂ مبارک میں خود کی کڑیاں گڑ گئیں۔ ایک دفعہ ایک گڑھے میں بھی گر پڑے۔ ابن قیمہ نے آنحضرت ﷺ کو شہید کرنا چاہا کہ حضرت معصب رضی اللہ عنہ بن عمیر جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا مدافعت پر آئے اور شہید کر دیئے گئے۔ یہ بزرگ شمعِ رسالت کے پروانوں میں شامل تھے اور آنحضرت ﷺ کے ہم شکل تھے۔ ابن قمیہ نے شور مچا دیا کہ "میں نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا۔"

مسلمانوں پر اس غلط خبر کے مختلف اثرات ہوئے۔ کچھ حضرات ایسے مایوس ہوئے کہ ان کے ہاتھ پیر پھول گئے بعض یہ کہ دشمن پر پل پڑے کہ آپ ﷺ کے بعد جی کر کیا لیں گے۔ بعض ضعفا کو خیال ہوا کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان سے امن حاصل کر لیں۔ بعض منافقین کہنے لگے کہ جب محمد قتل کر دیئے گئے تو اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب میں واپس چلا جانا چاہیئے۔ مسلمانوں کی اس عام مایوسی، بددلی اور بدحواسی پر اللہ تعالیٰ کا تبصرہ قابل توجہ ہے۔

ارشاد ہوا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○

"محمد (ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مر جاویں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ البتہ

Marfat.com

جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں اس کی جزا[1] دے گا۔"

اس خبر کا اثر قریشیوں کے لشکر پر بھی ہوا ہوگا اور مسرت کی ایک بے عملی جو اچانک خوش خبری کا نتیجہ ہوا کرتی ہے ان پر طاری ہوئی ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے اس تھوڑے سے وقفے کو استعمال فرمایا اور ابنِ ہشام کے بقول ایک گھاٹی کی طرف تشریف لے گئے۔ جو بلندی پر واقع تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مکے کا ایک مشہور سردار ابی ابن خلف جس کو بقول حضرت حسان بن ثابت گمراہی باپ کے ورثے میں ملی تھی۔ یہ کہتا ہوا آ پہنچا۔

"اے محمد (ﷺ) اگر تم بچ گئے تو خدا مجھے زندہ نہ رکھے۔"

آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے نیزہ مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ جب قدرے سکون ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانی لائے جس سے آپ ﷺ کے زخم دھوئے گئے۔ اتنے میں خالد بن ولید ایک رسالے کے ساتھ پھر حملہ آور ہوئے۔ خالد کا رسالہ نشیب میں تھا اور جان نثارانِ پیغمبر اونچائی پر حملہ آور پسپا کر دیئے گئے۔ آنحضرت ﷺ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ کی مدد سے ایک چٹان پر چڑھ گئے کہ زیادہ محفوظ مقام تھا۔

مولانا مودودی تفہیم[2] القرآن میں حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔

"اس موقعہ پر یہ ایک معما ہے جو حل نہیں ہو سکا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے کفار مکہ کو خود بخود واپس پھیر دیا۔ مسلمان اس قدر پراگندہ ہو چکے تھے کہ ان کا پھر مجتمع ہو کر جنگ کرنا مشکل تھا۔ اگر کفار اپنی فتح کو کمال تک پہنچانے پر اصرار کرتے تو ان کی کامیابی بعید نہ تھی۔ مگر نہ معلوم کس طرح وہ آپ ہی آپ میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے۔"

---

[1] شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فرمایا ہے: "اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں۔ ہو چکے اس سے پہلے بہت سے رسول۔ پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں۔ اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔

[2] ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ آل عمران نوٹ ۹۴۔ از مولانا مودودی

Marfat.com

میجر [1] جنرل محمد اکبر خاں کا خیال ہے کہ تیر اندازوں کی غلطی کی وجہ سے وہ منصوبہ ناکام ہو گیا جو آنحضرت ﷺ نے بنایا تھا۔ اگر کوئی کمتر درجے کا جرنیل ہوتا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے اور وہ لشکر کے ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث بن جاتا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے فوراً متبادل منصوبے پر عمل کیا اور بہت چھوٹی جماعت کے ساتھ دفاعی سرگرمی کو جاری رکھ کر ایک طرف اپنے نائبین کے حوصلے برقرار رکھے۔ اور دوسری طرف دشمن کے اعصاب کو متاثر کیا۔ عین اس موقعہ پر جب دشمن اپنے آپ کو فاتح و منصور سمجھ رہا تھا۔ ابی بن خلف کا قتل اور خالد بن ولید جیسے جرنیل کی پسپائی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اس نے دشمن کی اخلاقی قوت پر یقیناً اثر کیا ہوگا۔

صورت جو بھی تھی، واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور لشکر کی واپسی پر تیار ہو گئے۔ جس جگہ آنحضرت ﷺ مقیم تھے وہاں تک آئے اور پکار کر اعلان کیا کہ بدر کا بدلہ لے لیا گیا ہے۔ آئندہ سال بدر میں پھر جنگ ہوگی۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس چیلنج کو قبول کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اور مکہ سے آنے والا لشکر واپس ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم فرمایا کہ تعاقب کریں اور پتہ چلائیں کہ قریشیوں کے کیا ارادے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آکر رپورٹ کی کہ دشمن مکے کو جا رہا ہے۔ شہداء کی تدفین کے بعد مسلمان مدینہ کو لوٹے۔ سب زخموں سے چور تھے اور اکثر گھروں سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مندرجہ ذیل آیات کے نزول کے صحیح وقت کا تعین ممکن نہیں۔ یہ سورہ آل عمران میں جمع ہیں۔ ملاحظہ کیجئے اللہ تعالیٰ نے اپنے سپاہیوں اور شہداء کے پس ماندگان کی دل جوئی کے لیے کیسے کیسے لطیف اور حسین انداز اختیار کیے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی دوست کسی دوست کا غم بانٹ رہا ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

[1] ملاحظہ ہو حدیث دفاع از میجر جنرل اکبر خاں

Marfat.com

بَیْنَ النَّاسِ ج

"دل شکستہ نہ ہو۔ غم نہ کرو ❶ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔"

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ○

"اس ❷ سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے۔"

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ ۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ

"اس غم کے بعد ❸ پھر اللہ نے تم پر تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے۔" ❹

---

❶ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں: "اور سست نہ بنو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان لوگوں میں۔"

❷ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ: "اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں خدا کے طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے۔"

❸ پھر تم پر اتارا تنگی کے بعد امن کو جو اونگھ تھی کہ ڈھانک لیا اس اونگھ نے بعضوں کو تم میں سے۔ (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

❹ مولانا مودودی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں "حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو اس جنگ میں شریک تھے خود بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں ہم پر اونگھ کا ایسا غلبہ ہو رہا تھا کہ تلواریں ہاتھ سے چھوٹی پڑتی تھیں۔" حضرت شیخ الاسلام ابن مسعود کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ "عین لڑائی کے موقعے پر نعاس (اونگھ) کا طاری ہونا اللہ کی طرف سے فتح و نصرت کی علامت ہے۔"

Marfat.com

''عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے ❶ کہ جب اللہ کا رسول ہمارے درمیان موجود ہے اور اللہ کی تائید ونصرت ہمارے ساتھ ہے تو کسی حال میں کفار ہم پر فتح پا ہی نہیں پا سکتے اسی لیے جب اُحد میں ان کو شکست ہوئی تو ان کی توقعات کو سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے حیران ہو کر پوچھنا شروع کیا کہ یہ کیا ہوا؟ ہم اللہ کے دین کی خاطر لڑنے لگے۔ اس کا وعدۂ نصرت ہمارے ساتھ تھا اور اس کا رسول خود میدان جنگ میں موجود تھا اور پھر بھی ہم شکست کھا گئے اور شکست بھی ان سے جو اللہ کے دین کو مٹانے آئے تھے۔'' اس حیرانگی کو دور کرنے کے لیے ارشاد ہوا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ

''اور تمہارا کیا حال ہے ❷ کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالفت پر) پڑ چکی ہے۔ اے نبی! ان سے کہو کہ یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔''

واضح رہے کہ غزوۂ بدر میں کفار کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور اتنے ہی قید کئے گئے تھے اس کے مقابلے میں غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور کوئی گرفتار نہیں ہوا۔

کفار جب کافی دور چلے گئے تو انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے اپنی فتح کو مکمل نہ کر کے سخت غلطی کی ہے۔ اس لیے باہمی مشورے ہوئے اور اس رائے پر غور ہونے لگا کہ پلٹ کر مدینے پر حملہ کر دیا جائے لیکن اس کی ہمت نہ کر سکے۔ ادھر آنحضرت ﷺ کو بھی شبہ تھا کہ ایسا ممکن ہے۔ پیغمبرانہ بصیرت نے اس کا اندازہ کر لیا تھا ممکن ہے کوئی اطلاع بھی ملی

---

❶ تفہیم القرآن حاشیہ ۱۱۵

❷ کیا جس وقت پہنچی تم کو ایک تکلیف کو تم پہنچا چکے ہو اس سے دوچند تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی۔ تو کہہ دے یہ تکلیف تم کو پہنچی تمہاری ہی طرف سے۔'' شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

ہو۔ بہر صورت مدینہ میں تشریف آوری کے دوسرے ہی دن حکم عام فرمایا کہ قریشیوں کا تعاقب کیا جائے گا۔ مسلمان زخموں سے نڈھال تھے۔ تاہم سچے مومن اور جاں نثار کسی پس و پیش کے بغیر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ تاریخ میں اس یقیناً بے مثال لشکر کو لے کر مدینے سے ۸ میل دور حمراء الاسد نامی ایک مقام پر تشریف لے گئے۔ ابن ہشام کے بقول تین دن اسی مقام پر قیام فرمایا۔ اور پھر مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔ ریاستِ اسلامی کے حاکمِ مطلق جل شانہ نے آئین اسلامی میں ان جاں بازوں اور جاں سپاروں کی ستائش رقم کی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

''جن لوگوں ❶ نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا ان میں جو اشخاص نیکوکار اور پرہیز گار ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔''

موت و حیات کا فلسفہ اس حتمی انداز میں ذہن نشین کرایا گیا:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا

''کوئی ذی روح اللہ کے ❷ اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔''

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

''ان ❸ سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔''

---

❶ ''جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم جو ان میں نیک ہیں اور پرہیز گار، ان کو ثواب بڑا ہے۔'' (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

❷ ''اور کوئی نہیں مر سکتا بغیر حکم اللہ کے۔ لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر۔'' (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

❸ ''تو کہہ کہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھ دیا تھا مارا جانا اپنے پڑاؤ پر۔'' (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ

''اے ❶ ایمان والو! کافروں کی سی باتیں نہ کرو جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں کسی حادثہ سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔ اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت و اندوہ کا سبب بنا دیتا ہے۔ ورنہ دراصل مارنے اور جلانے والا تو اللہ ہی ہے۔''

شہداء کے متعلق ارشاد ہوا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ❷ ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو حقیقت میں

---

❶ اے ایمان والو! تم نہ ہو ان لوگوں کی طرح جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کو نکلیں ملک میں ہوں جہاد میں اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور مارے جاتے تا کہ اللہ والے اس گمان سے افسوس ان کے دلوں میں۔ اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے۔'' (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

❷ ''اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو، جو مارے گئے اللہ کی راہ میں، مردے، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے، خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے، اس واسطے کہ نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ ان کو غم۔ خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی۔'' (ترجمہ از حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش وخرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں اور فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔"

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○

"اور جو لوگ [1] اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو۔ ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔"

یہ فلسفہ کہ مومنوں کی آزمائش ضرور ہوگی اور انہیں مختلف آزمائشوں میں سے ثابت قدمی کے ساتھ گزرنا ہوگا۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات میں بیان ہوا ہے۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے [2] ہیں۔"

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

---

[1] "اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مُردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔"

[2] "کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں، اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو۔"

Marfat.com

لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○

''اور ہم ❶ ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ انہیں یہ خوش خبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہونگی۔ اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رَو ہیں۔''

---

❶ ''اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوروں کے اور میووں کے اور خوش خبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔'' (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

باب ۸ :-

غزوۂ احد کے اثرات و نتائج

گذشتہ صفحات میں ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اسلام اور کفر کی آویزش سرد جنگ سے شروع ہوکر گرم جنگ تک پہنچی۔ مکہ نے پہلے حملے میں شکست کھا کر اسلام دشمنی کو جذبۂ انتقام کی کمک بھی پہنچائی اور گزشتہ تجرباتِ سے فائدہ بھی اٹھایا۔ اس طرح دوسرا حملہ پہلے سے زیادہ سخت تھا۔ فتح وشکست کچھ اس طرح متوازن ہوئی کہ خود ابوسفیان کوئی حتمی دعویٰ نہ کر سکے اور یہ کہہ کر لوٹ گئے کہ یہ بدر کا بدلہ ہے۔ آئندہ سال پھر بدر ہی کے مقام پر جنگ ہوگی۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی کوئی واضح اعلان نہیں ہوا جیسا کہ آیات مندرجہ بالا سے ظاہر ہے۔

تاریخ کی سطح پر اس واقعہ کے دو واضح اثرات نظر آتے ہیں۔ ایک اثر مسلمانوں پر ہوا اور دوسرا مشرکینِ حجاز پر۔

اصلاح کی تعلیم :-

قرآن حکیم نے کوئی لاگ لپٹ رکھے بغیر کھول کھول کر ان تمام کوتاہیوں اور کج عملیوں کی نشان دہی کی جو غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں سے سرزد ہوئی تھیں۔ انہیں یہ خوش خبری دی گئی کہ اگر وہ ان کوتاہیوں سے باز رہنے کی کوشش کریں اور قرآنی اصول وضوابط کی روشنی میں اپنی زندگی کو ڈھال کر ''مؤمن'' بن جائیں تو بالآخر فتح انہی کی ہوگی۔ کہانت، جنوں، بھوتوں اور چھلاووں کی طاقتوں پر غیر معتدل اعتقاد اور اسی قسم کے دیگر لاتعداد سہاروں پر تکیہ کرنے کی عادت نے عرب معاشرے میں خدا کی نصرت کا جو تصور پیدا کیا تھا وہ یہ تھا کہ

Marfat.com

خدا کی نصرت بے علل اور غیر مشروط ہوتی ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ سے معجزے طلب کرتے رہے اور اپنے آبائی دین پر اس لیے اڑے رہے کہ آنحضرت ﷺ نہ آسمان سے فرشتوں کی فوج اتارتے ہیں۔ نہ کوئی ایسا لکھا لکھایا کاغذ لوگوں کے سامنے ان پر اترتا ہے کہ وہ اسے خدا کے کلام کا نزول سمجھ لیں۔ معاشرے کے بدچلن افراد، خدا کے نبی (ﷺ) کے حضور گستاخیاں کرتے اور خود اس ذاتِ قدسی کو اذیتیں دیتے ہیں تو کوئی عذاب نازل نہیں ہوتا اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ان کے سروں پر نہیں گر پڑتا۔ اور یہی وہ سب باتیں تھیں جو ان کے ذہن میں خدا کی نصرت کے مفہوم میں شامل تھیں۔ اس لیے ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیسا نبی ﷺ ہے جسے بھوک اور پیاس بھی لگتی ہے، گرمی اور سردی کا اثر بھی ہوتا ہے جس کی بیویاں ہیں جس کے یہاں بچے پیدا ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔

اس کے برعکس اسلام اس دنیا کو علت و معلول اور عملی و نتائجِ عمل کی دنیا ہونے پر کامل اعتقاد رکھتا ہے۔ اس لیے قدرتی طور پر اسلام میں نصرتِ خداوندی کا جو مفہوم متعین ہوتا ہے وہ مشروط اور علل کے تابع ہے۔ اسلام کی تعلیم جو بار بار اور بالاصرار دی گئی یہ ہے کہ علل کی ہر باریک تفصیل کو سمجھا جائے۔ اس پر عمل کیا جائے اور اس کے بعد اس یقین کے ساتھ نتیجے کو خدا پر چھوڑ دیا جائے کہ نیکوکاروں کی نیکیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ مومنوں کو ان کے اعمال کا اجر ملے گا اور پرہیزگاروں کو ان کے کاموں کو اچھا بدلہ ملے گا۔

عرب معاشرے سے جو حضرات اسلام میں شامل ہوئے۔ ان میں خاص خاص صحابہ کے علاوہ عام مسلمان شروع شروع میں نصرتِ خداوندی کے اس مفہوم کو پوری طرح نہ سمجھ سکے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں کچھ غلطیاں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نشاندہی کی گئی اور بار بار تلقین کی گئی کہ ان کی اصلاح کی جائے اور ان سے بچا جائے۔ آنحضرت ﷺ اپنے قول و فعل سے ان ارشادات کو اذہان میں راسخ فرماتے رہے۔

Marfat.com

مشرکین کا طرزِ عمل :-

اس کے مقابلے میں مشرکین قرآن کی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور قول و عمل کے نمونوں سے محروم تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر کے مبہم نتیجے سے جو اثر لیا۔ وہ سرتا سر مختلف تھا پہلی بات جو ان کی سمجھ میں آئی، یہ تھی کہ اسلام ناقابلِ تسخیر نہیں ہے۔ مسلمانوں کو ان معنوں میں خدا کی نصرتیں حاصل نہیں جو معنی مشرکین سمجھتے تھے۔ یہ ان کا اپنا تجربہ تھا کہ اس عظیم جماعت میں منافق بھی پیدا کیے جاسکتے ہیں اور ایسے کمزوروں کو توڑ کر اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جو اپنے کمتر مفاد کی خاطر ملت کے بڑے مفاد کو قربان کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی بن سلول ان کی بہت بڑی مثال تھا اور اس کے ساتھی ہزار میں سے تین سو نکلے تھے۔ جو لوگ مخلص، جاں نثار اور وفادار ہیں وہ بھی معصوم اور بے خطا نہیں کہلا سکتے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی نکل آتے ہیں جن سے انسانی کمزوریاں سرزد ہو سکتی ہیں۔ ان کمزوریوں سے خالد بن ولید فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور خدا کا قانونِ عمل و نتیجہ عمل اتنا اٹل ہے کہ اگر کمزوری کسی مسلمان سے سرزد ہو اور کوئی دوسرا خواہ وہ مشرک اور دشمنِ خدا ہی کیوں نہ ہو اس سے فائدہ اٹھانے میں سبقت کر جائے تو اس کے نتائج مشرک ہی کے حق میں ہی نکلتے ہیں۔ یہ قانون مشرک اور موحد، مسلمان اور کافر میں کوئی فرق نہیں کرتا۔

اس احساس اور علم کا اظہار تاریخ میں دو طرح سے ہوا۔ اولاً عرب قبائل نے باقاعدہ جنگ کرنے اور مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے اجتماعات کرنے شروع کیے۔ ثانیاً انفرادی اذیتوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا اور یہ ثابت کیا گیا کہ وہ سیاسی طور پر اسلام کی برتری کے قائل نہیں اس لیے مسلمانوں کے انتقام سے خائف نہیں۔

ذیل میں اس فکر و فہم کے خارجی مظاہر کو تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھے بغیر پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کا مقصد اس نقطۂ عروج کے لیے پس منظر مہیا کرنا ہے جسے اصحابِ سیَر غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

Marfat.com

افراد کو اذیتیں:۔

غزوۂ احد کے بعد قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض پرواز ہوا کہ ہم لوگوں ئیں اسلام موجود ہے۔ کچھ معلمین مرحمت فرمائے جائیں تا کہ وہ قبیلے کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں۔ آنحضرت ﷺ نے چھ حضرات کو روانہ فرمایا۔ یہ قاری بھی تھے اور مجاہد بھی۔ ان میں سے ایک بزرگ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت تھے جنہوں نے غزوۂ احد میں سلافہ بنت سعد نامی ایک عورت کے دو بیٹوں کو قتل کیا تھا۔ سلافہ نے قسم کھا رکھی تھی کہ اگر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر اسے مل گیا تو وہ اس کا پیالہ بنا کر اس میں شراب پیئے گی۔

معلمین کا یہ گروہ مدینہ سے نکل کر رجیع نامی ایک مقام پر پہنچا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع تھا۔ اس سے ذرا اوپر قبیلہ ہذیل کے چشمے تھے۔ قبیلۂ ہذیل قارہ اور عضل قبائل کا حلیف تھا۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے ہذیل والوں کو مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیا۔ اب چھ معلمین پر ان کی مکاری کھلی اور انہیں محسوس ہوا کہ ان کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے ان میں سے تین حضرات مسلح تھے۔ یہ تلواریں نکال کر گھوڑوں پر سے کود پڑے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ تینوں شہید کر دیئے گئے۔ بقیہ تین دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ شہید ہونے والوں میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن ثابت بھی تھے۔ قاتلوں نے ان کا سر حاصل کرنا چاہا کہ سلافہ کے ہاتھ فروخت کر دیں لیکن تائید ایزدی سے پے در پے ایسے واقعات ہوئے کہ شہید کے لاشے کی بے حرمتی نہ ہو سکی۔ باقی تینوں کو ہاتھ باندھ کر مکہ کی طرف لے جایا گیا تا کہ وہاں انہیں فروخت کر دیا جائے ان میں سے ایک بزرگ حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ ہیں جو رسیاں کھولنے میں کامیاب ہو گئے تلوار تول کر میدان میں اترے اور دشمن کی سنگ باری سے شہید ہو گئے۔ بقیہ دو حضرات جناب خبیب رضی اللہ عنہ بن عدی اور حضرت زید بن وثنہ رضی اللہ عنہ مکہ لے جائے گئے۔ ہذیلیوں کے دو قیدی مکہ میں موجود تھے۔ انہوں نے ان کے بدلے

Marfat.com

اپنے قیدیوں کو رہائی دلائی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے ایک تمیمی حجیر بن ابوالہاب نے اپنے باپ کے قتل کے بدلے میں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے اپنے باپ امیہ بن خلاف کے قتل کے بدلے میں قتل کرنے کے لیے حاصل کیا۔ دونوں حضرات کو حرم سے باہر بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ شہید ہونے سے پہلے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز ادا کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اجازت دی گئی آپ رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی اور خوشی خوشی گردن قاتل کے کلہاڑے کے لیے پیش کر دی۔ اس طرح اسلام میں قتل ہونے سے پہلے نماز ادا کرنے کی عظیم روایت کا آغاز ہوا۔ اس عظیم روایت کا کوئی جواب دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ وجہ یہ کہ دنیا اور آخرت کے تصور کو کوئی دوسری قوم اس طرح یک جان نہیں کر سکی۔ کہ آنے والی زندگی دنیوی زندگی کا قدرتی تسلسل بن گئی ہو اور خدا کی راہ میں آنے والی موت افضل ترین اور غیر فانی زندگی کا دیباچہ قرار پا گئی ہو۔

خادمانِ سیرت نے اس واقعہ کو واقعۂ رجیع کے نام سے یاد رکھا ہے۔ منافقین نے اس واقعہ کے متعلق بھانت بھانت کی باتیں کیں۔ اور وہ سب کچھ کہا جو اس کے مختلف پہلوؤں کے خلاف کہا جا سکتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ان میں سے اکثر باتوں کے ج اب موجود ہیں۔

ایک اور واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ نجد کا ایک طاقتور قبیلہ کلاب تھا جس کے رئیس کا نام ابو براء تھا۔ یہ صاحب ملاعب الاسنۃ (برچھیوں سے کھیلنے والا) کے لقب سے مشہور تھے۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ابو براء نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور اسلام لائے بغیر درخواست کی کہ چند لوگ ساتھ کر دیئے جائیں تاکہ پورے قبیلے کے سامنے اسلام پیش کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے۔'' ابو براء نے اپنی ضمانت پیش کی جس پر دربارِ نبوت سے ستر انصار اور ایک روایت کے مطابق چالیس انصار کو اس مشن پر جانے کی اجازت مل گئی۔

ان حضرات نے بئرِ معونہ کے مقام پر پہنچ کر اپنے ایک ساتھی حضرت حرام بن سلان

Marfat.com

رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک دے کر نجد کے رئیس عامر بن طفیل کی طرف روانہ کیا عامر نے نامۂ مبارک کو پڑھنے کی سعادت حاصل کیے بغیر اسے چاک کر دیا اور حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد شاید ڈرا اور دوسرے قبیلے بنو عامر کی مدد کا طلب گار ہوا کہ ان مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہو۔ جو بیرِ معونہ میں خیمہ زن تھے۔ لیکن بنو عامر نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ ابو براء ان مسلمانوں کی حفاظت کے ضامن تھے۔ اس کے بعد عامر نے بنو سلیم کے قبائل کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے اس کی مدد کی۔ معلمین کا یہ مختصر قافلہ گھیر لیا گیا۔ مسلمانوں نے بھی تلواریں نکالیں اور ایک کے سوا سب شہید ہو گئے۔ بچنے والے کا اسم گرامی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ ہے۔ آں محترم مدینے کو لوٹ رہے تھے کہ راستے میں بنو عامر کے دو آدمی مل گئے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ بنو عامر اور آنحضرت ﷺ کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ بے خبری میں آپ نے انہیں قتل کر دیا اور دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر آنحضرت ﷺ سے کل کا واقعہ بیان کر دیا۔ جب آپ ﷺ کو اپنے صحابی کی غلطی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ مقتول عامریوں کا خون بہا ادا کیا جائے گا اس واقعہ کو تاریخ میں ''واقعۂ بیرِ معونہ'' کہا جاتا ہے۔

ان واقعات کے علاوہ مختلف علاقوں کے رہنے والوں نے متعدد چھوٹی چھوٹی شورشیں برپا کرنے کی کوشش کی جن کی طرف فوری توجہ کی گئی۔

① فید کے کوہستانی علاقہ قطن کے لوگوں نے طلحہ اور خویلد کے کہنے پر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ لشکر اسلام کی آمد کی خبر سن کر شورش پسند منتشر ہو گئے۔ اسے سریہ ابو سلمہ کہا جاتا ہے۔

② کوہستان عرفہ کے قبیلہ لحیان کے رئیس سفیان بن خالد نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ اس کے شر کو ختم کر دیں۔ جانباز صحابی نے اس کے علاقے میں پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں کی زبان

Marfat.com

میں اسے گوریلا اقدام کہا جائے گا۔

④ قبیلہ خزاء کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا اور مدینہ منورہ سے نو میل کے فاصلہ پر مریسیع نامی مقام پر آباد تھا۔ اس خاندان کے رئیس حاکم بن ابی ضرار نے قریش کے اشارہ سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ آنحضرت ﷺ نے مزید تحقیقات کے لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن خصیب کو روانہ کیا۔ انہوں نے واپس آ کر تصدیق کی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور لشکر اسلام نے مدینہ سے کوچ کیا۔ اس کی خبریں جب مریسیع پہنچیں تو حارث بن ضرار خود فرار ہوگیا اور اس کا لشکر منتشر ہوگیا لیکن مریسیع کے رہنے والوں نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ ان کے دس آدمی مارے گئے اور چھ سو قید ہوئے۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

غزوۂ بنو نضیر:۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ، بنو قینقاع نے جس طرح عہد شکنی کی اور اپنی سزا کو پہنچے اس کا بیان ہو چکا۔ اب دو قبائل باقی تھے۔

آنحضرت ﷺ اور یہودیوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر ریاست کو خوں بہا ادا کرنا پڑے تو مسلمان اور یہودی مل کر یہ رقم ادا کریں گے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن امیہ کے ہاتھوں بنو عامر کے جن دو آدمیوں کا قتل ہوگیا تھا ان کے قصاص کی رقم کا نصف حصہ اس معاہدے کی رو سے یہودیوں پر واجب الادا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ چند صحابہ کے ساتھ بنو نضیر کی بستی میں تشریف لے گئے تاکہ اس معاہدے کے مطابق انہیں رقم ادا کرنے کے لیے کہیں۔ ان لوگوں نے بظاہر آپ ﷺ سے اتفاق کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو قتل کرنے کی بھیانک سازش بھی شروع کی۔ آنحضرت ﷺ ایک اطم کی دیوار کے سائے میں جلوہ افروز تھے۔ یہود نے ایک آدمی کو تیار

Marfat.com

کیا جو اطم کے اوپر جا کر بڑا پتھر آپ ﷺ پر پھینک دے اور اس طرح اس نور کو بجھا دے جو دنیا کی تاریکیوں میں اجالا کرنے کے لیے آیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو کسی نہ کسی طرح اس سازش کا علم ہو گیا اور آپ ﷺ اصحاب سے کچھ کہے بغیر اٹھ کر چلے گئے چندے انتظار کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کی تلاش میں چلتے ہوئے مدینے آ پہنچے۔ یہاں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو یہود کی اس عہد شکن سازش سے مطلع کیا اور حکم دیا کہ بنو نضیر پر چڑھائی کر دی جائے۔ لشکر فوراً تیار ہوا اور بنو نضیر کی بستی کی طرف کوچ کر دیا گیا۔

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق "بنو نضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے۔ وہ نہایت مضبوط قلعوں میں پناہ گزین تھے جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے ساتھ عبداللہ بن ابی نے کہلا بھیجا تھا کہ تم اطاعت نہ کرنا۔ بنو قریظہ (یہود کا تیسرا قبیلہ) تمہارا ساتھ دیں گے۔ اور میں دو ہزار آدمیوں کو لے کر تمہاری اعانت کر آؤں گا۔" مولانا ممدوح اس موقعہ پر سورۂ حشر کی اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ

"تم نے دیکھا[1] منافق اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں تم نکلو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمہارے باب میں کسی کا کہا نہ مانیں گے اور اگر کوئی تم سے لڑا تو ہم بھی تمہاری مدد کو آئیں گے۔"

اگر بنو نضیر کی نیت آمادۂ فساد نہ ہوتی تو صورت دوسری ہوتی اور وہ پرامن گفتگو کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے لیکن انہوں نے مقابلے کی تیاری کی اور قلعہ بند

[1] "کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو دغا باز ہیں کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جو کہ کافر ہیں اہل کتاب میں سے اگر تم کو کوئی نکال دے گا تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ اور کہا نہ مانیں گے کسی کا تمہارے معاملے میں کبھی اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔" (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

ہو کر بیٹھ گئے۔ لشکر اسلام نے بستی کا محاصرہ کر لیا۔

چند دنوں کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اردگرد کے نخلستانوں میں سے ایک خاص قسم کی کھجور لینہ (جو عربوں کی عام خوراک میں شامل نہ تھی) کے درخت کاٹ دیئے جائیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ ''اس موقع پر محدثین نے امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک درخت وغیرہ میدانِ جنگ میں اس وقت کاٹے جاتے تھے جب کہ کاٹے بغیر چارۂ کار نہ ہو۔ نیز اسحاق کا قول ہے کہ اگر دشمن درختوں کی آڑ میں ہو تو ان میں آگ لگا دینا سنت ہے۔''

مولانا شبلی نعمانی سورۂ حشر کی مندرجہ ذیل آیت کو اس موقع کی آیت بتاتے ہیں۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ

''تم نے لینہ کے جو درخت کٹوائے اور جس قدر قائم رہنے دیئے سب خدا کے حکم سے تھا تا کہ خدا فاسقوں کو رسوا کر دے۔'' ◆

اس کے بعد مولانا اپنا قیاس پیش کرتے ہیں۔

''ممکن ہے کہ درختوں کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جاتا ہو اس لیے وہ صاف کرا دیئے گئے ہوں کہ محاصرہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔''

یہودیوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ ''اے محمد (ﷺ) تم فساد سے منع کرتے تھے اور جو فساد کرے اس کی مذمت کرتے تھے۔ اب یہ درختوں کو کاٹنا اور ان میں آگ لگانا کیا ہے؟''

لیکن اس کے باوجود جنگی ضرورت کے ہر عمل کو پورا کیا گیا۔ آخر پندرہ دن کے بعد یہود نے پیش کش کی کہ وہ مدینہ سے جلاوطن ہو جانے پر تیار ہیں۔ انہیں اجازت دی گئی کہ

◆ جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا درخت یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر سو اللہ کے حکم سے اور تا کہ رسوا کرے فاسقوں کو۔'' (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

آلاتِ حرب کے علاوہ جو سامان اونٹوں پر لاد کر لے جا سکیں لے جائیں۔ ابن ہشام کے لفظوں میں:

''چنانچہ یہود اپنے اونٹوں پر جو مال و متاع لاد کر لے جا سکتے تھے لے گئے اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ کچھ لوگ مکان گرا گرا کر دروازوں کی چوکھٹیں تک اونٹوں پر رکھ کر لے جا رہے تھے۔''

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

''اس کام میں مسلمانوں نے بھی ان کا ہاتھ بٹایا ایک طرف وہ خود گراتے تھے دوسری طرف سے مسلمان۔''

سورۂ حشر کی یہ آیت اس سلسلے میں توجہ طلب ہے:

هُوَ الَّذِىٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

''وہ وہی ہے جس نے اہل کتاب کے [1] ان افراد کو جو منکر تھے پہلے ہی اجتماع پر ان کے شہروں سے نکال دیا۔ تم خیال نہ کرتے تھے کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ خیال کرتے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچا لیں گے مگر جس طرف سے ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اللہ کے عذاب نے ان کو آلیا اور ان کے دلوں میں

[1] ''وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں۔ ان کے گھروں سے پہلے ہی اجتماع پر لشکر کے تم نہ اٹکل کرتے تھے کہ نکلیں گے اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کو بچا لیں گے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا ان پر اللہ جہاں سے ان کو خیال نہ تھا اور ڈال دی ان کے دلوں میں دھاک، اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں سے سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو۔'' (ترجمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

رعب ڈال دیا کہ لگے اپنے گھروں کو خود اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے، سوائے آنکھوں والو......! تم اس سے درسِ عبرت حاصل کرو۔"

اس قبیلے کے ◆1 جلا وطن ہونے کی شان یہ تھی کہ آگے آگے قافلہ تھا اور اس کے پیچھے غلاموں کا طائفہ گاتا بجاتا جارہا تھا۔ اس قبیلے میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو پیدائشی یہودی نہ تھے بلکہ مختلف عرب قبائل میں پیدا ہوئے اور یہودی بنا دیئے گئے۔ ان کے قبیلے والوں نے ان کے جانے پر اعتراض کیا اور جبراً روک لینا چاہا اس پر قرآن حکیم کی یہ آیت اتری۔

لا اکراہ فی الدین

"دین میں زبردستی نہیں ہے۔"

ہتھیاروں کا جو ذخیرہ ان لوگوں نے چھوڑا۔ اس میں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔ اس کے متعلق حکم نازل ہوا۔

وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

"اور اللہ نے اپنے ◆2 رسول کو جو کچھ ان سے مفت میں دلوا دیا تھا اس کے لیے تم نے کچھ دوڑ دھوپ نہیں کی۔ نہ گھوڑوں سے نہ اونٹوں سے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

ابن ہشام ابن اسحاق کا ایک قول نقل کرتے ہیں۔ "جنگ میں جو مال حاصل ہوا یہ اس کی دوسری تقسیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔" گویا صاحب موصوف کے خیال میں مالِ

◆1 حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں "جب یہ قوم ملک شام سے بھاگ کر یہاں آئی تھی تو ان کے بڑوں نے کہا تھا کہ ایک دن تم کو ویران ہو کر پھر شام میں جانا پڑے گا چنانچہ اس وقت اجڑ کر (بعض شام میں چلے گئے اور بعض) خیبر میں رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہاں سے اجڑ کر شام میں گئے۔"

◆2 اور جو مال کو لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر ان سے سو تم نے نہیں دوڑائے۔ اس پر گھوڑے نہ اونٹ لیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔" (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

غنیمت کی تقسیم کا یہ دوسرا حکم ہے۔ آگے چل کر مالِ غنیمت کی شرعی حیثیت کو علمائے امت کے ارشادات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔

بنونصیر کی جلاوطنی کے بعد بنوقریظہ نے آنحضرت ﷺ کی تحریک پر عہد نامے کی تجدید کر دی اور انہیں اسلامی ریاست مدینہ کے معزز شہریوں کی حیثیت سے پورا تحفظ دیا گیا۔ بنونضیر کے بڑے بڑے رئیسوں میں سے ایک حی بن اخطب بھی تھا جس نے جلاوطن ہوتے وقت وعدہ کیا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرے گا لیکن حی بن اخطب اپنا یہ وعدہ بھی پورا نہ کر سکا۔

سفارتی سرگرمیاں:-

مدینہ سے جلاوطن ہونے کے بعد حی بن اخطب، کنانہ بن الربیع، سلام بن ابی الحقیق اور دوسرے نضیری زعماء کا خیبر میں بڑے پرجوش طریقے سے خیر مقدم کیا گیا۔ اور حی بن اخطب کو خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا گیا۔ اور اسلام بن ابی الحقیق نے خیبر کے ایک مضبوط اطم قموص پر قبضہ کر لیا۔ اس طرف سے اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد ان لوگوں نے پورے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کے خلاف اپنی سرگرمیوں کی ابتدا کی۔

سب سے پہلے اسلام بن ابی الحقیق اور حی بن اخطب دوسرے ساتھیوں کا ایک وفد لے کر مکہ معظمہ پہنچے اور قریش مکہ کے ساتھ مذاکرات کا آغاز ہوا۔ یہ وفد چالیس افراد پر مشتمل تھا اور گفتگو خود کعبہ کے سامنے بیٹھ کر ہوئی تھی۔

اسلام سے پہلے قریشِ مکہ اور یہود کے درمیان کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ قریشی مشرک اور بت پرست تھے۔ یہود کو ایک خدائی قانون کے امین اور موحد ہونے کا دعویٰ تھا۔ گو ان میں ایک قبیلہ ایسا تھا جو حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھ کر ان کی پرستش کرتا تھا۔ اب یہ قبیلہ ختم ہو چکا ہے قریش تجارت پیشہ تھے اور تجارتی راستے کے اہم ناکے پر یہود کو اقتصادی برتری حاصل تھی اس لحاظ سے یہ برتری تجارتی مصلحتوں کی وجہ سے مکہ تک وسیع ہو گئی تھی اور

Marfat.com

مکہ کے قریشی کسی حد تک ان سے خائف بھی تھے۔

قیام اور استحکام کی طرف بڑھتے ہوئے اسلام کے تیز قدموں نے ان دونوں کو بڑی حد تک مختلف اندازِ فکر رکھنے والی جماعتوں کو مل جانے کا ایک مشترک پلیٹ فارم دے دیا۔ یہ پلیٹ فارم اسلام دشمنی تھی۔ اسی بنیاد پر غزوۂ احد کے موقعہ پر ابوسفیان کی سفارت کامیاب ہوئی اور بنو قینقاع کا استیصال ضروری قرار پایا۔ اب یہی وہ بنیاد تھی جس پر بنو قریظہ اور قریش کے رؤسا کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ قریش کو ایک بڑا ذہنی شبہ یہ تھا کہ یہودِ اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے مشرکین کی نسبت مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ ان کے کانوں میں وہ تمام باتیں پڑ چکی تھیں جو اسلام کی تعلیم کا لانیفک جزو ہیں اور جن کے مطابق کوئی مسلمان انبیاء علیہم السلام کے متعلق بجز احترام کے کوئی بات اپنے دل میں نہیں لاسکتا۔ دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل یہودیوں کا یہ اعتقاد مشہور و معلوم تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اور یہودی اکثر اس بات کا چرچا کیا کرتے تھے کہ اس بعثت کے بعد یہودی اس کی قیادت میں پورے عرب کو زیر کر لیں گے آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں جس کا انتظار یہود کر رہے تھے۔ اس شبہ کو صاف کر لینے کا یہ موقعہ تھا چنانچہ قریشیوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا۔ اس کے جواب میں یہود کے احبار نے قریشیوں کے ساتھ ساتھ پوری اسلامی دنیا کا ذہن بھی اس بارے میں صاف کر دیا۔ احبار نے فتویٰ دیا کہ ان کے نزدیک قریشیوں کا بت پرستانہ دین اسلام سے بہتر ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ○

Marfat.com

''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں (1) دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ہے۔ وہ بت اور شیطان (2) کو مانتے ہیں اور کافر کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پھٹکار دیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ پھٹکار دے اس کا کوئی حامی نہ پاؤ گے۔''

اس طرح ایک دوسرے کے ذہن صاف ہو گئے۔ اور قریش یہودیوں کے اتحادی کی حیثیت سے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر یہودی زعماء قبیلہ غطفان کے دورے پر نکلے جو خیبر کے نواح کا اہم قبیلہ تھا۔

قریش اور بنو غطفان کے تعلقات:۔

یہودیوں اور قریشیوں کی ریشہ دوانیوں کا پہلا اظہار جو ریکارڈ پر موجود ہے یہ ہے کہ انمار اور تعلبہ نامی قبائل جو ذات الرقاع نام کی پہاریوں پر آباد تھے۔ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ ۴۰۰ صحابہ کو ساتھ لے کر اس علاقہ میں پہنچے۔ آپ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر یہ لوگ بھاگ کر پہاڑیوں میں چھپ گئے۔ اسے غزوۂ ذات الرقاع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابنِ ہشام فرماتے ہیں کہ اس جگہ قبیلہ غطفان کی ایک جماعت سے آمنا سامنا ہو گیا۔ یہ قبیلہ قریش کا بھی حلیف تھا اور خیبر کا قریب ترین ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے یہودیوں کا بھی دوست تھا۔ لشکر اسلام کے بالمقابل آجانے کی وجہ سے دونوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ گو لڑائی نہیں ہوئی تاہم صورت ایسی

(1) ''کیا تو نے نہیں دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا جو مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو کہ یہ لوگ زیادہ راہِ راست پر ہیں مسلمانوں سے۔ یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ نے اور جس پر لعنت کرے اللہ نہ پاوے گا تو اس کا کوئی مددگار۔'' (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

(2) مولانا مودودی اس موقعہ پر لفظ ''جبت'' کا ترجمہ نہیں کرتے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''جبت' کے اصلی معنی بے حقیقت، بے اصل اور بے فائدہ چیز کے ہیں۔ اسلام کی زبان میں جادو، کہانت، جوتش، خالی گیری، ٹونے ٹوٹکے، شگون، مہورت اور تمام دوسری وہمی اور خیالی باتوں کو ''جبت'' سے تعبیر کیا گیا ہے...... پس جبت کا مفہوم وہی ہے جسے ہم اردو زبان میں اوہام کہتے ہیں اور جس کے لیے انگریزی میں SEPERSTITION کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

نازک اور تناؤ اتنا زبردست تھا کہ مسلمانوں نے صلوٰۃ خوف ادا کی۔ اس موقع پر جس طریقے سے نماز ادا کی گئی وہ طریقہ مسلمانوں میں قانون کی حیثیت سے جاری ہے۔ اور عین میدانِ جنگ میں اسی طریقے پر نماز پڑھی جاتی ہے۔

صلوٰۃ خوف:۔

ابن ہشام ابنِ عمر کی روایت بیان کرتے ہیں:

''نمازِ خوف میں امام کھڑا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک گروہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ دشمن کے مقابل کھڑا ہوتا ہے۔ امام پہلے گروہ کو رکوع اور سجود کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھاتا ہے پھر یہ گروہ پیچھے ہٹ کر دشمن کے مقابل جا کھڑا ہوتا ہے اور دوسرا گروہ (نماز کے لیے) جاتا ہے امام ایک رکعت رجوع و سجود کے ساتھ پڑھا دیتا ہے۔ پھر یہ گروہ ایک ایک رکعت بذاتِ خود پڑھ لیتا ہے۔ اسی طرح ان دونوں گروہوں کی نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ ہوتی ہے اور دوسری رکعت وہ بذاتِ خود پڑھ لیتے ہیں۔''

بنو غطفان اور دوسرے قبائل:۔

اس واقعہ کے بعد بنو غطفان کے ساتھ معاہدہ کرنے میں یہود کو کوئی دقت نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ یہ آسانی کے ساتھ مدینے پر حملہ کرنے پر راضی ہو گئے لیکن اس قبیلے کے کچھ اپنے مفاد بھی تھے جو آگے چل کر بار بار آنحضرت ﷺ کے سامنے سیاسی مسائل کے طور پر آئے۔ اس موقعہ پر یہودیوں نے ان مفادات کے سیاسی حل کے طور پر بنو غطفان سے وعدہ کیا کہ خیبر کے محاصل کا نصف اس خدمت کے عوض انہیں ہمیشہ ملتا رہے گا۔

بنو اسد ایک اور قبیلہ تھا یہ غطفان کے حلیف تھے۔ یہ بھی اس اتحاد میں شامل ہو گئے۔ بنو سعد نامی قبیلہ پہلے ہی سے یہودیوں کا حلیف تھا اسے صرف اشارہ کرنے کی ضرورت تھی۔

Marfat.com

غرض کہ مدینہ اور مکہ اور دوسری طرف سے نجد تک کے علاقوں کے قبائل اسلام کا استیصال کرنے کے جنون میں متحد ہو گئے۔ اور ایک لشکرِ گراں تیار ہو گیا جس کی تعداد دس ہزار تھی۔ [1] اس وقت تک عرب کی تاریخ میں اتنا بڑا اور مختلف قبائل پر مشتمل لشکر مرتب نہیں ہوا تھا۔ یہ مختلف جماعتوں (احزاب) کا اجتماع تھا۔ اس لیے مدینے پر اس کے حملے کے نتائج کے متعلق بہت کم لوگوں کو شبہ رہا ہوگا۔

دارالاسلام میں تیاریاں:۔

جیسا کہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کو پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ یہ خبر رسانی کے مضبوط نظام کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ یہ بھی ظاہر ہو گیا ہوگا کہ آپ ﷺ کی عادت میں داخل تھا کہ پہلی خبر ملنے کے بعد اپنے صحابہ میں سے معتمد ترین ساتھی کو تصدیق کے لیے روانہ فرماتے تھے۔ تصدیق کے بعد اگر ضرورت محسوس فرماتے تو جنگی کونسل کا اجلاس طلب کرتے۔ اکثر یہ ہوا کہ اجلاس طلب نہیں کیا گیا بلکہ سپریم کمانڈر کی حیثیت سے فوج کو براہِ راست اقدام کا حکم دے دیا گیا۔ اجلاس طلب ہوتا تو منافقین کی موجودگی کے احساس کی وجہ سے یا اپنے اصل منصوبے کو پوری طرح راز میں رکھنے کی غرض سے اپنی رائے کا اظہار نہ فرماتے۔ یا اگر ضروری ہوتا تو ایسے مبہم اور مختل المعنی الفاظ استعمال فرماتے جن کے بہت سے معنی نکل سکتے تھے اور جن کے استعمال سے منصوبے کے واضح خدوخال سننے والے کی سمجھ میں نہ آتے۔ اسے محدثین ''توریہ'' کی اصطلاح میں بیان کرتے ہیں۔ البتہ مجلسِ مشاورت میں شامل ہونے والے تمام ارکان کے مشورے کو توجہ سے سماعت فرماتے۔ اگر مشورہ پسند خاطر ہوتا تو اسے قبول فرماتے۔ ورنہ مشورہ دینے والے کی دل شکنی کے لیے اس سے اعراض فرماتے۔

اس طریقِ کار کے پیشِ نظر یہ توقع خود بخود قائم ہو جاتی ہے کہ یہود کے سفارتی وفود

[1] شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحقیق کے مطابق یہ تعداد بارہ ہزار تھی۔

Marfat.com

قبائل عرب کے درمیان ''ناپاک اتحاد'' پیدا کرنے کی جو کوششیں کر رہے تھے ان سے مدینہ بے خبر نہ ہوگا۔ ان تمام سرگرمیوں کی پوری نگرانی کی جا رہی تھی۔ چنانچہ اوپر بیان کردہ مختلف غزوات و سرایہ کے پیش نظر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس اتحاد کو توڑنے کی بھی پوری کوشش کی گئی اور مدینہ اس خیال کو باطل کرنے کی پوری جدوجہد کرتا رہا کہ غزوۂ احد میں بعض مسلمانوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے اسلام کمزور ہوگیا اور اس کی قوتِ ضرب میں کمی آگئی ہے۔

اسلام عرب کی لامرکزیت اور لاقانونیت کے لیے اتنا بڑا خطرہ بن گیا تھا کہ کوئی قبیلہ اس کے احساس و خیال سے خالی نہ تھا۔ یہود خیبر کی کوششوں نے اسی احساس و خیال کا استحصال کیا اور جب مدینے کو محسوس ہونے لگا کہ یہ اتحاد ہوگا اور سیلاب آئے بغیر نہیں رہے گا۔ تو مجلس مشاورت طلب کی گئی اور آنحضرت ﷺ نے اس خطرے کو اپنے اصحاب کے سامنے رکھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس مجلس میں عجم کی تمام نیکیوں کے واحد نمائندے تھے آپ ایران کے رہنے والے تھے اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حال سن کر نہایت مشکل سفر کر کے مدینہ میں حاضر ہوئے اور اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ مدینے کے اردگرد خندق کھود لی جائے اور اس کے اندر رہ کر لڑا جائے۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا اور یہ مجلسِ مشاورۃ کے ارکان کے لیے بھی نیا ہوگا لیکن پیغمبرانہ بصیرت نے اس کی مؤثر افادیت کو فوراً محسوس کیا اور اسی کے مطابق عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

آنحضرت ﷺ کا ایک اور اہم پہلو جو پوری دنیا کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص توجہ طلب ہے۔ یہ ہے کہ آپ ﷺ جو فیصلہ فرما لیتے اس پر بڑی سختی سے عمل کرتے تھے۔ اس کے تمام تقاضوں کی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات پر نگاہ رکھتے اور انہیں کسی بھی رکاوٹ کی پرواہ کیے بغیر پورا کرتے تھے۔ دنیا کے ہر بڑے آدمی نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی سنت پر عمل کیا ہے اور اسی کی برکتوں سے تاریخ

Marfat.com

میں نام پیدا کیا ہے۔ خندق کھودنے کا فیصلہ ہوگیا تو اس کی تیاری بھی عادتِ شریف کے مطابق حضور ﷺ کی براہِ راست نگرانی میں ہوئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا مدینہ تین اطراف سے مکانات، پہاڑیوں اور نخلستانوں میں گھرا ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔ صرف چوتھی یعنی شمالی سمت شور زمین کی وجہ سے کھلی تھی۔ اس کھلی جگہ پر خندق کھودی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے خود نشان لگائے۔ کھدائی کے پورے عرصے میں خود موقع پر تشریف فرما رہے اور خود اس کام میں شامل ہوئے۔ گہرائی اور چوڑائی خود متعین کی اور یہ اطمینان کر لیا کہ گھوڑے پھلانگ کر اسے عبور نہیں کر سکیں گے اور حملہ آور اس میں اتر کر دوسری طرف نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس توجہ اور محنت کے ۲۱ یا ۲۲ دنوں کے بعد تقریباً ساڑھے تین میل لمبی خندق تیار ہوگئی تھی جو مقام شیخین سے شروع ہو کر جبل سلع تک آئی تھی اسے غالباً بعد میں بڑھا کر وادی بطحان اور وادیٔ زانونا تک لے جایا گیا۔ اس کی گہرائی اور چوڑائی کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ ایک روایت کے مطابق پانچ فٹ گہری تھی۔ چوڑائی اتنی تھی کہ چند لوگوں کے سوا کفار کے گھوڑے اسے پھلانگنے میں ناکام رہے۔

خندق کو کھودتے وقت بعض ایمان افروز واقعات بھی ہوئے اور کمزور دل منافقین کی بعض دلچسپ کمزوریاں بھی سامنے آئیں۔ مثلاً ایسی چٹانیں بھی آئیں جو بڑے بڑے زور آوروں کی کوشش سے نہ ٹوٹ سکیں لیکن جب پھاوڑہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں آیا تو چٹانیں ضربتِ پیغمبری ﷺ سے تودۂ خاک ہوگئیں۔ بعض لوگ طرح طرح کے بہانے بنا کر دفاع کے اس اہم کام سے جی چراتے اور امیر کی اجازت حاصل کیے بغیر کام سے غیر حاضر ہو جاتے۔ ابنِ ہشام کے مطابق سورۂ نور کی آیات نمبر ۶۲ تا ۶۴ اسی موقع کی مناسبت سے نازل ہوئی ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ

Marfat.com

''پس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس ❶ کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لیے مجمع کیا گیا ہے، تو جب تک آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لیں۔ نہیں جاتے۔''

گویا دفاعی کاموں ❷ میں اطاعتِ امیر کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ اسے آئین کا جزو بنا دیا گیا ہے اس کے لیے ہنگامی حالات کے اعلان کرنے کی ضرورت نہیں اسے قومی زندگی کے جزو کے طور پر خود بخود زیرِ عمل آجانا چاہیئے۔

---

❶ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں: ''ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں۔''

❷ علمائے اسلام ان آیات کے مفہوم کو دفاع تک ہی محدود نہیں فرماتے بلکہ مسلمانوں کے تمام اجتماعی کاموں جمعہ، عیدین، جہاد اور مجالسِ مشاورت تک وسیع کرتے ہیں۔ عام مجالس میں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھنا اس حکم کی پابندی کرنا ہے۔

Marfat.com

باب: ۹

غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق

قرآنِ حکیم میں لشکر کفار کی آمد کی تصویر ان الفاظ میں محفوظ ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○

"جب کہ دشمن [1] اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منہ میں آ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آ گیا۔"

ابن ہشام تصریح فرماتے ہیں:

"جس وقت رسول اللہ ﷺ خندق کی تیاری سے فارغ ہوئے قریش اس وقت تک آ کر جرف اور زغابہ کے درمیان ان سیلوں کے سنگھم پر پڑاؤ ڈال چکے تھے جو بئیر رومہ کی طرف سے آتے تھے۔"

قبیلہ غطفان اور ان کے متعبین نے اُحد کی طرف ذنب نقمی کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا ذغابہ نشیب میں ہے اور ذنب نقمی فراز میں، نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے صورتِ حال واضح ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ خندق کس طرح ناقابلِ تسخیر ثابت ہوئی۔

[1] جب چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب بدلنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکنے لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں وہاں جانچے گئے ایمان والے۔" (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

غزوہ خندق

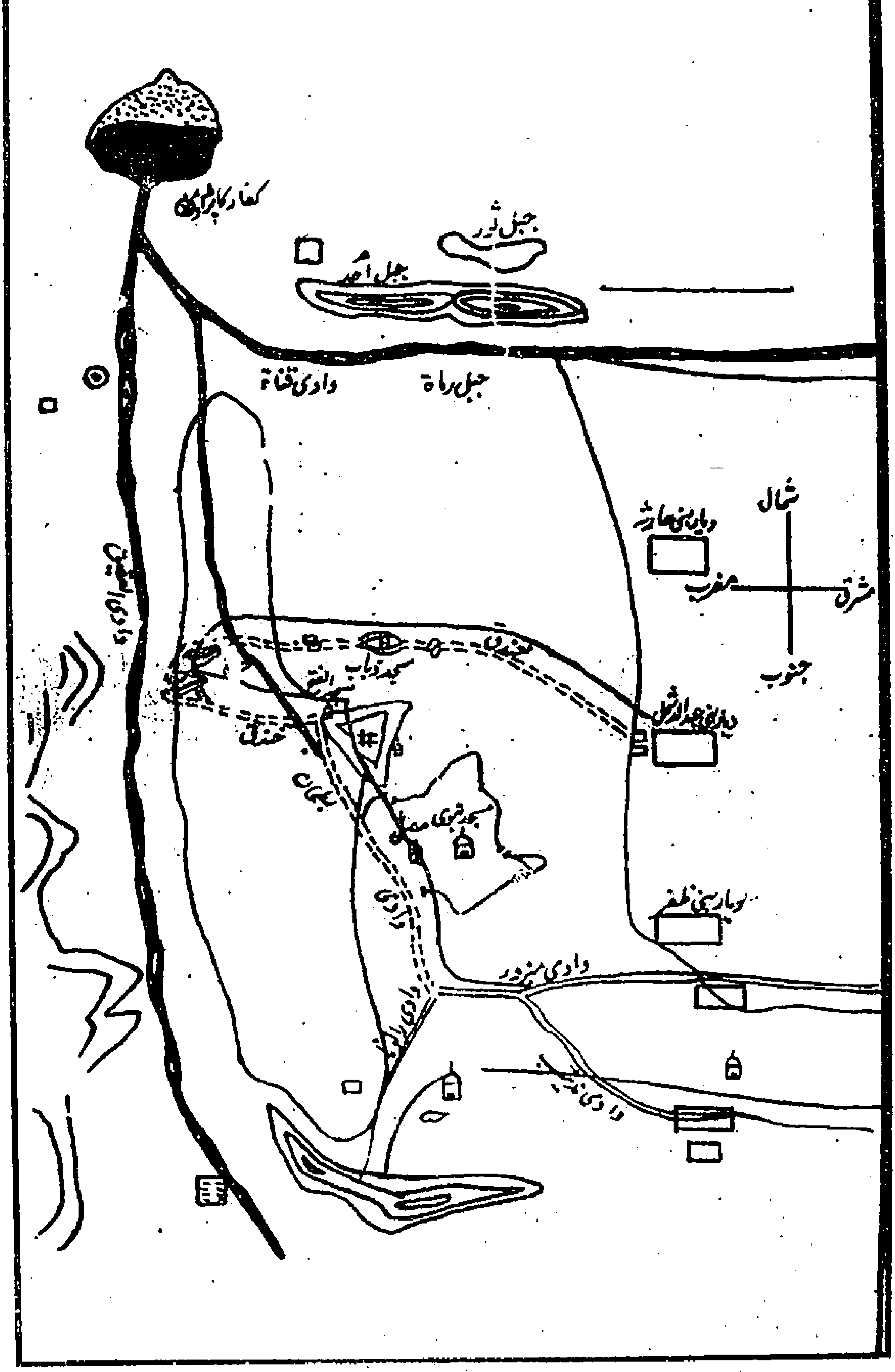

Marfat.com

بنو قریظہ کا نقضِ عہد:۔

اس وقت مدینہ میں یہودیوں کا صرف ایک قبیلہ بنو قریظہ موجود تھا جس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ تجدید عہد کر کے مدینے کی شہریت اختیار کر لی تھی۔ خیبر کے سردار حی بن اخطب نضیری نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد پر ڈورے ڈالنے شروع کیے۔ ابتدا میں کعب اس سازش میں شریک ہونے سے یہ کہہ کر اجتناب کرتا رہا کہ اس نے محمد (ﷺ) کو ہمیشہ صادق القول پایا ہے اور اس کے پاس نقضِ عہد کا کوئی جواز موجود نہیں۔ حیُ بن اخطب نے اصرار کیا اور زور دیا کہ پورا عرب اسلام کے استیصال پر آمادہ ہوگیا ہے اور اب مسلمانوں کے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ کعب بن اسد پھر بھی اپنی بات پر قائم تھا۔ حی نے وعدہ کیا کہ اگر ہم محمد (ﷺ) پر غالب نہ آسکے اور قریش واپس چلے گئے تو حی بن اخطب بنو قریظہ کے ساتھ مدینہ میں رہ جائے گا اور جنگ کا جو بھی نتیجہ ہوا ان کے ساتھ بھگتے گا۔ یہ بات کعب بن اسد پر اثر گئی۔ اور وہ اعلانیہ حملہ آوروں کی حمایت پر آگیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کو اس کی تحقیق کے لیے روانہ فرمایا۔ جانے سے پہلے انہیں حکم دیا کہ اگر خبر غلط ثابت ہوئی تو اس کا عام اعلان کر دیں۔ اور اگر دوسری صورت ہو تو ایسا انداز اختیار کریں کہ عام لوگوں میں بددلی نہ پھیلے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے پوچھ گچھ کی تو کعب بن اسد نے نہایت دیدہ دلیری سے جواب دیا ''کون محمد (ﷺ) اور کیسا عہد نامہ۔ ہم کسی کو نہیں جانتے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس خبر کو ملفوف انداز میں آنحضرت ﷺ تک پہنچا دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن کی فوج کا ایک بڑا حصہ خود خطِ دفاع کے اندر موجود ہے۔

منافقین:۔

ان سب پر مستزاد [1] منافقین کی جماعت تھی جو مختلف قسم کی افواہیں پھیلا کر بددلی

[1] اس جماعت کی بڑی واضح تصویروں کے لیے سورۂ احزاب کا مطالعہ کیجئے۔ اس ہم عصر ریکارڈ میں اس طبقے کی صاف شکل نظر آجائے گی۔

Marfat.com

پھیلانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ان افواہوں کا اثر عجیب عجیب انداز اختیار کر رہا تھا۔ ابن ہشام ایک صاحب معتب بن قشیر کا ذکر کرتے ہیں جو خود ابنِ ہشام کی روایت کے مطابق اصحاب بدر میں سے تھے اور منافق قرار نہیں پاسکتے۔ ابن ہشام ہی ان کی طرف یہ الفاظ منسوب کرتے ہیں۔''محمد (ﷺ) تو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو ہڑپ کر جائیں گے۔مگر اس وقت حالت یہ ہے کہ کوئی شخص بیت الخلاء میں بھی [1] اطمینان سے نہیں جاسکتا۔''

ایک دوسرے صاحب اوس بن قیظی ہیں ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرے گھر دشمن کی مخدوش سرحد پر واقع اور مدینہ سے باہر ہیں۔اس لیے گھروں کی حفاظت کے لیے جانے کی اجازت دی جائے۔قرآن حکیم میں بھی اس قسم کی گذارشات پیش کرنے والوں کے متعلق اشارے ملتے ہیں:

يَقُولُونَ اِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا

''کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں بلکہ ان کو [2] بھاگنا مقصود ہے۔''

مسلمانوں کے حوصلے:۔

سرحدوں پر وقت کی سب سے بڑی فوج کا اجتماع اور شہر کے اندر یہ حالت کہ آبادی کا ایک بڑا حصہ عناد پر مائل ہے اور جو دشمن نہیں ان میں سے بھی کچھ ایسے ہیں جن کے دل اور جن کا ایمان متاثر ہو کر کسی حد تک متزلزل ہو گیا ہے۔ یہ خاصی تشویش انگیز صورتِ حال

---

[1] حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اس موقع پر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اب بھی ناامیدی کے وقت بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔

[2] حضرت شیخ الہند اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں:''کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے۔ان کی کوئی غرض نہیں مگر بھاگ جانا۔''

Marfat.com

ہے۔ ایسی صورت میں ہاتھ پیر کا پھول جانا کوئی بڑی بات نہیں اور تاریخ ایسے ایک نہیں متعدد واقعات سناتی ہے جس میں انسانی کمزوریاں جرأت و بسالت پر غالب آ گئیں۔ اور قومیں فنا کے گھاٹ اتر گئیں۔ لیکن یہاں صورت دوسری تھی۔ اللہ کے پیارے رسول اللہ ﷺ اپنے مشن کی سچائی پر کامل ایمان رکھتے تھے اور پہاڑ کی طرح اس پر قائم تھے۔ وہ مسلمان جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کامل یقین تھا اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ دشمن کی طرف سے جو کچھ بھی ہو اللہ کے وعدے سچے ثابت ہوں گے۔ اس ایقان نے انہیں بھی غیر متزلزل اور ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔ قرآنِ حکیم میں اس کی خوبصورت تصویر موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۚ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا

''جب مسلمانوں [1] نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور رسول ﷺ نے کیا تھا اور خدا اور اس کا رسول ﷺ دونوں سچے تھے اور اس بات نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بڑھا دیا۔''

وحی کے ذریعہ محفوظ کردہ اس ریکارڈ کی عملی تصویر ایک واقعہ میں نظر آتی ہے جس کے ہیرو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ ہیں۔ محاصرے کی سختی کو دیکھ کر ایک موقعہ پر آنحضرت ﷺ کو یہ خیال بھی آیا کہ محاصرے کا زیادہ بوجھ انصار پر ہے ایسا نہ ہو کہ کسی موقعہ پر وہ ہمت ہار دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کوشش کی کہ کفار کے لشکر سے قبیلۂ غطفان کو توڑ لیا جائے۔ مذاکرات بڑی حد تک کامیاب ہوئے اور قبیلۂ غطفان خفیہ طور پر اس شرط پر معاہدہ کرنے کو تیار ہو گیا کہ مدینہ کی پیداوار کا تیسرا حصہ ان کو دے دیا جائے۔ معاہدہ لکھ لیا گیا۔ اس پر دستخط ہونے باقی تھے کہ آنحضرت ﷺ نے روسائے انصار سے مشورہ کرنا چاہا۔ چنانچہ

[1] ترجمہ از حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: ''اور جب دیکھی مسلمانوں نے فوجیں، بولے یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اور ان کو اور بڑھ گیا یقین اور اطاعت کرنا۔''

Marfat.com

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ طلب کیے گئے اور ان کے سامنے یہ منصوبہ رکھا گیا یہ قوتِ ایمانی کا بہت بڑا امتحان تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یہ معاہدہ از روئے وحی کیا جارہا ہے یا اس سے مقصود ہماری دلجوئی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ حکمِ الٰہی نہیں ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ہم جب کفر کی حالت میں تھے اس وقت بھی کوئی ہم سے خراج طلب کرنے اور حاصل کرنے کی جرأت نہیں کر سکا تھا۔ اب تو اسلام نے ہمارا مرتبہ بہت بلند کر دیا ہے ان لوگوں سے جو کچھ بن پڑتا ہے کر گزریں۔ یہ عرض کر کے معاہدے کو پکڑا اور اس پر لکھی ہوئی تحریر مٹا دی۔

شہر کی دفاع کے انتظامات:-

آنحضرت ﷺ نے شہر کے دفاع کے لیے جو انتظاماتِ فرمائے ان کی تفصیل میجر جنرل محمد اکبر خاں نے سیرت کی مختلف کتابوں سے اخذ کر کے ان لفظوں میں پیش کی ہے:

> ''آنحضرت ﷺ نے چند انصار اور مہاجرین صحابہ کو ساتھ لے کر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے چاروں طرف کے علاقے کا معائنہ فرمایا۔ تاکہ مختلف آطام میں جتنی عورتیں، بچے اور حویشی رکھنے کی تجویز ہو اسی کے مطابق خوراک وغیرہ کا انتظام کیا جائے۔ اس کے علاوہ مختلف مقامات پر مجاہدین کے لیے پڑاؤ چنے گئے۔ شہر کی طرف جس قدر باغات اور ان کے گرد احاطے تھے ان کو بغور دیکھ کر اور دشمن کے نفوذ کے امکانات کو مدنظر رکھ کر طرح طرح کی مزاحمتیں پیدا کی گئیں۔ ایسے تنگ راستوں پر جہاں ایک وقت میں ایک اونٹ چل سکتا تھا چوکیاں مقرر کی گئیں اور ان کو قلعہ بند کر دیا گیا تاکہ دشمن تنگ گلیوں کو بھی استعمال نہ کر سکے...... سامانِ رسد میں سدب سے اہم مسئلہ پانی تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا بھی معقول انتظام فرمایا تمام کنوؤں کا جائزہ لے کر پانی کی حفاظت وفراہمی کا پورا پورا بندوبست کیا اور ذہاب میں

Marfat.com

ایک نیا کنواں کھدوایا...... خندق کے دروازے مقرر کیے گئے اور ہر دروازہ پر ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی محافظ رکھا گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کو ان سب کا سردار بنا کر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اگر لڑائی ہوتی دیکھیں تو لڑنا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ اونچی اونچی چٹانوں اور آطاموں پر تیرانداز مقرر کیے تا کہ دشمن کو خندق پار نہ کرنے دیں۔''

لشکرِ اسلام کی تقسیم:۔

لشکرِ اسلام کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی۔ جبلِ سلع اس کا ہیڈ کوارٹر مقرر ہوا۔ آنحضرت ﷺ کا خیمہ جبلِ ذباب اور جبلِ سلع کے درمیان ایک محفوظ مقام پر لگایا گیا۔ جہاں اب بطور یادگار ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ان حصوں میں سے گشت کے لیے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجے جاتے تھے۔ تیرانداز اپنے اپنے مورچوں پر مستعد کر دیئے گئے۔ ماتحت سرداروں کے دستے جنگی اہمیت کے مختلف مقامات پر متعین تھے۔ فوج کا بڑا حصہ براہِ راست آنحضرت ﷺ کی کمان میں تھا تا کہ بوقتِ ضرورت موقع پر کمک کے لیے بھیجا جا سکے۔

غرض رب اکبر کے سچے وعدوں کی سچائی پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے ہر وہ تیاری کی جو دفاعی جنگ کے لیے ضروری تھی ان تمام مادی وسیلوں کو بہترین طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کی جو حاصل ہو سکتے تھے اس کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیا گیا۔

محاصرے کے دن:۔

محاصرہ تقریباً ایک مہینہ جاری رہا۔ ایک تخمینہ اکیس بائیس دن ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی تقریباً بیس یا پچیس روز کا اندازہ کرتے ہیں۔ اس عرصے میں مسلمانوں پر بعض صبر آزما اور امتحان طلب لمحات بھی آئے۔ منافقین دل چھوڑتے اور اپنی بزدلی اور کم

Marfat.com

ہمتی کو دوسروں میں بھی پھیلانے کی کوشش کرے۔ سامانِ رسد میں دن بدن کمی ہوتی جارہی تھی۔ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول سخت جاڑے کا موسم تھا۔ غلہ کی گرانی تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء اس حد تک معدوم ہوگئی تھی کہ کئی کئی دن کے فاقے آنے لگے۔ ایک دن صحابہ نے بے تاب ہوکر آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں جب آپ ﷺ نے کرتہ ہٹایا تو شکم اطہر پر دو پتھر بندھے تھے۔ مولانا شبلی نعمانی شمائلِ ترمذی کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک کی حالت میں پیٹ پر پتھر باندھتے تھے جس سے کمر نہیں جھکنے پاتی تھی۔

ایک دفعہ محاصرہ اس قدر شدید اور پرخطر ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے۔ یہ سوال تین دفعہ دہرایا گیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی نے اس خطرے میں کودنے کی حامی نہیں بھری۔ اس جرأت مندی کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ''حواری'' کا لقب عطا فرمایا۔

بنو قریظہ شہر کے اندر دفاع کے ایک اہم نقطے پر موجود تھے۔ ان کی طرف سے ہر وقت خطرہ تھا۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں بتاتے ہیں کہ ان سے دفاع کے لیے ۲۰۰ آدمیوں کا ایک دستہ معین تھا۔ مستورات جس اطم میں پناہ گزین تھیں۔ وہ قریظہ کی آبادی کے قریب واقع تھا ایک موقعہ پر یہودیوں نے دیکھا کہ پورا لشکر آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے اور اطم غیر محفوظ ہے تو انہوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ ایک یہودی تو اس کے پھاٹک تک آپہنچا۔

آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمے کی چوک مار کر اس کا سر پھاڑ ڈالا اور سر کاٹ کر اطم کے نیچے پھینک دیا۔ قریظہ مرعوب ہوگئے اور یہ سمجھ کر پلٹ گئے کہ اطم کی حفاظت کے لیے فوجی دستہ موجود ہے۔

محاصرین ہر روز خندق پھاندنے کی اکا دکا کوششیں کرتے۔ ناکام ہوجاتے تو تیر اور پتھر برساتے۔ مختلف دستے خندق کے مختلف اہم حصوں پر متعین تھے۔ یہ دستے ان کا دفاع کرتے کچھ دنوں کے بعد کفار نے جنگ کرنے کے دن اپنے بڑے بڑے سرداروں میں بانٹ

Marfat.com

لیے۔ ہر جرنیل اپنی اپنی باری حملہ آور ہوتا۔ خندق کو عبور کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتا تیر اور پتھر کی بارش کرتا اور شام کو تھک ہار کر واپس چلا جاتا۔ اس طرح ابوسفیان، خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب وغیرہ نے ناکام کوششیں کیں۔

جب اس سے بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو کفار نے ایک دن عام حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور خندق پر ہجوم کر آئے۔ خندق کا ایک حصہ اتفاقاً کم عریض تھا۔ یہی ہدف قرار پایا اور قریش کے اکثر بڑے بڑے سردار یعنی ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدودّ کے گھوڑوں نے خندق پار کر لی۔ ابن عبدودّ کی عمر نوے سال کی تھی۔ جنگِ بدر میں زخمی ہو کر مکہ کو لوٹا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لے لے، سر میں تیل نہیں ڈالے گا۔ وہ اس قسم کو پورا کرنے کے لیے خندق کے پار پہنچا اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آگے بڑھے، اور ابن عبدودّ کا سر پرغرور خاک وخون میں لوٹ گیا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحقیق ہے کہ عبدودّ ایک ہزار سواروں کے برابر گنا جاتا تھا۔ اس کے قتل کے بعد ''مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار (؟) لے کر اس کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تم لے جاؤ ہم مردوں کا ثمن (قیمت) کھانے والے نہیں ہیں۔'' اس کے بعد ضرار اور جبیرہ نے مقابلہ کی کوشش کی لیکن حیدری یلغار کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے اور بھاگ گئے۔ نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ مسلمانوں نے تیروں پر رکھ لیا تو پکارا ''مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ خندق میں اترے اور ذوالفقار نے اسے شریفانہ موت بخشیں میں عطا کر دی۔

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تیروں اور پتھروں کی گھٹا برس رہی تھی۔ اسی دن آنحضرت ﷺ کی کچھ نمازیں قضا ہوئیں۔ محدثین کا اس باب میں سخت اختلاف ہے کہ ایک نماز قضا ہوئی تھی یا چار۔ اور اگر چار قضا ہوئیں تو ایک ہی دن میں ہوئیں یا کئی دنوں میں ملا کر۔ لیکن اس شدید حملے سے بھی کفار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

Marfat.com

کفار کی پسپائی:۔

محاصرہ جس قدر لمبا ہوتا جاتا خود محاصرین کی ہمت جواب دیتی جاتی۔ اس کی کئی وجوہ تھیں۔ دس ہزار آدمیوں کو کھانا کھلانا آسان کام نہ تھا اس لیے رسد میں کمی آنے لگی۔ حملے کی کوئی تجویز کارگر نہ ہو سکی اور خندق کے مقابلے میں ہر کوشش ناکام ہو گئی۔ موسم سردی کا تھا۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں پہلی جنگ عظیم کے دوران میں اس علاقے میں رہ چکے ہیں وہ اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر موسم کے ناقابلِ برداشت شدائد کا ذکر کرتے ہیں۔ ان وجوہ نے مل کر محاصرین کو پریشانی کر دیا تھا۔

اس کے ساتھ حالات نے ایک اور پلٹا کھایا۔ یہودیوں اور قریش کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں اور وہ اتحاد ختم ہو گیا جو اس اجتماع اور حملے کا سبب بنا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق مختلف روایات موجود ہیں لیکن مولانا سیّد سلیمان ندوی مغازی موسیٰ بن عقبیٰ اور ابنِ اثیر کے حوالے سے اس روایت کو صحیح تر قرار دیتے ہیں کہ بنو قریظہ نے اس جنگ میں اسی شرط کے ساتھ شرکت کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر کچھ آدمی ان کے سپرد کر دیں۔ قریش نے معاہدے کی اس شرط کو پورا نہیں کیا جس کی وجہ سے بنو قریظہ اور قریش کے درمیان بے اطمینانی پیدا ہو گئی۔ بنو قریظہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رازدارانہ پیغام بھیجا کہ اگر بنو نضیر کو مدینہ میں واپس آنے کی اجازت دے دی جائے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنے پر تیار ہیں۔ اتفاق سے اتحادیوں ہی کے ایک قبیلہ غطفان کے ایک خاندان ثقف کے رئیس جناب نعیم بن مسعود مسلمان ہونے کی غرض سے دربارِ نبوت میں حاضر تھے۔ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ نعیم پیٹ کے کچھ ہلکے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے ہریظہ کی پیش کش رازداری کے طور پر ان سے کہہ دی۔ وہ یہاں سے گئے تو قریظہ کی خفیہ کوششوں کی خبر قریشی لشکر گاہ میں عام ہو گئی۔ دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ لشکر بددل ہو گیا اور بنو قریظہ اور قریش کا اتحاد ٹوٹ گیا۔

Marfat.com

ان سب پر مستزاد زور کی ہوا چلی۔ ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور چولھوں پر رکھے ہوئے دیگچے الٹ گئے۔ قرآن حکیم نے اس طوفان کو عسکرِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ط

''مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ تم پر فوجیں آپڑیں تو ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں [1] جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔''

یہ وہ آخری عمل تھا جس نے لشکرِ اعداء کے پیر اکھاڑ دیئے۔ ابوسفیان نے اعلان کیا کہ ''رسد ختم ہو چکی۔ یہود نے ساتھ چھوڑ دیا۔ موسم کا یہ حال ہے اس لیے محاصرہ بے کار ہے۔'' اس اعلان کے بعد طبلِ رحیل بجا اور وہ لشکر جو اسلام کے استیصال کے عزم کے ساتھ اپنے پر حملہ آور ہوا تھا۔ ناکام و نامراد واپس ہونے لگا۔ قریش نے مکہ کا رخ کیا۔ بنو غطفان اپنے علاقوں کو پلٹے۔ بنو قریظہ اپنے آطام میں سمٹ گئے۔ مولانا شبلی نعمانی کے لفظوں میں ''مدینہ کا افق ۲۰۔۲۲ دن تک غبار آلود رہنے کے بعد صاف ہو گیا۔''

قرآن حکیم میں یہ ریکارڈ محفوظ ہے:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ط وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ط وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا

''اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ [2] ہاتھ نہ آیا اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آئی۔

---

[1] حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فرمایا ہے: ''اے ایمان والو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں۔''

[2] .... اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے ہوئے۔ ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی اور اپنے اوپر لے لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی۔ (حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

بنو قریظہ کا استیصال:۔

بنو قریظہ مدینہ کے پہلو میں اپنی بستی کے اندر قلعہ بند ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے عساکر اسلام نے قریظہ کی طرف پیش قدمی کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آگے بھیجا گیا کہ اگر بنو قریظہ معقول شرائط پر پرامن بقائے باہمی رضا مند ہو سکیں تو ان کی عہد شکنی اور کھلی دشمنی کو بھی نظر انداز کر دیا جائے۔ لیکن بنو قریظہ دشمنی پر اٹل تھے۔ انہوں نے دوستی کے جواب میں آنحضرت ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ لوٹ آئے لشکر اسلام نے بستی کا محاصرہ کر لیا۔

تقریباً ایک ماہ تک محصور رہنے کے بعد بنو قریظہ کی طرف سے گفتگو کی سلسلہ جنبانی ہوئی اور فریقین اس بات پر رضا مند ہو گئے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ جو فیصلہ دیں وہ دونوں کو منظور ہوگا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قبیلہ اوس، بنو قریظہ کا حلیف تھا اور یہ رشتہ عرب میں مہتم بالشان رشتوں میں ہوتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے توریت کے احکام کے مطابق فیصلہ دیا مولانا شبلی نعمانی تورات کی کتاب تثنیہ باب اصحاح ۲۰ کی آیت دس نقل کرتے ہیں:

> ''جب کسی شہر پر تو حملہ کرنے کو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لیے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں، سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں، سب تیرے لیے مالِ غنیمت ہوں گی۔''

اس آیت کی روشنی میں حضرت سعد کا فیصلہ تھا کہ وہ لوگ جو لڑنے کے قابل ہیں قتل کر دیئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال واسباب کو غنیمت قرار دیا جائے۔

Marfat.com

یہودی قریظہ نے خود بھی اس فیصلے کو حکمِ الٰہی کے موافق سمجھا اور اسے اس شعور کے ساتھ بقول کیا کہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

خادمانِ سیرت کے مطابق مقتولین کی تعداد ۶۰۰ ہے۔ محدثین چار سو بتاتے ہیں۔ ان میں ایک عورت بھی شامل تھی۔ جو ایک مسلمان کے قتل کے قصاص میں قتل کی گئی۔ مسلمان مقتول کا نام خلاد بتایا جاتا ہے۔

غزوۂ احزاب ذوقعدہ ۵ھ یا مارچ ۶۲۷ء میں ہوا۔

Marfat.com

باب ۱۰:-

دورِ فتوحات

غزوۂ احزاب متحدہ عرب قبائل کی اسلام دشمنی کا نقطۂ عروج تھا۔ اس میں شکست نے اتحادیوں کو ہمیشہ کے لیے منتشر کر دیا۔ وہ جب اپنے علاقوں کو لوٹے تو ایک دوسرے سے دل برداشتہ اور ایک دوسرے کے شاکی تھے۔ گویا خود مختار اور بڑی حد تک ایک دوسرے سے بیزار سیاسی اکائیوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ "اسی جنگ میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے۔" دوسرے لفظوں میں اسلام پر اس دور کا دروازہ کھل گیا ہے جس کو فتوحات کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں ہونے والے سیرت سے متعلق واقعات کی تاریخی ترتیب حسب ذیل ہے:

① بنو قریظہ کے استیصال کے چند ماہ بعد یعنی ذوقعدہ ۶ھ (فروری ۶۲۸ء) میں حدیبیہ کے مقام پر قریش کے ساتھ صلح نامہ لکھا گیا جسے خادمانِ سیرت صلحِ حدیبیہ اور بیعت رضوان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

② صلحِ حدیبیہ کے چند ماہ بعد یعنی اواخر ۶ھ یا اوائل ۷ھ میں خیبر فتح ہو گیا اور یہود کی طاقت توڑ دی گئی۔

③ رمضان ۸ھ یا جنوری ۶۳۰ء میں یعنی فتحِ خیبر کے تقریباً ایک سال بعد مکہ فتح ہوا اور قریش کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔

④ اس کے فوراً بعد حنین اور طاس اور طائف کے غزوے ہوئے اور فتح مکہ کے چند ماہ

Marfat.com

کے اندر اندر وہ تمام بڑے قبائل جو اپنے آپ کو قریش کا ہم سر سمجھتے تھے فتوح بنا لیے گئے اسی طرح قبائل عرب کی وہ طاقت جو خود مختار سیاسی اکائیوں کی حیثیت میں پریشان کن ثابت ہوتی اور متحد ہو کر خطرناک بن جایا کرتی تھی قطعی اور حتمی طور پر ختم کر دی گئی۔

اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ نے بیرونی دنیا میں بھی قوت اسلامیہ کا تعارف کرایا کہ آپ ﷺ کا مشن عالمگیر تھا اور اگر اسلام کی عالمی حیثیت کی بنیادیں شارحِ اسلام کے مبارک ہاتھوں سے نہ رکھی جاتیں تو آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل نہ ہوتی اسلام کی عالمی حیثیت کی ابتدا تین حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے جن کی تاریخی ترتیب حسب ذیل ہے۔

① صلحِ حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے ہمسایہ ممالک کے سلاطین حکمرانوں کو مراسلات روانہ کیے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔

② مراسلات کا پہلا ردّعمل شام میں دربارِ نبوت ﷺ کے سفیر کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا یہ فتح خیبر کے بعد کا واقعہ ہے۔ موتہ کی مہم اسی قتل کا نتیجہ تھی۔

③ فتح مکہ کے بعد ۹ ھ میں آنحضرت ﷺ کی قیادت میں ۳۰ ہزار جانبازوں پر مشتمل ایک لشکرِ جرار شام کے علاقہ میں پہنچا۔ شام عظیم سلطنتِ روم کے "سیاسی وفاداروں" کے منطقے میں شامل تھا۔ اسے غزوۂ تبوک کے نام سے یاد رکھا گیا ہے۔

موجودہ سطور میں اس تاریخی ترتیب کی پابندی ممکن نہ ہوگی۔ اور واقعات کو تین علیحدہ علیحدہ حصوں میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ ان کی اہمیت اور ان کے اثرات کا مکمل اندازہ ممکن ہو سکے۔

Marfat.com

① یہودیوں کی شکست

یہودیوں کی شکست تاریخ میں فتحِ خیبر کے زیرِعنوان بیان ہوئی ہے:

خیبر مدینہ سے آٹھ منزل یعنی تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر ایک زرخیز نخلستان کے کنارے آباد ہے۔ اس میں متعدد آطام تھے جو بے حد مضبوط ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تسخیر سمجھے جاتے تھے۔ ان کی وجہ سے خیبر ایک محفوظ مقام سمجھا جاتا تھا اس لیے عرب میں یہودی آبادی کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ بنو قینقاع نے مدینہ سے جلاوطن ہونے کے بعد خیبر ہی میں پناہ لی تھی۔ اس کے بعد بنو نضیر نے مسلمانوں سے شکست کھانے کے بعد جب جلاوطنی اختیار کرنے کی شرط پر رہائی حاصل کی تو خیبر ہی ان کے لیے پناہ گاہ تھا اور جیسا کہ بیان ہوا بنو نضیر کے رؤوسا یہاں خیبر کے رئیس بنائے گئے اور انہیں ہر طرح سے مدد بہم پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ ان لوگوں نے قریش کے ساتھ سازشیں کر کے مدینہ پر حملہ کیا۔ یہ حملہ ایک طویل سیاسی گٹھ جوڑ مذاکرات اور سفارتی وفود کے تبادلے کا نتیجہ تھا۔ اس طرح خیبر نے کم از کم سیاسی طور پر ایک ایسی اہمیت اختیار کر لی جو اس سے پہلے اسے حاصل نہ تھی۔ مکہ مشرکین کی سیاسی سرگرمیوں اور حربی تیاریوں کا مرکز تھا تو خیبر اس کے مقابلے میں یہود کی سرگرمیوں اور تیاریوں کا مرکز بنا۔

غزوۂ احزاب میں اتحادیوں کی ہزیمت اور پسپائی کی وجہ سے خیبر کی یہ اہمیت کم نہ ہوئی بلکہ زیادہ ہوگئی۔ اب وہ ایک علیحدہ اور خود مختار اکائی تھی جسے یہود عرب کی نمائندہ حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ اس اہمیت کے پیشِ نظر یہود نے اپنے سرداروں کے انتخاب میں بڑی احتیاط کرنی شروع کر دی۔ حی بن اخطب متعدد مصلحتوں کی بنا پر خیبر کا سردار منتخب ہوا تھا لیکن جب وہ مدینہ میں بنو قریظہ کے بدعہدوں کے ساتھ قتل ہوا تو بنو نضیر ہی کا دوسرا بڑا رئیس ابورافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا۔ ابورافع بہت بڑا تاجر اور بااثر آدمی تھا۔ اس نے منتخب ہوتے

Marfat.com

ہی قبیلہ غطفان کا دورہ کیا تا کہ اسلام کے خلاف صف آراء ہونے کے عہد کی تجدید کرالی جائے۔ ابنِ سعد کے الفاظ میں ''ابورافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا تھا۔ اور ایک بہت بڑی بھیڑ آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لیے جمع کی۔''

آنحضرت ﷺ کو ان تیاریوں کا علم ہوا تو ایک خزرجی انصاری حضرت عبداللہ بن عتیک نے آنحضرت ﷺ کے ایما سے اسے قتل کر دیا۔ ابورافع رمضان ۶ھ میں یعنی غزوۂ احزاب کے بعد اور صلح حدیبیہ (ذوقعدہ ۶ھ) سے پہلے قتل ہوا۔ یہ قتل کے وقت اپنے اطم میں بے خبر سو رہا تھا۔ گویا ابورافع سلام بن ابی الحقیق رئیس خیبر اسلام کے گوریلا اقدام کا شکار ہوا اور خیبر کی تیاریوں میں تاخیر پیدا ہوگئی۔

خیبر کی تیاریوں میں تاخیر کے زمانے میں حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان ایک اہم صلح نامہ رکھا گیا ہے جس کے اہم پہلوؤں کا ذکر آگے ہوگا۔ یہودیوں پر اس عہد نامے کا اثر یہ ہوا کہ یہود اور مشرکین مکہ کے درمیان دوبارہ اتحاد قائم ہونے کے امکانات اس وقت تک معدوم ہو گئے۔ جب تک مشرکین نقضِ عہد کرنے کا خطرہ مول لینے پر تیار نہ ہوں۔

اس اثنا میں یہود نے ابی الحقیق کا جانشین منتخب کیا۔ نئے رئیس کا نام اسیر بن رزام تھا۔ گویا خیبر کی ریاست بنو نضیر کے خاندان سے نکل گئی۔ ممکن ہے یہ صورت اتفاقی ہو۔ لیکن راقم اس بات کو نوٹ کیے بغیر آگے نہیں چل سکتا کہ مشرکینِ عرب اور یہود کے درمیان اتحاد کے سب سے بڑے محرک بنو نضیر کے رؤ وسا تھے جن میں حی بن اخطب کا نام سرِفہرست ہے۔ صلحِ حدیبیہ کے بعد خیبر کی سیاست و امارت کا بنو نضیر سے نکل جانا سیاسی طور پر یہود اور مشرکین کے اتحاد کے حتمی خاتمے کا اعلان بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

بہرحال نئے رئیس نے قوم کو جمع کیا اور ایک خطبہ دیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ میرے پیش روؤں نے محمد (ﷺ) سے عہدہ برآ ہونے کے جتنے منصوبوں پر عمل کیا ہے وہ بنیادی طور پر غلط تھے۔ اصل طریقہ براہ راست اسلام کے ہیڈ کوارٹر یعنی مدینہ پر حملہ کر دینا ہے اور میں یہی کروں گا۔

Marfat.com

قوم سے اجازت بلکہ مینڈیٹ (MENDATE) حاصل کرنے کے بعد نئے رئیس نے ایک دفعہ پھر غطفان اور دوسرے بڑے قبائل کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ مدینہ کے منافقین ایک دفعہ پھر سرگرم عمل ہوئے۔ مسلمانوں کی ہر نقل و حرکت کی خبریں خیبر میں پہنچنے لگیں۔ اس کے علاوہ ابی بن سلول اور دوسرے لوگوں نے خیبر والوں کی حوصلہ افزائی میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ انہیں بار بار کہا جاتا کہ مسلمان ایسے ہی ناقابلِ تسخیر نہیں ہیں اور وہ یہود کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاعات ملیں تو آپ ﷺ نے تحقیقِ احوال کے لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو خیبر روانہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ پوشیدہ رہ کر خود اسیر کے منہ سے اس کے منصوبے سننے میں کامیاب ہوئے اور واپس آکر انہیں آنحضرت ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔ دربارِ نبوت سے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کو حکم ہوا کہ تیس آدمیوں کا وفد لے کر خیبر جائیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اسیر کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جائے اور آبرومندانہ صلح کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ لیکن اسیر صرف سخت دل ہی نہیں شکی مزاج بھی واقع ہوا تھا۔ اس نے مسلمانوں کی نیت کو غلط سمجھا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کی تلوار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ تلوار پر قبضہ کرنے کی کوشش قتل کی نیت کے سوا اور کچھ نہ سمجھی جا سکتی تھی۔ اسیر بن رزام اور اس کے ۳۰ میں سے ۲۸ ساتھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ اور ان کے ۳۰ ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔

بہت ممکن ہے یہودی اس واقعہ کے بعد سہم کر بڑا فساد پیدا کرنے سے رک جاتے اور معاملہ کسی دوسرے طریقے سے خوش اسلوبی کے ساتھ طے ہو جاتا لیکن مدینہ کے منافق اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ تاریخ میں عبداللہ بن ابی سلول کا یہود کے نام یہ پیغام محفوظ ہے کہ محمد (ﷺ) تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن تم ہرگز نہ گھبرانا یہ مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار بھی نہیں۔ یہ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس سے یہود کی ہمت بڑھی۔ کنانہ اور ہودہ نامی دو یہودیوں پر مشتمل ایک سفارت ترتیب دی گئی۔ جس نے پھر غطفان کے ساتھ مکالمات کی ابتداء کی۔ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ گو عام روایتوں میں یہی

Marfat.com

ہے کہ غطفان نے مسلمانوں کے خوف سے اس سفارت کو منظور کرنے سے انکار کر دیا لیکن ان کی ناطرف داری پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سید صاحب مرحوم تاریخ خمیس کی اس روایت کو قبول کرتے ہیں کہ معاوضے میں نخلستان کی نصف پیداوار لینے کی شرط پر بنو غطفانِ یہود کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے تھے۔

بنوغطفان کی ایک شاخ بنو فزارہ تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ خیبر والے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہے ہیں تو وہ از خود خیبر میں آئے اور انہوں نے اس میں شریک ہونے کی پیش کش کی۔ جسے ظاہر ہے بڑی بے تابی کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے بنو فزارہ کو باز رکھنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی بات پر اڑ گئے تھے۔

چنانچہ بنوغطفان کے قبیلے کے چند آدمیوں نے عبدالرحمٰن بن عینیہ کی قیادت میں اس چراگاہ پر چھاپہ مارا۔ جو آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں کے لیے مخصوص تھی۔ آج کی زبان میں دشمن نے سرکاری چراگاہ پر چھاپہ مارا اور سرکاری اونٹنیاں ہنکا لے گئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ان اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے۔ ان لوگوں نے انہیں بھی قتل کر دیا۔ اور ان کی حرم محترم کو قیدی بنا لیا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا تو یہ لوگ درّہ میں گھس گئے۔ جہاں قبائل غطفان کا سپہ سالار عینیہ بن حصن ان کی حفاظت کے لیے موجود تھا۔ ایک صحابی سلمہ رضی اللہ عنہ بن الاکوع ماہر تیر انداز تھے۔ انہیں معلوم ہوا تو جھپٹ کر پہنچے۔ اس وقت یہ لوگ جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ انہوں نے تیروں کی بارش اس تیزی سے کی کہ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ گئے اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ تمام اونٹنیوں کو ہانک لائے۔

سرکاری چراگاہ جس مقام پر واقع تھی اسے ذی قرد کہا جاتا ہے۔ اس نسبت سے اسے واقعہ ذی قرد کے عنوان کے تحت تاریخ وسیرت میں بیان کیا گیا۔ یہ اعلان تھا کہ اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی تو ایسے بہت سے واقعات ہو سکتے ہیں۔

اس کے تین دن کے بعد آنحضرت ﷺ نے محرم ۷ھ کو لشکر کی تیاری کا حکم دیا اور اعلان کر دیا گیا۔

Marfat.com

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجھاد (ابن سعد)

''ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں۔''

مولانا سید سلیمان ندوی ارشادِ رسول ﷺ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہاں لوگ سے مراد منافقین ہیں جو غزوات میں محض غنیمت کے لالچ سے شریک ہوتے تھے۔ جہاں سخت مقابلہ پیش آئے اور غنیمت کے نہ ملنے کا گمان ہو وہاں غزوات کی شرکت سے کتراتے تھے۔ چنانچہ انہی دو وجوہ سے وہ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے اور اس پر سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی ناراضی ظاہر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ غنیمت والے غزوہ میں بھی شریک نہ کیے جائیں اس لیے حضور ﷺ نے اس موقع پر اعلان فرمادیا کہ اس غزوۂ میں بھی وہی شرکت کا ارادہ کریں جن کی غرض محض جہاد، اعلاءِ کلمۃ اللہ ہو۔ دنیاوی مال ومتاع نہ ہو۔''

اس کسوٹی پر پورے اترنے والوں کی تعداد سولہ سو تھی۔ چنانچہ اللہ کے یہ سپاہی خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں سے دو سو سوار اور باقی پیدل تھے۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ صحیح مسلم و بخاری کے حوالے سے مشہور شاعر حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن الاکوع کا رجز نقل کرتے ہیں: جو اس ذہن وفکر کی خوبصورت تصویر پیش کرتا ہے۔ جو اسلام نے عرب جیسی حرب پسند قوم میں پیدا کر دیا تھا۔

اللھم لو لا انت ما اھدینا ولا تصدقنا و لا صلینا

اے خدا اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ خیرات کرتے نہ روزہ رکھتے

نا غفو فداءٍ لک ما اتقینا والقین سکینۃ علینا

ہم تجھ پر فدا ہوں جو احکام نہیں لائے انکو معاف کردے اور ہم پر تسلی نازل کر

انا اذا اصیح بنا اتینا وثبت الاقدام ان لاقینا

جب ہم فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو پہنچ جاتے ہیں اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ

وبا الصیاح عولوا اعلینا

''لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے۔''

Marfat.com

لشکر چلتا ہوا مقامِ رجیع تک پہنچا۔ یہ مقام غطفان کے علاقہ اور خیبر کے درمیان واقع ہے۔ مولانا شبلی نعمانی معجم البلدان اور تاریخ طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اسباب بار برداری، خیمہ وخرگاہ اور مستورات یہاں چھوڑ دی گئیں اور فوجیں خیبر کی طرف بڑھیں۔ غطفان یہ سن کر کہ اسلامی فوجیں خیبر کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ ہتھیار سج کر نکلے لیکن آگے بڑھ کر جب ان کو معلوم ہوا کہ خود ان کا گھر خطرہ میں ہے تو واپس چلے گئے۔''

آنحضرت ﷺ کا جنگی منصوبہ کامیاب رہا یعنی آپ دشمن کی کمک کا راستہ روک دینے میں کامیاب رہے۔ اب جنگ صرف یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان رہ گئی اور یہودی بھی کم لڑاکا نہ تھے۔ ان میں مرحب جیسے بہادر تھے جو عرب میں ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ متعدد آطام اور گڑھیاں تھیں جن میں سے بعض کو ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔

بہرحال لشکرِ اسلام ان آطام پر بڑھا اور آطام اور گڑھیاں یکے بعد دیگرے زیر ہوتی گئیں۔ لیکن قموص نامی قلعہ جو مرحب کا مرکزی مقام اور بنونضیر کے رؤسا کا مسکن تھا۔ شدید مدافعت کرتا رہا اور آخر جنگ کے دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ اس قلعہ کی مدافعت پر یہودیوں نے پورا زور لگایا تھا اس لیے اس کی فتح خیبر کی فتح سمجھی گئی اور یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی بنا پر فاتح خیبر کی حیثیت سے عقیدت کے مرکز قرار پائے۔

خیبر اسلامی ریاست مدینہ کا پہلا مفتوحہ علاقہ تھا۔ اس لیے نظم ونسق کی طرف جو توجہ دی گئی اور غیر مسلم رعایا کے متعلق جو رویہ اختیار کیا گیا وہ آنے والی اسلامی سلطنتوں کے لیے مثال بنا۔ لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے ہمیں صرف اتنی بات ذہن نشین کرنا ہوگی کہ فتح خیبر نے مشرکین کا ایک اہم بازو توڑ دیا اور مشرکین کی آخری اور فیصلہ کن شکست کے لیے راستہ ہموار کر دیا۔

Marfat.com

۲ مشرکین کی شکست

مشرکین عرب کی فیصلہ کن شکست کے تین حصے کیے جاسکتے ہیں:

(الف) صلح حدیبیہ

(ب) فتح مکہ

(ج) حنین، طاس اور طائف میں دوسرے قبائل کی شکست۔

(الف) صلح حدیبیہ:-

اسلام کسی قبیلے یا خاندان کے ساتھ منسوب نہ تھا بلکہ اکثر قبائل کے افراد اپنے اپنے قبیلے سے بغاوت کر کے اس حلقۂ نور میں داخل ہو گئے تھے۔ مجموعی طور پر یہی قبائل اسلام کے دشمن تھے۔ اس لیے مسلمانوں اور مشرکین کی تمام لڑائیاں ان لڑائیوں سے مختلف تھیں۔ جو آج تک عرب میں لڑی گئی تھیں۔ اس سے قبل ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے ٹکراتا تھا۔ حلیف مدد پر اترنے اور حریف مقابلے میں آتے۔ اس کے برعکس اسلام اور کفر کی لڑائی میں بھائی بھائی کے مقابلے میں آیا اور بیٹے نے باپ پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ ان واقعات کو مجموعی طور پر ان لفظوں میں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ یہ اونچی سطح کی نظریاتی جنگ تھی۔ جسے دونوں فریقوں نے اسی حیثیت سے لڑا۔

اس جنگ کا ایک پہلو جس کی طرف اس وقت تک اشارہ کرنے کا موقعہ نہیں آیا یہ تھا کہ قریش نے شروع ہی سے مکہ پر مسلمانوں کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اس سلسلے میں ہجرت کے فوراً بعد کا ایک واقعہ خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے مدینہ کے قبیلۂ اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ عمرہ کی خاطر مکہ معظمہ میں تشریف لائے اور مکہ کے مشہور رئیس امیہ کے مہمان کی حیثیت سے مکہ میں ٹھہرے۔ ان

Marfat.com

دونوں کے تعلقات دیرینہ تھے۔ حضرت سعد اسلام سے پہلے بھی مکہ میں تشریف لاتے تو امیہ ہی کے مہمان ہوا کرتے تھے۔ اس دفعہ بھی ایسا ہی ہوا اور سعد رضی اللہ عنہ معمول کے مطابق اپنے میزبان کی معیت میں کعبہ کے طواف کو نکلے۔ ابوجہل نے انہیں دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جب اسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا علم ہوا تو بولا:

''تم لوگوں نے صابیوں (کفار آنحضرت ﷺ کو صابی یعنی مرتد کہا کرتے تھے) کو پناہ دی ہے۔ میں کبھی یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ میں آسکو۔ خدا کی قسم! اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو کبھی بچ کر نہ جاتے۔''

قرآن حکیم کی متعدد آیات میں کفار کا سب سے بڑا ظلم جو بیان ہوا ہے یہ ہے کہ وہ لوگوں کو مسجد الحرام میں آنے سے روکتے اور اس حق کے حق داروں سے ان کا حق سلب کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں رجب [1] یا شعبان ۲ھ تک یعنی مکہ کے پورے قیام مدینہ میں دو سال کے قیام اور غزوۂ بدر سے چند ماہ قبل تک مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ گویا اس وقت تک بنی اسرائیل کی طرح مسلمانوں کی مرکزیت کا سمبل بھی بیت المقدس ہی تھا۔ غزوۂ بدر سے چند ماہ قبل تحویل قبلہ کے بارے میں آیت نازل ہوئی:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

''مسجد حرام کی طرف رُخ پھیر دو اب جہاں کہیں تم ہو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔''

اس آیت نے خانہ کعبہ کی مرکزیت کو حضرت اسمعیل علیہ السلام کے صحیح وارثوں یعنی مسلمانوں میں بحال کر دیا اور کعبہ کو مشرکین کے تغلب سے واگزار کرانا مسلمانوں کا دینی فریضہ بن گیا ابوجہل نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے سامنے مسلمانوں کے اسی حق سے

[1] ملاحظہ ہو تفہیم القرآن از مولانا مودودی حاشیہ نمبر ۱۴۶

Marfat.com

انکار کیا تھا اور مشرکین مکہ کے رئیس جنگ کی حیثیت سے یہ اعلان کیا تھا کہ مسلمانوں کو یہ حق نہیں دیا جائے گا۔ اس طرح مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان وہ نظریاتی جنگ جو اس وقت تک سرد جنگ کی شکل میں لڑی گئی تھی۔ کعبہ کے سمبل کے حصول کی جنگ پر مرکوز ہو گئی اور صورت یہ قرار پائی کہ یہ جنگ اس وقت تک کسی فیصلہ کن نتیجے پر نہیں پہنچ سکتی۔ جب تک کعبہ کی مرکزیت کے متعلق مسلمانوں کے حقوق کا کوئی دوٹوک فیصلہ نہ ہو جائے۔

مدینے پر اتحادی قبائل کے حملے تک مدینہ کی اسلامی ریاست کو وہ سیاسی قوت اور تفوق حاصل نہیں ہو سکا تھا جو مسائل کے پرامن حل کی شرط اول ہوا کرتا ہے۔ اس لیے مدینے کے مسلمانوں کو حج اور عمرہ کا فرض ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ عام مسلمانوں کو مکہ میں جانے اور کعبہ کا طواف کرنے کی بڑی آرزو رہی لیکن فریق مخالف کا سیاسی دباؤ ہر دم آڑے آیا اور یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ غزوۂ احزاب میں اتحادی قبائل کی پسپائی نے حالات کو کسی حد تک روبہ اصلاح کر دیا اور آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ کا ارادہ فرمانے کے لیے حالات کو سازگار سمجھا۔ چنانچہ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس سال وہ نبی آخر الزمان ﷺ کی قیادت میں حج کعبہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوں گے تو چودہ سو آدمی ہمرکاب ہونے پر تیار ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ فریق مخالف آپ ﷺ کے ارادے کو غلط سمجھے اور کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے کیونکہ ارادہ صرف پرامن طریقے سے دینی فرض ادا کرنے کا تھا۔ حکم دیا گیا۔

① مدینہ سے احرام باندھ لیا جائے۔

② قربانی کے اونٹ ساتھ لیے جائیں۔

③ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے۔

④ صرف تلوار ساتھ ہو جو اس معاشرے میں سفر کے ضروری سامان کا حصہ تھی۔ اس کے متعلق بھی حکم تھا کہ میان میں ہو اور سامان میں چھپا کر رکھ لی جائے۔

Marfat.com

اس احتیاط کا مقصد فریقِ مخالف پر یہ ثابت کرنا تھا کہ یہ چودہ سو افراد جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ پرامن طریقے سے اپنا وہ حق استعمال کرنا چاہتے ہیں جس سے انکار کرنے کا کوئی جواز فریق مخالف کے پاس نہیں ہے۔

مقامِ ذوالحلیفہ میں پہنچ کر قربانی کے اونٹوں کی گردنوں میں لوہے کے نعل آویزاں کر دیئے گئے۔ یہ خاص اس امر کی نشانی تھی کہ قربانی کرنا مقصد ہے جنگ مطلوب نہیں۔

لیکن مشرکین مکہ کا رویہ اتنا صلح جویانہ نہ تھا۔ جب حجاج کا یہ قافلہ عسفان نامی علاقہ میں پہنچا تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی اور اس کی تصدیق بھی ہوگئی کہ قریش نے مسلمانوں کو حج سے روکنے کے لیے نواح کے تمام قبائل کو ایک لشکر کی صورت میں جمع کر لیا ہے اور یہ لشکر مکہ سے باہر بلدح نامی ایک جگہ میں جمع ہوگیا ہے۔ جناب خالد بن ولید جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے دوسو سواروں کا دستہ لے کر آگے بڑھے اور غمیم نامی مقام پر خیمہ انداز ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے لشکر قریش کے اس ہراول دستے کے ساتھ تصادم سے بچنے کے لیے سیدھا راستہ ترک فرمایا اور دشوار گزار راستے سے چل کر ایک ایسی جگہ پر پڑاؤ ڈالا جہاں پانی کی شدید قلت تھی اس جگہ کا نام حدیبیہ ہے۔ اعجاز نبوی سے پانی کی قلت دور ہوگئی اور چند دن قیام کی صورت نکل آئی۔

جناب خالد بن ولید نے حجاج کی نقل وحرکت سے اڑنے والی گرد سے اندازہ کیا اور اپنے ہیڈکوارٹر کو اطلاع کر دی کہ مسلمان غمیم تک آپہنچے ہیں۔ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک نواحی قبیلہ خزاعہ کے رئیس جناب بدیل بن ورقاء حاضر ہوئے یہ قبیلہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ تاہم آنحضرت ﷺ کے اعتماد میں تھا اور مشرکین مکہ کی جنگی تیاریوں کی اکثر خبریں اسی کی وساطت سے آنحضرت ﷺ کو ملا کرتی تھیں۔ جناب بدیل بن ورقاء نے حاضر ہو کر قریش کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی تو آنحضرت ﷺ نے انہی کو قریش کی طرف روانہ فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کا پیغام قریش کے نام یہ تھا کہ مسلمان جنگ کرنے کی غرض سے نہیں آئے۔ جنگ نے قریش کی حالت سقیم بنا دی ہے اور قریش میں

Marfat.com

اب جنگ کرنے کی سکت باقی نہیں رہی۔ اس لیے ہوش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ قریش ایک معین مدت کے لیے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیں اور آنحضرت ﷺ کو عرب کے باقی قبائل کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اللہ کو جو منظور ہوگا وہ ہو جائے گا لیکن اگر قریش اس پیش کش کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے اور اپنی ضد پر اڑے رہے تو:

"خدا کی قسم! یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔"

جناب بدیل بن ورقاء جب یہ پیغام لے کر قریش کے پاس آئے تو قریش کے صاحب اثر اور صاحب الرائے لوگوں میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک گروہ کے نزدیک اس پیغام کو سننا اور اس کی شرائط پر غور کرنا غیر ضروری تھا۔ وہ جنگ کے لیے تیار تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو اس جلد بازی کے خلاف تھا۔ پہلی جنگوں میں اور خاص طور پر غزوۂ بدر کے موقعہ پر بھی یہی صورت تھی لیکن اس اختلاف میں اور موجودہ اختلاف میں ایک بہت بڑا فرق تھا۔ جسے بطور خاص نوٹ کر لینا چاہیے۔ اس وقت قریش اپنی طاقت کے زعم میں سرشار تھے اور ابوجہل کی تیز زبان صلح پسندوں کو بلیک میل کر لینے میں کامیاب ہو گئی تھی اب قریش کی متعدد شکستوں اور مسلمانوں کی سیاسی اور حربی برتری کے متعدد واقعات بطور پس منظر موجود تھے چنانچہ جنگ پسندوں کی رائے پر صلح پسندوں کی رائے کو ترجیح دی گئی۔ آنحضرت ﷺ کی پیش کردہ شرائط کو توجہ کے ساتھ سنا گیا۔ عروہ بن مسعود اور ثقفی عمر تجربے کے احتیاط سے بزرگ سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ یہ شرائط معقول ہیں اور ان کی بنیاد پر مذاکرات ہونے چاہیں۔ عروہ بن مسعود ہی کو قریش کی سفارت سپرد کی گئی کہ وہ جائیں اور آنحضرت ﷺ سے مذاکرات کریں۔

عروہ بن مسعود کا مشن چند در چند وجوہ کی بنا پر کامیاب نہ ہو سکا لیکن اس سفارت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو صلح کے مذاکرات کو بڑھانے اور جاری رکھنے کا موقع مل گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت خراش رضی اللہ عنہ بن امیہ کو بات چیت کے لیے روانہ کیا لیکن

Marfat.com

قریش کا موڈ اس واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سفیر کا اونٹ مار ڈالا گیا۔ اگر قبائل عرب مداخلت نہ کرتے تو خود سفیر کی جان کا بھی خطرہ تھا۔ صرف اسی پر بس نہیں قریش کے شر پسند عناصر نے فوج کا ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانوں پر حملہ کر دے اور جنگ کا آغاز ہو جائے۔ یہ دستہ گرفتار کر لیا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے صلح کی آخری کوشش کے ''ٹوکن'' کے طور پر گرفتار ہونے والوں کو آزاد کر دیا گیا۔

قریش کی طرف سے یہ انتہائی جارحانہ اور اشتعال انگیز کارروائیاں تھیں اگر آنحضرت ﷺ جنگ پر آمادہ ہو جاتے تو غلط نہ ہوتا لیکن آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ قریش کے جنگ پسند عناصر امن عامہ کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور وہ عناصر جو صلح و امن کی طرف مائل ہیں، ناکام رہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے درگزر فرمائی اور ایک دوسری سفارت روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو اس لیے منتخب کیا گیا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ان کے قبیلے کا کوئی شخص مکہ میں موجود نہیں ہے جو جارح عناصر کے خلاف ان کی حفاظت کر سکے۔ اس کے بعد یہ فرض حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔

قریش کے شر پسند عناصر نے ایک دوسری اشتعال انگیز کارروائی کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نظر بند کر لیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے سفیر کی نظر بندی کی خبر مسلمانوں تک اس انداز میں پہنچی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ خبر سن کر اعلان کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لیا جائے گا۔ آپ ﷺ ببول کے ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور چودہ سو جاں نثاروں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر جاں نثاری کا حلف لیا۔ اسی واقعہ کو تاریخ اسلام میں بیعتِ رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قریش پر اس کا ردعمل کیا ہوا اس کے متعلق تاریخ سے کوئی واضح اشارہ نہیں ملتا۔ البتہ یہ واقعہ قیاس کے بہت سے دروازے کھول دیتا ہے کہ جاں نثاری کے اس حلف کے بعد

Marfat.com

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط تھی۔ قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو سفیر بن کر آئے چند شرائط پر رضا مندی ہوگئی اور ایک صلح نامہ لکھا گیا جس کی شرائط حسب ذیل تھیں:

① مسلمان اس سال حج اور عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں۔

② اگلے سال آئیں۔ انہیں مکہ میں تین دن سے زیادہ قیام کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

③ ہتھیار لگا کر آنے کی اجازت نہ ہوگی۔ صرف تلوار ساتھ لا سکتے ہیں۔ تلوار میان میں ہو اور میان کسی تھیلے وغیرہ میں بند ہو۔

④ مسلمانوں کو اجازت نہ ہوگی کہ مکہ میں مقیم مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ مکہ میں آنے والوں میں سے اگر کوئی مسلمان مکہ میں رہ جانا چاہے تو مسلمان اسے اپنے ساتھ واپس جانے پر مجبور نہیں کر سکیں گے۔

⑤ مکہ کے مسلمانوں یا مشرکوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ جائے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اس کے برعکس اگر کوئی مسلمان مکہ میں آئے گا تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

⑥ قبائل عرب جس فریق کے ساتھ چاہیں محالفہ کرنے کے لیے آزاد ہوں گے۔

معاہدے کی شرائط بظاہر مسلمانوں کے حق میں نہ تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے مشرکین سے دب کر ان سے صلح کی ہے۔ صحابہ کبار میں سے اکثر کا یہی خیال تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس عام ذہن کا اظہار آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی کر دیا۔ انہیں بعد میں اپنی اس جسارت پر سخت ندامت بھی ہوئی اور وہ استغفار کرتے رہے۔

آنحضرت ﷺ نے تین دن تک حدیبیہ میں قیام فرمایا اور اس کے بعد مدینہ کو روانہ ہوئے۔ واپسی پر راستے میں وہ عظیم آیت نازل ہوئی جس نے اس معاہدے کو فتح مبین قرار

Marfat.com

دے کر مسلمانوں کی بے چینی رفع کر دی۔ ارشاد ہوا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا

''ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔''

فتح مبین:۔

آنے والے دو سالوں میں یہ راز آہستہ آہستہ منکشف ہوا کہ یہ نظر بظاہر کمزور شرائط پر مشتمل معاہدہ فتح مبین کیونکر تھا۔ تفصیلات کے لیے سیرت کی کسی مستند کتاب کی طرف رجوع کرنا مفید ہوگا۔ ذیل میں اس کا خاکہ ملاحظہ کیجیے:

① فتح خیبر کے وقت یہودیوں اور مشرکین مکہ میں اشتراک نہ ہوسکا اور خیبر کی فتح میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

② مدینہ میں مشرکین کی آمدورفت شروع ہوگئی اور مسلمانوں کی اخلاق برتری نے مشرکین کو نفسیاتی طور پر مرعوب اور متاثر کرنا شروع کیا۔ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے لفظوں میں مؤرخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس کثرت سے لوگ ایمان لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید فاتحِ شام اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص فاتحِ مصر کا اسلام اس زمانے کی یادگار ہے۔ عربوں کے اس ذہنی انقلاب کی بڑی حسین تصویر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ملتی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تالیف اصابہ کے حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا۔ راستہ میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص ملے۔ پوچھا ''کدھر کا قصد ہے؟'' بولے ''اسلام لانے جاتا ہوں۔ آخر کب تک؟'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے کہا ''ہمارا بھی یہی ارادہ ہے۔'' دونوں صاحب ایک ساتھ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔''

Marfat.com

③ مکہ اور مدینہ کا درمیانی علاقہ تجارتی شاہراہوں کا علاقہ ہونے کی حیثیت سے حجاز اور اس کی وساطت سے پورے عرب کا اعصابی مرکز تھا۔ اس کے کچھ قبائل یہود خیبر کے زیر اثر تھے۔ اور کچھ مشرکینِ مکہ کے اس میں شبہ نہیں کہ ان قبائل کی باہمی رقابتوں کے باعث اس اثر کی وجہ سے یا مخالفہ کی بنیاد پر کوئی مضبوط اور مربوط سیاسی وحدت قائم نہ ہوسکی اور عرب کی قبل از اسلام تاریخ پر اس کا کوئی واضح اثر نہ ہوسکا۔ تاہم یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ان وجوہ سے یہ علاقہ مجموعی طور پر اسلام کے لیے ایک مستقل خطرہ بنا رہا۔ صلح حدیبیہ نے اس زنجیرے کی بنیادی کڑی کو کمزور کر کے اس خطرے کو بہت حد تک کم کر دیا۔ فتح خیبر سے مشرکین قریش کا ایک مضبوط بازو ٹوٹ گیا۔ اور اس خطرے کا زور اور اس کی شدت اور کم ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علاقہ جو آج کی زبان میں یہود اور قریش کا مشترک ''منطقۂ اثر'' تھا۔ اسلام کی سیاسی اور حربی برتری سے مرعوب اور متاثر ہونے لگا اور قبائل کے ذہن وفکر تک اسلام کی رسائی کے راستے ہموار ہونے لگے۔

④ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اسلام کی عالمی حیثیت کے قیام واستحکام کے عظیم الشان کام کا آغاز فرمایا جس نے آگے چل کر اس وقت کے عالمی سیاسی حالات پر دور رس اثرات کیے اور دنیا کو ایک ایسی تہذیب، ثقافت اور ایسے نظامِ فکر سے متعارف کروایا جسے نظریاتی تہذیب، نظریاتی ثقافت اور اخلاقی نظامِ فکر کہا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ اقدام دنیا میں نظریاتی تہذیب کی صبحِ اول کا طلوع تھا۔ اسی مبارک دن سے دنیا نے جاگیرداری اور زمینداری کے نظامِ فکر سے نکل کر انسانی اخوت اور حریت کے نظریات کی طرف اپنے طویل سفر کا آغاز کیا جو تا حال جاری ہے۔ دنیا کو اسلام کی تعلیمات اور آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی ضرورت اسی لیے باقی ہے کہ یہ سفر ابھی تک اپنی منزل نہیں پا سکا۔ اس دراز کار جہاں کا آغاز وقت کی طاقتور ترین اور مہذب ترین سلطنتوں کے فرمانرواؤں کے نام نبی امی ﷺ کے

Marfat.com

مراسلات سے ہوا۔ ان نامہ ہائے مبارک میں آنحضرت ﷺ نے وقت کے اہم ترین سلاطین اور اہم معاشروں کے سربراہوں کو اسلام کی دعوت دی تھی۔

⑤ موجودہ سطور کے تقاضوں کے پیش نظر معاہدۂ حدیبیہ کی شرط نمبر۲ خاص توجہ کے قابل ہے جیسا کہ بیان ہوا ہجرت کے فوراً بعد ایک طرف مشرکین مکہ اس موقف پر قائم ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کو کعبہ اور اس کی وساطت سے مکہ پر کوئی حق نہیں ہے مکہ کے اہم ترین سردار اور مشرکین مکہ کے متفقہ ترجمان ابوجہل نے اسلامی ریاست مدینہ کے اہم اور ذمہ دار رکن اور آنحضرت ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاز کے سامنے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ کعبہ کے متولی کعبہ پر مسلمانوں کے کسی حق کو قبول نہیں کرتے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے حاکم مطلق رب جلیل کے تحویلِ قبلہ کے اعلان کے مطابق کعبہ مسلمانوں کی ملی مرکزیت کا سمبل قرار پایا اور اس کا حصول دینی فریضہ بن گیا۔ یہ دو انتہائی طور پر متضاد موقف تھے۔ مشرکین مکہ نے اپنے موقف کو کامیاب بنانے یعنی اسلام کا استیصال کرنے کے لیے مدینہ پر حملوں کا طویل سلسلہ شروع کیا جو غزوۂ احزاب کے موقعہ پر اتحادی قبائل کے سیلِ بے پناہ کے حملے کی شکل میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچا۔ اس آخری اور سب سے بڑی کوشش کی ناکامی کے بعد مشرکین مکہ کے حوصلے کمزور ہونے لگے۔ اور ان کے اس سخت اور بے لچک موقف میں دراڑ پڑنے لگی۔ معاہدۂ حدیبیہ کی شرط نمبر۱۲ اسی دراڑ کا واضح اظہار ہے۔ اس میں مشرکین نے آئندہ سال مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے کا حق دے کر کعبہ پر اپنی اجارہ داری کے خاتمہ کا اعلان بھی کیا تھا اور اس بات کا اعتراف بھی کر لیا تھا کہ اب وہ مسلمانوں کو بزورِ شمشیر اس حق سے محروم کرنے کے اہل نہیں رہے۔ یہ بالواسطہ طور پر اعتراف شکست ہے جسے فتح خیبر نے مستحکم کر دیا۔ خود مشرکین مکہ کے اندر اسلام کا اثر نفوذ بڑھنے لگا اور قریشیوں کے بڑے بڑے دست و باز وحلقۂ اسلام میں شامل ہونے لگے

Marfat.com

اس کا منطقی نتیجہ تھا کہ فتح مکہ اب ایک رسمی بات سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی جو صلح حدیبیہ کی پانچویں شرط کے کچے دھاگے پر معلق تھی۔ قریشیوں نے اپنی روایتی لاقانونیت اور سرجوشی کے زور میں خود ہی اس کچے دھاگے کو بھی توڑ دیا۔

فتح مکہ:۔

معاہدۂ حدیبیہ کی شرط نمبر ۵ میں قبائل عرب کو عام اجازت تھی کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں محالفہ کر لیں۔ مکہ کے ایک نواحی گاؤں میں قبیلہ بنوخزاعہ حلقہ اسلام میں داخل نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں میں دلچسپی رکھتا تھا اور قریش کے متعلق ضروری اطلاعات مدینہ کو پہنچاتا رہتا تھا۔ اس صلح نامہ کے بعد یہ قبیلہ کھل کر اسلام کا حلیف بن گیا۔ اس نواح کا دوسرا قبیلہ بنوبکر تھا۔ بنوبکر اور بنوخزاعہ کے درمیان مدتوں سے سخت دشمنی چلی آرہی تھی۔ اور ان دونوں کے درمیان کئی خون آشام جنگیں ہو چکی تھیں۔ بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف بنے تو بنو بکر نے مسلمانوں کے دشمن قبیلہ قریش کے ساتھ دوستی کا رشتہ استوار کرنے میں دیر نہیں کی۔ دو دشمن قبیلوں کا مخالف کیمپوں میں چلا جانا متوقع نتائج پر منتج ہوا اور صلح حدیبیہ کے ڈیڑھ یا پونے دو سال کے بعد بنوبکر نے دفعتہً بنوخزاء پر حملہ کر دیا۔ قریش نے اعلانیہ ان کی مدد کی اور اس کے بڑے بڑے سرداروں نے بھیس بدل کر بنوخزاء کے خلاف تلواریں چلائیں۔ بنو خزاعہ کے چالیس شتر سوار برق رفتاری کے ساتھ مدینہ میں حاضر ہوئے اور امداد کی درخواست کی۔

آنحضرت ﷺ کو جب حالات کا علم ہوا تو آپ ﷺ کو قریش کی اس بدعہدی سے سخت صدمہ پہنچا۔ آپ ﷺ نے ایک قاصد قریش کی طرف روانہ کیا۔ اور تین شرطیں پیش کیں:

① خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

② قریش بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

Marfat.com

③ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

آنحضرت ﷺ کے قاصد نے قریش کی مجلس مشاورۃ کے سامنے آنحضرت ﷺ کی تینوں شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے ایک قبول کر لی جائے۔ قرطہ بن عمر نے قریش کی طرف سے اعلان کیا:

''صرف تیسری شرط منظور [1] ہے۔''

قاصد کے روانہ ہو جانے تک کسی نے اس اعلان کی تردید نہیں کی۔ گویا مکہ کے فتنہ جو اور شر پسند عناصر تھوڑی دیر کے لیے اس کے صلح جو اور خیر پسند عناصر پر غالب آ گئے لیکن قاصد کے روانہ ہو جانے کے بعد اس بہت بڑی غلطی کا احساس ہوا اور اس کے نتائج و عواقب ذہن میں آئے۔ چنانچہ ابوسفیان کو مدینہ روانہ کیا گیا کہ وہ معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کرآئیں۔

ابوسفیان مدینہ پہنچ کر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے اور گزارشات پیش کیں۔ لیکن انہیں کوئی جواب نہیں ملا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ثالثی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن دونوں صاحبوں نے معذرت کر لی۔ مجبور ہو کر جنابہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت حسن علیہ السلام اس وقت پانچ برس کے تھے۔ ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دو فریقوں میں بیچ بچاؤ کرایا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔''

جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد کیا: ''بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل۔'' بالآخر ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشارے سے مسجد نبوی میں جا کر یہ یک طرفہ اعلان کر دیا کہ:

---

[1] مولانا شبلی نعمانی سیرت النبی جلد اول، مولانا ممدوح اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''زرقانی نے یہ واقعہ مغازی ابن عائذ سے نقل کیا ہے تعجب ہے کہ اور مؤرخین اور اربابِ سیر ایسے ضروری واقعہ کو قلم انداز کر گئے۔''

Marfat.com

''میں نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کردی[1] ''۔

یہ واقعات قریش کی اخلاقی پسپائی اور ذہنی شکست کی بڑی واضح تصویر ہیں۔ مکہ ذہنی طور پر اسلام کے مقابلے میں شکست کھا چکا تھا مسلمانوں کے ہاتھوں مکہ کی جسمانی فتح کی رسم باقی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی تکمیل کی تیاریاں شروع فرمادیں۔

ان تیاریوں کو سختی کے ساتھ راز میں رکھا گیا۔ حلیف قبائل کو جو قاصد روانہ کیے گئے انہوں نے بھی رازداری پر اصرار کیا۔ پوری کوشش کی گئی کہ قریش مکہ کو ان تیاریوں کا کسی طریقے سے علم نہ ہوسکا۔ ایک صحابی حضرت حاطب رضی اللہ عنہ تھے ان کے کچھ رشتہ دار مکہ میں مقیم تھے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں کی سلامتی کے نقطۂ نظر سے قریش پر احسان رکھنے کی خاطر ایک قاصد کے ذریعہ ان تیاریوں کی اطلاع مکہ کو روانہ کرنا چاہی۔ قاصد کے روانہ ہونے کے کچھ ہی دیر بعد اس کی اطلاع ہوگئی اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے قاصد کو مکہ پہنچنے سے پہلے پکڑ بلوایا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو دربارِ نبوت سے معافی مل گئی کہ یہ ایک سچے اور مخلص مسلمان کی اجتہادی غلطی تھی۔

غرض مکمل رازداری کے ساتھ تیاری کی گئی اور آخر لشکر کو ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینہ سے مکہ کو روانہ ہونے کا حکم دیا گیا۔ قبائل عرب راستے میں آ آکر ملتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب لشکر اسلام نے مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر یعنی تقریباً آٹھ میل دور مرالظہر ان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اس وقت لشکر کی تعداد دس ہزار تھی اور تعجب انگیز بات یہ ہے کہ یہ لشکر مدینہ اور مکہ کے درمیانی راستے میں گزرا تھا جو آج سے تقریباً پونے دو سال قبل یعنی صلح حدیبیہ تک، قریش مکہ کا منطقہ اثر تھا۔ اس وقت حدیبیہ تک چودہ سو حجاج کے پہنچنے کی خبر مکہ کو بہت پہلے مل گئی تھی اور اسے اتنا وقت مل گیا تھا کہ وہ قبائل عرب کو جمع کرے اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے انہیں مکہ کے باہر خیمہ انداز کردے۔ معاہدۂ حدیبیہ کے بعد کا انقلاب توجہ طلب ہے کہ اسی راستے پر چل کر آنے والا عظیم الشان لشکر مکہ کی سرحدوں تک اس طرح چپ چاپ

---

[1] سیرت النبی ﷺ جلد اول بحوالہ زرقانی علی المواہب، ج ۲ ص ۳۳۷

Marfat.com

آ پہنچا کہ مکہ میں اس کی کوئی اطلاع نہ ہو سکی۔ یہاں یہ قیاس کرنا غلط ہوگا کہ مکہ ابوسفیان کی سفارت کے بعد مطمئن ہو گیا ہوگا کہ ابوسفیان نے واپسی پر مکہ کے سامنے پورے حالات رکھ دیے تھے اور مکہ والے اس بات پر مضطرب ہو گئے تھے کہ یہ نہ تو صلح ہے کہ ہم مطمئن ہو جائیں اور نہ اعلان جنگ ہے کہ اس کی تیاری کریں۔

بہرحال مرانظہران میں پہنچ کر پورا لشکر آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس وادی کی وسعتوں میں بکھر اور پھیل کر خیمہ زن ہوا اور رات کو ہدایت نبوی ﷺ کے مطابق لشکر میں شامل ہر گروہ نے الگ الگ آگ جلائی اور پوری وادی روشن ہو گئی۔ حساس قاری اس بات کو نوٹ کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آنحضرت ﷺ دشمن پر نفسیاتی جنگ طاری فرما رہے ہیں۔ یہی نفسیاتی جنگ مکہ کو سپر انداز کرنے کا مؤثر ترین حربہ ثابت ہوئی۔

جب لشکرِ اسلام وادیٔ مرانظہران میں پہنچا تو مشرکین مکہ کے کانوں میں اس کی آمد کی بھنک پڑی۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حرام، ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء تحقیق حال کے لیے لشکرِ اسلام میں آئے۔ ابوسفیان گرفتار کر لیے گئے اور دربارِ نبوی میں پیش ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے قتل کی سفارش کی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جان بخشی کے لیے عرض کی لیکن فاتح بلدان فاتح قلوب بھی تھے اسلام درج ذیل مکالموں کی صورت میں ابوسفیان کے سامنے پیش ہوا۔

آنحضرت ﷺ: کیوں ابوسفیان کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان: کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

آنحضرت ﷺ: کیا اس میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں؟

ابوسفیان: اس میں تو ذرا شبہ ہے۔

لیکن اس ”ذرا شبہ“ کے باوجود ابوسفیان حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ:

Marfat.com

"اس وقت گوان کا ایمان متزلزل تھا لیکن مؤرخین لکھتے ہیں کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔"

ابوسفیان مکہ کے قائدِ حرب اور رئیس سیاست تھے۔ ان کا مسلمان ہو جانا مکہ کے لیے جتنا اہم ہوسکتا ہے کسی تفصیل کا محتاج نہیں۔

دوسرے دن لشکرِ اسلام موج در موج مکہ کی طرف بڑھا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ابوسفیان کو ایک ٹیلے پر کھڑا کر دیا جائے تاکہ وہ خدا کی فوجوں کا نظارہ کریں لشکر میں شامل مختلف قبائل اپنے جھنڈے لہراتے اور اپنے رجز پڑھتے اپنی اپنی باری پر یکے بعد دیگرے گزرتے رہے اور اس طرح خدا کے سپاہیوں کا یہ سیل بے پناہ ابوسفیان اور ان کے ساتھ مشرکین قریش کے احساسِ برتری اور فخرِ نسب کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔

یہ عظیم نفسیاتی جنگ تھی جس میں اسلام کی فتح بایں انداز ہوئی کہ مکہ کے اندر کسی کو تلوار اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی مکہ کا زیریں حصہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر فتح کر لیا گیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم تھا کہ وہ اپنے دستے کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف سے آئیں اس طرح جنگی نقطۂ نظر سے مکہ کو دونوں اہم اطراف سے گھیر لیا گیا تھا۔ فوجی جرنیل کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کی یہ پیش بینی بے کار ثابت نہیں ہوئی مکہ کے ایک باغی گروہ نے مکہ کے بالائی حصہ کو اپنا فوجی اڈاہ بنا رکھا تھا۔ اس گروہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستے پر اچانک تیر اندازی شروع کر دی جس سے تین اصحاب شہید ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فوراً جوابی کارروائی کی اور یہ گروہ میدانِ جنگ میں تیرہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔

یہ اعلان کر کے پورے مکہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا گیا کہ سابق میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کا گھر دارالامان ہے جو اس میں داخل ہو جائے گا امان پائے گا اس سے بھی بڑی چھوٹ یہ دی گئی کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اسلام کی تلواریں اسے تعرض نہیں کریں گی۔ حرمِ کعبہ اہل مکہ میں سب سے بڑی پناہ گاہ تھی اس کے احترام کو برقرار رکھا گیا اور اعلان ہوا کہ جو شخص حرم میں داخل ہوگا اسے بھی امان دی

Marfat.com

جائے گی۔

دوسرے لفظوں میں یہ امن و امان کا اعلانِ عام تھا شرط یہ تھی کہ مکہ والے مکمل طور پر سپر انداز ہو جائیں اور ان طریقوں کو اختیار کر کے یہ ظاہر کر دیں کہ وہ امان کے طلب گار ہیں یہ نفسیاتی جنگ کی آخری اور فیصلہ کن ضربیں تھیں۔ پورا مکہ سپر انداز ہو گیا۔

اس کے بعد مکہ جس طرح جوق در جوق اور موج در موج اسلام میں داخل ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا کردہ دنیا کی پہلی مسجد کو جس طریقے سے کثرت پرستی کے ۳۶۰ سمبلز سے پاک کر کے اس کی بزرگی اور طہارت اور قانونیت اور مرکزیت کو بحال کیا گیا ایک ولولہ انگیز اور ایمان افروز داستان ہے۔ جسے سیرت کی کتابوں میں پڑھنا چاہیے۔ موجودہ سطور کے لیے اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اس عظیم الشان اور تاریخ عالم میں یقیناً بے مثال نفسیاتی جہاد نے مشرکین قریش کی طاقت کا کلی استیصال کر دیا اور کعبہ آخری اور حتمی طور پر خدائے واحد کی پرستش و اطاعت کے لیے وقف کر دیا گیا۔

حنین، اوطاس اور طائف:۔

قریش کے شرک و کفر کا استیصال پورے حجاز کے شرک و کفر کا استیصال نہ تھا۔ یہ درست ہے کہ قریش اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھے اور اسلام کی ترویج و اشاعت اور اس کے قوانین کی افادیت کر دینا میں عام کرنے کے راستے کا گراں ترین پتھر قریش ہی تھے لیکن یہ اس کام میں تنہا نہ تھے۔ مکہ کے نواح میں کچھ اور قبائل بھی آباد تھے جو بے حد جنگجو اور بہادر اور فنونِ جنگ کے ماہر ہونے کی حیثیت سے اپنے آپ کو قریش کا ہم مرتبہ اور ہم سر جانتے تھے ان میں بنو ہوازن اور بنو ثقیف خاص طور پر تاریخ میں نمایاں ہیں۔ یہ دونوں قبائل حنین اور طاس کی وادیوں اور مکہ کے گرمائی مقامِ صحت طائف میں رہتے تھے۔ ہوازن جنگجوئی اور بہادری میں ان دونوں میں سے آگے تھا۔ یہ قبیلہ تیر اندازی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا اور اس کے جوانوں کا چلایا ہوا کوئی تیر خطا نہیں جاتا تھا۔

Marfat.com

قریش کے استیصال کے بعد ان دونوں قبائل نے اسلام کو للکارا۔

پرانے مؤرخین حنین اور طاس کو مکہ اور طائف کے درمیان کی دو وادیاں بتاتے ہیں ان کے بقول حنین اس علاقہ کے قریب واقعہ ہے۔ جہاں عرب کا مشہور بازار ذوالمجاز لگا کرتا تھا۔ یہ مقام عرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ جدید محققین کو حنین کے محل وقوع سے اختلاف نہیں کیا لیکن قدیم مورخین نے ابن ہشام کی پیروی میں اوطاس کو حنین سے ملحق قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس علاقہ میں گھوم پھر کر دیکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ مکہ اور طائف کے درمیان اوطاس نام کوئی وادی یا پہاڑ نہیں البتہ طائف کے شمال مشرق میں [1] کوئی تیس چالیس میل پر ایک مشہور مقام بتایا جاتا ہے۔

محل وقوع کی بحث سے قطع نظر تاریخی واقعات حسب ذیل ہیں:

فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن نے اسلام کے خلاف صف آراء ہونا شروع کیا اور اس کی دو اہم شاخوں قبیلہ کعب اور قبیلہ کلاب کے سوا اس قبیلے کی تمام شاخیں جمع ہو گئیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحقیق کے مطابق اس لشکر کی تعداد چار ہزار تھی۔ ان کی تحریک پر بنو ثقیف نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کیں یہ دونوں قبیلے ہوازن کے رئیس اعظم مالک بن عوف نصری کی کمان میں ابن ہشام کے بقول وادیٔ اوطاس میں جمع ہوئے۔ ہوازن کا ایک صد سالہ رئیس درید بن صمۃ جو میدانِ جنگ کا ماہر اور پرانا تجربہ کار تھا۔ جنگی مشیر کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ درید بن صمۃ جو طویل عمر کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور تھا اسے ایک ہودلے میں بٹھا کر لایا گیا۔ اس خیال سے اگر لڑنے والوں کے اہل وعیال ساتھ ہوئے تو وہ آسانی کے ساتھ میدانِ جنگ سے پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ مالک بن عوف کے حکم سے عورتوں اور بچوں کو بھی لشکر میں شامل کر دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ کو جب ان تیاریوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ایک صحابی حضرت مالک بن جدرد کو تحقیق کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت مالک رضی اللہ عنہ کئی دنوں تک لشکر کے ساتھ

---

[1] عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ ص ۲۷

Marfat.com

رہے اور پوری تحقیق کے بعد مکمل رپورٹ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔

آنحضرت ﷺ نے لشکر کی تیاری کا حکم فرمایا اور بارہ ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار ہو گیا۔

لیکن اس لشکر اور پہلے اسلامی لشکروں کے درمیان بڑے نمایاں اور اہم فرق تھے۔ مقدمۃ الجیش حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کی افسری میں تھا۔ اس میں ایسے نوجوان شامل تھے جو حال ہی میں اسلام لائے تھے۔ ان کا جوش وخروش اپنی جگہ پر بڑا حقیقی اور ہر شک و شبہ سے بالا تھا لیکن پرانے خیالات و معتقدات ان کے ذہن میں پیوست تھے۔ خدا کی نصرت کے متعلق پرانے تصورات اسلام کے تصورات سے پوری طرح متاثر نہیں ہوئے تھے اور مالِ غنیمت کے متعلق اسلام نے جو تعلیم دی تھی وہ ابھی ان کے فکر و عمل کا جزو نہیں بن سکی تھی۔ انہیں ان تمام مسائل کو پوری طرح سمجھنے اور ان پر راسخ ہونے کا وقت نہیں ملا تھا ان کے علاوہ متعدد دوسرے لوگ تھے جو کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام تو لا چکے تھے لیکن اسلام کی تعلیمات اور اس کے فکری نظام سے ابھی تک واقف نہیں ہوئے تھے۔ شریعت کی اصطلاح میں ان حضرات کو ''طلقاء'' کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ اسی طرح مکہ کی کچھ عورتیں اور کچھ عمر بچے بھی مالِ غنیمت کے شوق میں لشکر میں شامل ہو گئے تھے گویا بارہ ہزار کے اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے دستوں کے علاوہ ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی شامل تھی۔ جو باقاعدہ منظم اور اسلام کے جنگی قوانین میں تربیت یافتہ نہ تھے۔ تعداد اور سازو سامان کی کثرت تو تھی تربیت کا وہ عنصر کم ہو گیا تھا جس نے پہلے معرکوں میں اپنے جوہر دکھائے تھے۔

جب یہ لشکر حنین کی طرف بڑھا تو تعداد اور سازو سامان کی کثرت کو دیکھ کر بعض اصحاب کے منہ سے بے اختیار نکلا ''آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے۔'' غرور و ناز کے یہ انداز بارگاہِ ایزدی میں پسند نہ تھے۔ آگے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس بے جا غرور کا نوٹس لیا اور اس پر تنبیہ فرمائی۔

یہ لشکر جب میدانِ جنگ میں پہنچا تو پہلی بات جو واضح ہوئی یہ تھی کہ دشمن سبقت کر

Marfat.com

کے فوجی اہمیت کی چوکیوں پر قابض ہو چکا ہے۔ پہاڑی درے اور گھاٹیاں اس کے قبضے میں تھیں جہاں تیرانداز پناہ لے سکتے تھے۔ جس زمین پر وہ صف آراء ہوا تھا نہ اتنی سخت تھی کہ پاؤں زخمی ہو جائیں اور نہ اتنی نرم کہ اس میں پیر دھنس جائیں۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو جس میدان میں صفیں باندھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ اس قدر نشیب میں تھی کہ پاؤں نہیں ٹکتے تھے اور لشکر دشمن کے تیروں کی زد میں تھا۔

جنگ کے ابتدائی حالات کے متعلق محققینِ سیرت کی دو رائیں ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی کا خیال ہے کہ دشمن کے ساتھ پہلی جھڑپ میں ہراول دستے کے پیر اکھڑ گئے اور اس کی وجہ سے پورے لشکر میں ابتری پھیل گئی۔ اس کے مقابلے میں مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیق یہ ہے کہ:

> ''مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی۔ لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن کے تیر اندازوں نے موقع پا کر تیراندازی شروع کر دی جس سے مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی، انتشار اور پراگندگی پیدا ہوگئی۔''

سید صاحب مرحوم اپنے اس خیال کی سند میں بخاری کی ایک حدیث میں حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

> ''اور پھر [1] ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تو ہم لوگ مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا۔''

صورت جو بھی ہو پہلی جھڑپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پسپا ہو گئے اور لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی کہ آنحضرت ﷺ میدان میں بالکل یکہ و تنہا رہ گئے۔ اصحابِ خاص بھی اتنے فاصلے پر تھے کہ نظر نہیں آتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم حافظ ابن حجر کے الفاظ نقل کرتے ہیں:

> ''اور اس قول میں کہ حضور (ﷺ) تنہا رہ گئے اور ان واقعات میں جو اس پر

---

[1] حوالے کے لیے ملاحظہ ہو بخاری، غزوۂ حنین

Marfat.com

دال ہیں کہ حضور (ﷺ) کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی تطبیق یہ ہے کہ حضور (ﷺ) دشمن کے سامنے سب سے آگے مقام پر تھے اور جو آپ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم تھے وہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے۔"

لشکر کے اجزائے ترکیبی، میدانِ جنگ کے وہ طبعی حالات جن میں مسلمانوں کو جنگ کرنا پڑی اور دشمن کے ساتھ پہلی جھڑپ کا نتیجہ، یہ تینوں عوامل جنگی نقطۂ نگاہ سے ایسے تھے کہ مسلمانوں کی حتمی شکست بعید از قیاس نہ تھی۔ اس نہایت نازک اور پر خطر موقع پر سالارِ لشکر ﷺ نے عزم و ثبات، خود اعتمادی اور جرأت و دلیری کی نادر مثال قائم فرمائی اور جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اس عظیم حربی سنت کا نقشہ مولانا شبلی نعمانی کے خوبصورت الفاظ میں دیکھئے

"بارہ ہزار فوجیں ہوا ہوگئی تھیں لیکن ایک پیکر مقدس پا برجا تھا جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم بلکہ مجموعہ کائنات تھا (ﷺ)۔

آنحضرت ﷺ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا "یا معشر الانصار" آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہیں" پھر آپ ﷺ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا اب بھی وہی آواز آئی۔ آپ ﷺ سواری سے اترے اور جلالِ نبوت کے لہجہ میں فرمایا:

"میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں۔"

بخاری کی دوسری روایت میں ہے (آپ ﷺ نے فرمایا):

انا النبی	لاکذب	انا ابن	عبد المطلب
میں پیغمبر ہوں	یہ جھوٹ نہیں ہے	میں	عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت بلند آواز تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے نعرہ مارا:

یا معشر الانصار	اے گروہِ انصار
یا اصحاب الشجرۃ	اے بیعتِ رضوان والو

Marfat.com

اس پُراثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ عام فوج دفعتہً پلٹ پڑی جن لوگوں کے گھوڑے کش مکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے انہوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔ دفعتہً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔''

اسی واقعہ کی تفصیل حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''آپ ﷺ سفید خچر پر سوار ہیں۔ عباس رضی اللہ عنہ ایک رکاب اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث دوسری رکاب تھامے ہوئے ہیں۔ چار ہزار کا مسلح لشکر پورے جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے۔ ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ ساتھی منتشر ہو چکے ہیں۔ مگر رفیقِ اعلیٰ آپ ﷺ کے ساتھ ہے۔ ربانی تائید اور آسمانی سکینت کی غیر مرئی بارش آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے گنے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے۔ جس کا اثر آخر کار بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے جدھر سے ہوازن وثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے۔ آپ ﷺ کی سواری کا منہ اس وقت بھی اسی طرف ہے اور ادھر ہی آگے بڑھنے کے لیے خچر کو مہمیز کر رہے ہیں دل سے خدا کی طرف لو لگی ہے اور زبان پر نہایت استغناء اور اطمینان کے ساتھ:

انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب

جاری ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو آواز دی:

اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ اِلَیَّ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

خدا کے بندو! ادھر آؤ۔ یہاں آؤ کہ میں خدا کا رسول ہوں۔''

قرآن حکیم میں اس واقعہ کا ریکارڈ خود اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں محفوظ ہے۔ ارشاد ہوا:

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ

Marfat.com

عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ○ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ج
وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○

''اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی ❶ اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔''

معرکۂ اوطاس:-

دشمن کی شکست خوردہ فوج کا کچھ حصہ اوطاس میں پہنچ کر پھر جمع ہوا اور کچھ طائف میں پناہ گزین ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوعامر رضی اللہ عنہ اشعری کے ماتحت تھوڑی سی فوج اوطاس کی طرف روانہ کی۔ حضرت ابوعامر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری نے فوج کی کمان سنبھالی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ دشمن کا جھنڈا چھین لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد سالارِ لشکر وریدین صمۃ بھی ان کے ہاتھوں قتل ہو گیا دشمن کو فاش شکست ہوئی ہزاروں قیدی ہاتھ آئے اور غنیمت میں اتنا مال ہاتھ آیا جس کا اندازہ مشکل ہے۔

محاصرۂ طائف:-

حنین اور طاس کے فراریوں نے طائف میں پناہ لی۔

❶ اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر، پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر۔ پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول ﷺ پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں کو جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے منکروں کی۔'' (ترجمہ از حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

Marfat.com

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق اس شہر کو طائف اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے گرد ایک بہت بڑی فصیل تھی جس سے شہر پناہ کا کام لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں ایک بہت بڑا قلعہ بھی تھا۔ یہ شہر قبیلہ ثقیف کا وطن اور مرکز تھا جو عرب میں قریش کا ہم پلّہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ لوگ بڑے جنگجو اور بہادر تھے اس کے رؤسا نے قلعہ شکن آلات بنانے کا فن یمن میں جا کر سیکھا تھا۔

حنین اور طاس کے مفرورین نے یہاں آ کر قلعہ کی فوری مرمت کی اور اس میں اتنا سامان جمع کر لیا جو ایک سال کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ اس اہتمام اور عزم کے ساتھ یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ فرمایا۔ ۲۰ یوم تک محاصرہ جاری رہا۔ لیکن یہ شہر فتح نہ ہو سکا یہ اسلام میں پہلی جنگ ہے جس میں لشکرِ اسلام نے قلعہ شکن آلات یعنی منجنیقیں اور دبابہ وغیرہ استعمال کیے اور اس طرح جدید ترین آلاتِ حرب کا استعمال سنتِ نبوی ﷺ کے درجہ بلند تک پہنچ گیا۔ ۲۰ دن کے محاصرے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس محاصرے کو وقت اور مال کا زیاں سمجھ کر واپسی کا حکم دیا۔ اہل طائف کے حق میں آپ نے دُعا فرمائی:

"اے خدا...... ! ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔"

تاریخ نے دیکھا کہ اس دُعا کا ایک ایک حرف شرفِ قبول کو پہنچا۔

قبائل عرب کے خلاف آنحضرت ﷺ کی یہ آخری جنگ تھی اس کے بعد عرب کے دور دراز علاقوں کے قبائل موج در موج اور فوج در فوجِ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ جن قبائل یا جن افراد نے اپنے پرانے ادیان پر قائم رہنے پر اصرار کیا۔ ان کے دین میں مداخلت کیے بغیر انہیں سیاسی حفاظت میں لے لیا گیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ۹ھ میں قرآن حکیم میں اعلان ہوا:

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا

''اے ایمان والو! مشرک جو ہیں سو پلید ہیں۔ سو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد۔''

اس کے بعد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے جزیرۃ العرب سے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب کے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ کی آخری وصیت کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم عملاً نافذ ہوا۔

محاصرۂ طائف کے بعد قبائل عرب نے اپنی جبلی شوریدہ سری کو یک سر محو نہیں کیا بلکہ عرب قبائل کی آزاد مزاجی اور جغرافیائی محدود قومیت کے تصور نے حیاتِ طیبہ کے دوران ہی میں اپنا اظہار شروع کر دیا تھا۔ یہ اظہار آپ کی وفات کے بعد زیادہ واضح ہو گیا مدینہ کی سیاسی مرکزیت اور مرکزی حکومت کی گرفت و احتساب کی قوتوں کے خلاف آزاد طبع عرب قبائل کی شورش (جسے عام زبان میں رسہ تڑوانے کی کوشش کہا جاسکتا ہے) دو صورتوں میں ظاہر ہوئی۔ اس کی ہلکی صورت زکوٰۃ دینے سے انکار کرنا تھا جو مدینہ کے نواحی علاقوں کے قبائل غطفان اور فزارہ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ظاہر ہوئی۔ اس کی شدید صورت مدینہ کے مشرق اور جنوب مشرقی دور افتادہ علاقوں میں جن میں یمامہ، یمن اور بنو اسد اور بنو تمیم وغیرہ کے علاقے شامل ہین ظاہر ہوئی یہ قرآن اور آنحضرت ﷺ کی تعلیم کا حیرت انگیز اثر ہے کہ ان علاقوں میں بت پرستی کا احیاء نہ ہو سکا ان دور افتادہ علاقوں کے رہنے والے بھی بت پرستی کو کورذوقی اور ہذیان سمجھنے لگے تھے چنانچہ ان علاقوں نے جب مدینہ کی مرکزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو وہ شرک اور بت پرستی کی طرف پلٹ جانے کے بجائے نبوت کے ایسے جھوٹے دعویداروں کے اردگرد جمع ہو گئے جن کو وہ خود بھی کذاب ہی سمجھتے تھے یا جن کو شعبدہ بازیوں سے کسی حد تک متاثر ہو گئے تھے ان جھوٹے نبیوں نے مقامی جغرافیائی قومیت کی عصبیت سے اپیل کی تھی اور اسی اپیل کی بنا پر کامیاب

Marfat.com

ہوئے چنانچہ یمن کے نبی کذاب اسوء عنسی نے اپنے آپ کو ''رحمٰن الیمن'' کا خطاب دیا یمامہ کا نبی کذاب مسیلمہ بن حبیب اپنے آپ کو ''رحمٰن الیمامہ'' کہتا تھا۔ بنو اسد میں طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعویٰ کیا اور عمان میں لقیط نے اسی قسم کا دعویٰ کیا اور تو اور ایک نبیہ بھی پیدا ہوگئی اس کا نام سجاح ہے لیکن یہ اپنے قبیلے بنو تمیم کو بھی متاثر نہ کر سکی۔ مسیلمہ کے حبالہ نکاح میں آئی اور اس طرح مسیلمہ اور سجاح کی دو نبوتیں جمع ہوگئیں۔ یہ نکاح بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور سجاح اپنے قبیلے میں لوٹ گئی جہاں اس نے بقیہ عمر مسلمان کی حیثیت سے آرام کے ساتھ گزاری۔ مؤرخین کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اسود عنسی، مسیلمہ، لقیط اور طلیحہ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں نبوت کے دعوے کئے تھے۔ مسیلمہ نے تو آنحضرت ﷺ کو خط بھی لکھا اور عرب کو قریش اور اپنے درمیان تقسیم کر لینے کی دعوت دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان فتنوں کے متعلق جو حکمت عملی اختیار کی اس کا ماحصل یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ سمجھتے تھے کہ اسلام میں اتنی قوت ہے کہ مقامی لوگ ان فتنوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مقامی لوگوں کو ہدایات روانہ فرمانے پر اکتفا فرمائی اور زیادہ تر توجہ سرحدی معاملات پر مرکوز فرمائی اور اسلام کی عالمی حیثیت کے قیام کے عظیم الشان کام کا آغاز فرمایا۔

اسلام کی عالمی حیثیت کا قیام:۔

اس سلسلے میں دو جنگیں ہوئیں اور تیسری مہم کی تیاری کا حکم نافذ ہوا تھا کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول نے اس حکم پر عمل کیا اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ سنتِ رسول ﷺ کی بے چون و چرا پیروی کتنی برکتوں اور رحمتوں کا باعث ہوتی ہے۔ یہ جنگیں حسب ذیل ہیں:

① جنگ موتہ۔ اس میں آنحضرت ﷺ شامل نہ تھے۔

② غزوۂ تبوک جو حضور ﷺ کی قیادت و سیادت میں ہوا۔

Marfat.com

③ لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم۔

ان واقعات کو ذہن نشین کرنے کے لیے پس منظر کے طور پر چند تفصیلات کی طرف توجہ ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں سیاسی جغرافیے کے اعتبار سے عرب کی قریب ترین ہمسایہ [1] دنیا دو بڑے حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک حصے کو سلطنت ایران کا نام دیا جاتا تھا اور دوسری سلطنت روما کہلاتی تھی۔

اسلام اور جاگیردارانہ نظام:۔

سرسری جائزے میں جو بات سامنے نظر آتی ہے یہ ہے کہ یہ دونوں سلطنتیں بنیادی طور پر جاگیردارانہ نظام کی حامل تھیں۔ اس نظام کے تحت قوتِ حاکمہ بالآخر ایک مطلق العنان فوج فاتح یا ایسے فاتح کے وارث میں مرتکز ہوتی ہے اس ارتکازِ قوت کا اہم ترین سیاسی نکتہ یہ قائم ہوتا ہے کہ حاکم کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہے۔ اس لیے خود حاکم ہر قانون سے بالا ہے۔ منطقی طور پر سیاست کا ہر قانون حاکم کا تابع مہمل بن کر رہ جاتا ہے۔ اس صورت حال میں اگر حاکم اخلاقی اقدار کا حامل ہو اور انسانی ہمدردی کے جذبات سے عاری نہ ہو تو رعایا خوش حال اور مطمئن ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس اگر حاکم جبلی انسانی کمزوریوں کا شکار ہو تو رعایا پر انصاف اور قانون کے اکثر دروازے بند ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ انتہائی جابرانہ نظامِ حکومت ہے۔ اس لیے رعایا کو خاموش اور بغاوتوں سے روکے رکھنے کے لیے جو فلسفے معرضِ وجود میں آتے ہیں ان کا مقصد اس نظام کے لیے جواز پیش کرنا اور اس کے ذریعہ ایک عام ذہنی گراں خوبی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ایران اور روم کی عظیم الشان سلطنتوں کا یہی نقشہ پہلی نظر میں دکھائی دے جاتا ہے۔ ان کی شوکت وسطوت اور ان کا عظمت و جبروت

---

[1] واضح رہے کہ ایک جدید ماہر شماریات کی تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ کے زمانے کی دنیا کی کل آبادی تخمیناً ڈھائی کروڑ تھی۔ آنحضرت ﷺ کا عہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً پانچ سو سال بعد شروع ہوا تھا۔

Marfat.com

محلات شاہی میں مرتکز نظر آتا ہے۔ اس کے باہر ایک طویل اور نا قابل بیان گراں خوابی ہے جس میں بیداری کی کوئی لہر دکھائی نہیں دیتی۔

اسلام اس تصور کی حتمی اور قطعی ضد ہے۔ یہاں آئین کا ایک نہایت حساس اور شدید العمل ادارہ قرآن حکیم کی صورت میں موجود ہے جو نا قابل تغیر ہے اس لیے کہ خود رحیم اور کریم خدا کی تصنیف ہے۔ اس آئین کی کلیدی دفعات میں اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی ہر چیز خدا کی پیدا کردہ ہے اس لیے یہ کسی کی ملکیت نہیں اور خدا اپنے متقی بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے دنیا کی کوئی شخصیت خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، کوئی ایسا قانون نہ بنا سکتی ہے نہ اسے نافذ کر سکتی ہے جو اس آئینی ڈھانچے سے باہر ہو یا اس کی نفی کرتا ہو۔ اس نقطۂ نظر سے دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت وہ خود پیغمبر کی ذات ہو یا شہنشاہ کی اس سے ماوریٰ نہیں بلکہ اس کے تابع ہے۔ اس لیے اسلام میں قوتِ حاکمہ کسی ایک فرد کی ذات میں مرتکز نہیں ہوتی بلکہ یہ اس قانون کے لیے وقف رہتی ہے جو آئین کے نظام کا پابند ہے۔ قدرتی طور پر اس نظامِ فکر میں کسی حاکم، محکوم، چھوٹے بڑے، ادنیٰ و اعلیٰ، غلام اور آقا کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ سب یکساں اور برابر ہیں کیونکہ سب قانون کی نظروں میں برابر اور یکساں ہیں۔

ان دونوں نظریات یا نظام ہائے فکر کے درمیان اگر ہم مشترک منطقے تلاش کرنے کی کوشش کریں تو ظاہر ہے کہ یہ کوشش عبث اور رائیگاں ہوگی۔ البتہ ان میں اختلاف کے منطقے بے شمار ہیں اور اگر ان کی تفصیلات پر نظر ڈالی جائے تو یہ محسوس کرنا مشکل نہ ہوگا کہ ان دونوں کے درمیان کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔

دعوتِ اسلام:۔

آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد آنے والے ایک مختصر دورِ اطمینان کو ان دونوں سلطنتوں کے فرماں رواؤں اور ان کے ماتحت یا زیر اثر عرب علاقوں میں رہنے والے رؤسائے قبائل کو خطوط لکھنے میں استعمال فرمایا۔ ان خطوط میں ان سب کو اسلام کی

Marfat.com

دعوت دی گئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ دعوت دی گئی تھی کہ وہ اپنے قدیم نظریۂ حیات اور طریقِ عمل کو ترک کر دیں جس کی اساس اور بنیاد پر ان کی دنیوی عظمت کے عظیم الشان محل قائم ہیں مطلق العنان فرماں رواؤں سے کہا گیا تھا کہ اپنے اس حق کو ترک کر دیں کہ ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہے اور وہ خود ہر قانون سے ماوری ہیں اور اس کے بجائے ایک ایسے قانون و آئین کے تحت آجائیں جس میں کوئی لچک نہیں اور جو پیغمبر ہو یا شہنشاہ کسی کے ساتھ کوئی رعایت روا نہیں رکھتا انہیں کہا گیا تھا کہ تم آج تک دنیا میں یہ غلط نظریہ پھیلاتے رہے ہو کہ تمہاری رایا تمہاری محکوم اور غلام ہے۔ اصل یہ ہے کہ تم اس کے خادم اور محافظ ہو۔ تم نے آج تک غلط سمجھا ہے کہ جس زمین کو تم بزورِ شمشیر فتح کر لو گے وہ تمہاری ملکیت بن جائے گی۔ اور تم اسے سیاسی رشوت کے طور پر اپنے مصاحبین اور مقربین میں اس طرح تقسیم کر سکو گے کہ یہ مصاحبین اور مقربین ایک طرف مقامی آبادی کو طاقت اور زور کے بل پر دبائے رکھیں۔ اور تمہارے جبر و استبداد اور لاقانونیت کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھ سکے اور دوسری طرف ہمسایوں کی ملکیت پر پھیل جانے اور اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے امکانات روشن رکھیں۔ سچائی یہ ہے کہ زمین اللہ کی ہے اور تلوار اس وقت اٹھ سکتی ہے جب حقوق اللہ کا اور حقوق العباد کا تحفظ اور اس کی بقا کے لیے تلوار کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ باقی نہ رہے۔

ظاہر ہے کہ اس انقلاب آفرین نظریے کو قبول کرنے کے لیے بہت بڑے دماغ اور اس سے بھی بڑے دل کی ضروت تھی۔ مکے میں جب یہ نظریہ پیش کیا گیا تو مفادات کے چھوٹے چھوٹے گروہ اس کو قبول کرنے سے برسوں انکار کرتے رہے اور اس کے قبول اور مفادات کے گروہوں کے درمیان خون اور تلوار کے جنگل حائل رہے۔ قیصر روم اور کسریٰ ایران کے مفادات تو ان سے ہزار گنا بڑے تھے۔ اس لیے مکہ کے ردِّعمل کی شدت اور قیصر و کسریٰ کے ردِّعمل کی شدت کے درمیان وہی نسبت ہونی چاہیئے تھی جو ان کے مفادات کی نسبت تھی۔

Marfat.com

کسریٰ ایران کا ردّعمل:-

چنانچہ توقع کے عین مطابق یہ ردّعمل ہوا جب نامۂ مبارک کسریٰ ایران کے دربار میں پیش ہوا تو اس نے اسے غیظ وغضب کی شدت میں چاک کر دیا اور یمن میں اپنے گورنر کو لکھا ''حجاز سے اس آدمی کا سر منگوا کر مابدولت کے پاس بھیج دو جس نے عرب میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔''

اس وقت یمن میں ایران کی طرف سے بازان [1] عامل تھے۔ انہوں نے یہ حکم نامہ اپنے دو آدمیوں کے ہاتھ مدینہ منورہ بھیج دیا۔ جب گورنر کے دونوں ایلچی دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ کہہ کر لوٹا دیا ''میرے اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ تمہارے بادشاہ (کسریٰ) کو اس کے بیٹے شیر دیدہ نے ہلاک کر دیا ہے اور اس کی جگہ خود بادشاہ بن بیٹھا ہے۔'' اس کے ساتھ آپ ﷺ نے بازان کو اسلام لانے کی دعوت دی اور کہلا بھیجا کہ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو یمن کی گورنری پر حسبِ سابق برقرار رہیں گے۔

بازان کو یہ پیغام پہنچا اور اس کے ساتھ ہی یا اس کے بعد اس اطلاع کی تصدیق بھی ہوگی۔ بازان اسلام سے قریب تھے۔ اس پر پیغمبرانہ عظمتوں کی یہ تائید نجربے میں آئی بازان مشرف بہ اسلام ہو گئے اور یمن سلطنت ایران سے کٹ کر خود بخود اسلام کی سیاسی سیادت میں آ گیا۔

کسریٰ ایران کے قتل کے بعد ایران میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور دور افتادہ سرحدات کا تحفظ کمزور ہوگیا۔ سلطنتِ روما اس وقت کے انتظار میں تھی۔ رومی فوجیں فوراً حرکت میں آئیں اور ایران کے اکثر علاقے رومیوں کی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ ایران کے پاس یمن پر دعویٰ کرنے کا نہ موقع تھا نہ طاقت۔

اس بات نے یمنیوں کو خاصا مضطرب کر دیا۔ انہیں اسلام کی سیادت و قیادت سے

---

[1] بعض روایات میں بازان کے بجائے بدھان آیا ہے۔

Marfat.com

انکار نہ تھا۔ بازان اور ان کے معلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کے اثر سے اسلام بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ یمن کے مختلف قبائل میں پھیلا تھا۔لیکن یہ قبائل خطہ حجاز کی سیاسی قیادت اور حکومت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وطنیت کا قدیم جذبہ اس ابا کی بنیاد تھی مرکز اسلام سے دور ہونے کی وجہ سے یہ نکتہ ان کے ذہن میں نہیں بیٹھا تھا کہ مدینے کی مرکزی حکومت حجاز یا قریش کی حاکمیت نہیں ہے۔ چنانچہ اندر ہی اندر اس کے خلاف مواد تیار ہوتا رہا انہیں آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں اترنے کی ہمت نہ تھی۔ اسلام کی قوتِ حرب نے اپنا لوہا دور دور تک منوا لیا تھا۔ اس لیے جب اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یمن پر ''رحمٰن الیمنی'' کی حکومت کا نعرہ لگا کر قدیم وطنیت کی تسکین کی تو پورا یمن اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا اور یمن اور حضر موت سے لے کر مکہ اور طائف کی سرحدوں تک کا علاقہ اس کی سلطنت میں آ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس پر قابو پا لیا گیا اور یمن کو مرکزیت کا احترام کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

عراق اور شام کے سرحدی علاقے:۔

اس کے بعد شمال عرب میں عراق اور شام کے علاقے تھے۔ ان میں عراق باقاعدہ ایرانی سلطنت کا ایک صوبہ تھا اس کی زرخیز اور سرسبز زمینیں ایرانی زمینداروں کے قبضے میں تھیں جن پر عرب مزارعے کام کرتے تھے۔ ان مزارعوں کے ساتھ ایرانی زمیندار وہی سلوک کرتے تھے جو اس نظام کے تحت دنیا میں ہر جگہ مزارعوں سے کیا جاتا تھا یعنی پیداوار کا بے حد قلیل حصہ ان کے حصے میں آتا اور بقیہ کل پیداوار زمیندار اپنے حقِ ملکیت کے طور پر اٹھا لے جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عراق کا مسئلہ سامنے نہیں تھا۔ اصل مسئلہ جس پر آنحضرت ﷺ نے توجہ مبذول فرمائی وہ شام کی سرحدوں پر آباد عرب قبائل کا مسئلہ تھا۔ جسے رومی حکومت نے عرب کے خلاف اولین دفاعی لائن کی حیثیت دے رکھی تھی۔ خلیج عقبہ کے شمال مشرقی حصے کا نام شام اور خلیج فارس کے شمال

Marfat.com

مغربی حصے کا نام عراق ہے۔ ان دونوں خلیجوں کے درمیان ایک سلسلہ کوہ واقعہ ہے جو صحرائے نفوذ (جسے پرانے جغرافیہ دان صحرائے ساوہ کے نام سے یاد کرتے تھے) اور صحرائے شام کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے اس طرح صحرائے شام عراق اور شام کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔

صحرائے شام کے وہ علاقے جو شام اور عراق کے شہری علاقوں کے قریب واقع ہیں قدیم زمانے سے عرب بادیہ نشینوں کے لیے کشش کا باعث بنے رہے۔ چنانچہ یمن میں سدمآرب کی شکست کے موقعہ پر یمن کے کچھ قبائل ترکِ وطن کر کے صحرائے شام کے درمیان شام اور عراق کے سرحدی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ اس کے بعد نو آبادکاری کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ شام اور عراق کے یہ سرحدی علاقے عرب ہی کا حصہ سمجھے جانے لگے ان نو آباد قبائل میں سب سے زیادہ طاقتور قبیلہ بنو غسان تھا۔ جس نے شام کے سرحدی علاقوں پر اپنی ایک مضبوط سلطنت قائم کر لی تھی۔ ان کے مقابلے میں ایک دوسرے قبیلے بنو لخم نے عراق کے سرحدی علاقے پر سلطنت قام کی جسے تاریخ میں مملکتِ حیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

شام اور عراق کے ان سرحدی علاقوں کی عرب سلطنتوں میں ایک واضح فرق یہ تھا کہ رومی سلطنت نے اپنے مقاصد کے پیش نظر ریشہ دوانیوں کے ذریعہ عرب قبائل کو ایک دوسرے کا مخالف بنائے رکھا اور اس طرح ان کی ایک مرکزی سلطنت قائم نہ ہو سکی۔ اس کے بجائے اس علاقے میں چار مختلف سلطنتیں قائم ہوئیں۔ اس کے مقابلے میں مملکت حیرہ ایک مرکزی ریاست تھی جس کا اثر و نفوذ عین التمر تک وسیع تھا۔ ایرانیوں اور رومیوں کی لڑائیوں میں بنو غسان کی سلطنتوں میں اتحاد پیدا ہوا اور شہنشاہِ جسٹینین نے حارث بن حیلہ کو تمام عرب قبائل کا بادشاہ بنا دیا۔ شام کا آخری عرب حاکم حیلہ بن ابہم تھا جس کی حکومت کا خاتمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا۔

Marfat.com

جنگ موتہ:-

اسی شام کا ایک علاقہ بلقاء تھا جو آج کل سلطنت اردن کا حصہ ہے۔ اس علاقہ کا رئیس شرحبیل بن عمرو تھا۔ آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد سلاطین کے ساتھ ساتھ عرب رؤسا کو بھی خط ارسال فرمائے تھے۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر، شرحبیل بن عمرو کے نام آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک لے کر بلقاء میں تشریف لائے تو شرحبیل بن عمرو نے تمام سفارتی آداب واخلاق کو پسِ پشت ڈال کر آنحضرت ﷺ کے سفیر کو قتل کر دیا۔

جب حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی اس وقت خیبر فتح ہو چکا تھا۔ صلح حدیبیہ پر ایک سال گزر چکا تھا اور آنحضرت ﷺ اس صلح کے مطابق کعبہ میں عمرہ کرنے کے بعد مدینہ میں واپس تشریف لا چکے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ خبر سن کر حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن عمیر کے خون کا قصاص لینے کے لیے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ تین ہزار جاں بازوں پر مشتمل لشکر تیار ہو کر حدودِ شام کی طرف روانہ ہوا۔ اس لشکر کے سالار آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ تھے ان کے نائب (سیکنڈ ان کمانڈ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی اور آنحضرت ﷺ کے مقربِ خاص حضرت جعفر رضی اللہ عنہ طیار تھے ان کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کا نمبر تھا جو معزز انصاری اور بلند پایہ صحابی تھے۔

مہاجرین اور انصار میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کی قیادت اور بڑے بڑے خاندانی معززین کی ماتحتی کے متعلق چہ میگوئیاں ہوئیں لیکن آنحضرت ﷺ کو یہی سبق دینا تھا کہ درجہ بندی خاندان اور تعلقات کی نسبت سے نہیں، اہلیت کار کی نسبت سے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سیادت پر ہی اصرار فرمایا اور زید رضی اللہ عنہ ہی امیر لشکر کی حیثیت سے شام کو روانہ ہوئے۔ آئندہ مسلمانوں کے ہر دور کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے اہلیتِ کار کو خاندانی اور تعلقاتی مصلحتوں پر ترجیح دینے کی سنت شریفہ پر عمل کیا کامیابی نے ان کے قدم چومے اور جب اس سنت سے انحراف کیا گیا اس کے منطقی اور قدرتی نتائج سے مضر ممکن نہ ہو سکا۔

Marfat.com

لشکرِ اسلام کی روانگی کی خبر جب شرحبیل کو پہنچی تو اس نے بھی شام کے سرحدی علاقوں کے مختلف قبائل پر مشتمل ایک لشکرِ گراں تیار کیا جس کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ قیصرِ روم کو اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے منطقہ اثر کو ''حجاز کے بدویوں'' کی مداخلت سے محفوظ رکھنے کی تیاری کی اور بحیرۂ لوط کے مشرقی گوشے کے ایک مقام مآب میں آکر خیمہ زن ہوا۔ بتایا جاتا ہے کہ قیصر ہرقل کے پاس بھی ایک لاکھ فوج تھی جو شرحبیل کی فوج کے علاوہ تھی اگر اس تعداد کو تسلیم کر لیا جائے تو جنگ میں فریقین کی جو نسبت قرار پاتی ہے وہ عالمی تاریخ کی کسی جنگ میں اپنی مثال نہیں رکھتی۔ تین ہزار مسلمانوں کا ایک بریگیڈ دو لاکھ کے لشکر سے نبرد آزما ہونے کے لیے بڑھ رہا تھا۔ دشمن کے لشکر کا ایک حصہ جو ایک لاکھ افراد پر مشتمل تھا۔ مسلمانوں سے پہلا رابطہ پیدا کرنے کے لیے اگلی صفوں میں موجود تھا۔ بقیہ ایک لاکھ مآرب میں اس کی پشت پناہی کے لیے تیار تھا۔ یہ خواب کی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن پرانے مؤرخین میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

اس جنگ کی سیاسی وجہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ تھی۔ مسلمان یہ دعویٰ لے کر آئے تھے کہ رومی سلطنت کے زیرِ حفاظت امیر نے سفارتی آداب کی خلاف ورزی کی ہے اور ایک خود مختار سلطنت کے سفیر کو قتل کر دیا ہے۔ عظیم سلطنتِ روما کو اپنی عظمتوں کے پیشِ نظر سفارتی اعتماد کی بحالی اور اسلامی ریاست مدینہ کی خود مختاری کو تسلیم کرنے کے اظہار کے طور پر اپنے زیرِ حفاظت امیر کے اس فعل کی تلافی کرنا چاہیے تھی لیکن سلطنتِ روما نے اس کے خلاف قوت کا مظاہرہ کر کے یہ ثابت کیا کہ وہ اسلامی ریاست مدینہ کی آزادی اور خود مختاری کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے اس ریاست کا سفیر روم کی نظر میں سفیر نہیں تین ہزار کا یہ معمولی لشکر اس سیاسی نکتے کی وضاحت کے لیے روانہ کیا گیا تھا کہ مسلمان کمزور اور کم تعداد ہونے کے باوجود اپنی آزادی اور خود مختاری کی نفی کو برداشت نہیں کریں گے۔ ان کے مقابلے میں سلطنت روم نے دو لاکھ آہن پوشوں کا سیل بے پناہ تیار کر کے اسی نکتے کی وضاحت کی تھی کہ وہ مدینہ کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور بزورِ شمشیر اسے اس دعویٰ سے دستبردار

Marfat.com

ہونے پر مجبور کریں گے۔

ان دو سیاسی نکات میں سے کون سا سیاسی نکتہ حق پر تھا اور کون محض طاقت کے گھمنڈ میں اپنے موقف کی صداقت کو ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اس کی تفصیل شاید غیر ضروری ہو بہر حال ان تمام جنگوں میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کس سیاسی نکتے کو کامیابی ہوئی اور اگر حق کی دائمی کامیابی تاریخ کا ایک دائمی معیار ہے تو آنے والے واقعات نے کس سیاسی موقف کو حق اور انصاف پر مبنی موقف ثابت کیا۔

ابن ہشام ہمیں بتاتے ہیں کہ تین ہزار مسلمانوں کا یہ مختصر لشکر جب معان نامی مقام پر پہنچا تو انہیں شرحبیل کے لشکر گراں کی اطلاع ہوئی۔ معان اس وقت شام کا ایک حصہ تھا آج یہ سلطنت اردن میں شامل ہے مسلمانوں نے اس اطلاع کے پیش نظر ایک مجلس مشاورت بلائی جس میں حالات کے پس و پیش پر غور کیا گیا اور یہ تجویز زیر غور آئی کہ آنحضرت ﷺ کو اس تازہ صورتِ حال سے مطلع کیا جائے اور مرکز کے حکم کا انتظار کیا جائے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ جو اس فوج کے تیسرے درجے پر کمانڈر تھے مدینہ سے جب نکلے تو شوقِ شہادت سے سرشار تھے۔ انہوں نے کہا کہ فتح ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ ہم یہاں سعادتِ شہادت کی جستجو میں آئے ہیں۔ غالباً یہی مجلس کے دوسرے ارکان کے دل کی آواز تھی۔ یہاں یہ نکتہ ذہن میں واضح رہنا چاہیئے کہ شہادت محض جنگ کر کے قتل ہو جانے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ شہادت اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب لڑنے والا حق کی حمایت اور حق کے دفاع میں لڑ رہا ہو اور اس حالت میں اس کا خون حق کی آبیاری کے کام آئے اس لیے جب مجلس کے ارکان نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ شہادت کے حصول کے لیے جنگ کریں گے تو اس فیصلے کو ان لفظوں میں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے موقف کی سچائی پر اپنے خون سے مہر تصدیق ثبت کرنے اور اپنی آزادی اور خود مختاری کی تکذیب کو شکست دینے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا رہے تھے۔

چنانچہ تین ہزار مسلمان اس عزم کے ساتھ ایک لاکھ کے کوہِ گراں سے ٹکرا جانے کے

Marfat.com

لیے آگے بڑھے اس کے جواب میں اس کوہِ گراں نے بھی حرکت کی۔ دونوں لشکر ایک مقام پر آمنے سامنے ہوئے جس کا نام موتہ ہے۔ اس وقت یہ مقام شام کا ایک مشہور شہر تھا۔ اس میں تلواریں بنتی تھیں جو پورے عرب میں اپنی کاٹ اور پختگی کی وجہ سے مشہور تھیں۔ اب یہ سلطنت اردن کا ایک معمولی اور بے حیثیت قصبہ ہے۔

دشمن کو شاید یہ خیال ہو کہ یہ معمولی تعداد اس کے سیلِ بے پناہ کو دیکھ کر مرعوب ہو جائے گی اور اس کی عددی قوت کے سامنے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا مسلمانوں نے یہ حیرت انگیز کارنامہ دکھایا کہ ان کی تین ہزاز کی تعداد بے دھڑک دشمن پر ٹوٹ پڑی۔ ان تین ہزار سربکف مجاہدوں نے رومیوں پر دو باتیں واضح طور پر ثابت کر دیں۔

① مسلمان رومیوں کی عددی برتری سے مرعوب نہیں ہیں۔

② اسلامی ریاستِ مدینہ کے جانباز اپنی آزادی اور خودمختاری پر کامل ایمان رکھتے ہیں اور وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو مجبور کر دیں گے کہ وہ اس کا احترام کرے۔ جنگ کا فیصلہ اس سیاسی نکتے کی وضاحت کے مقابلے میں اہم نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کی پیغمبرانہ بصیرت نے لشکر کی روانگی کے وقت فوجی نتیجے کو دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ حکم ہوا تھا کہ اگر زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ شہادت پائیں تو لشکر کی کمان حضرت جعفر رضی اللہ عنہ طیار کریں اگر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا سر دینے میں کامیاب ہو جائیں تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں۔ کمانڈروں میں سے ان حضرات کی شہادت کے بعد نطقِ پیغمبر نے کسی کمانڈر کو شہادت کی خوش خبری نہیں دی تھی۔ مسلمان اپنے مرکز کے احکام کی باریکیوں کو سمجھنے میں کس اعلیٰ ذہانت کا ثبوت دیتے تھے اور ان باریکیوں کی تکمیل میں کیسے حسن عمل کا اظہار کرتے تھے جنگِ موتہ اس بے مثال حقیقت کا بڑا زندہ اور تابناک ثبوت ہے۔ جنگ میں تینوں کمانڈر یکے بعد دیگرے دولتِ شہادت سے بہرہ یاب ہوئے۔ اور فوج کی کمانِ بالآخر حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے

Marfat.com

سنبھالی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرانہ بصیرت نے اس کے بعد اس جنگ کے مقصد کو کامیاب قرار دے دیا تھا چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا جنگی منصوبہ بدل گیا اب مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو زندہ بچا کر مرکز کی طرف لوٹ جانا ہی کامیابی ہے چنانچہ وہ جی توڑ کر لڑے۔ اسی جنگ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔ وہ بقیہ مسلمانوں کو بچا کر مدینہ پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے۔

مولانا شبلی نعمانی کی تحقیق ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو فتح مکہ کے موقعہ پر سیف اللہ کا خطاب ملا تھا۔ لیکن مشہور مصری مورخ محمد حسین ہیکل فرماتے ہیں کہ یہ جنگ موتہ کے بعد اس وقت عطا ہوا جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے باقی ماندہ لشکر کو بچا کر واپس لے آنے میں کامیاب ہوئے فتح مکہ جنگ موتہ کے بعد کا واقعہ ہے۔

غزوۂ تبوک:-

اس سلسلے کا دوسرا غزوہ فتح مکہ کے بعد ہوا اسے غزوۂ تبوک اس لیے کہا جاتا ہے کہ لشکرِ اسلام نے مدینے سے تبوک نامی مقام کی طرف کوچ کیا تھا جو مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی تحقیق کے مطابق مدینہ اور دمشق کے نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر واقع ہے ایک منزل تقریباً آٹھ اور نو میل کے درمیان سمجھی جاتی ہے۔

روم اور ایران کے بادشاہوں کے نام آنحضرت ﷺ کے خطوط کا جو ردِ عمل ہوا اس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔ ایران کے داخلی انتشار اور یمن کے ایرانی گورنر کے حلقہ بگوش اسلام ہو جانے کی وجہ سے یمن اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے جناب زابان کی وفات کے بعد یمن کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے اس پر اپنے اعمال مقرر کر دیئے تھے اس کے نواحی علاقے یعنی یمامہ، حضر موت اور قبائل متیم واسد وغیرہ کے علاقے ایران کے منطقۂ اثر میں آگئے چنانچہ ان علاقوں کی اندرونی شورشیں اسلامی ریاست مدینہ

Marfat.com

کے داخلی مسائل قرار پائیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول کے مبارک عہد میں ان مسائل کا حتمی حل ہوا۔ لیکن شمالی عرب میں عراق اور شام ایسے علاقے تھے جو اب بھی غیر ملکی حکومت کے ماتحت اور عرب کی طرف ان کی سرحدیں ان حکومتوں کے سیاسی اثرات کے تحت تھیں۔ چنانچہ عراق ایران کا ماتحت صوبہ تھا اور اس سے ملحق صحرائے شام کی سرحدوں پر آباد عرب قبائل ایران کے زیرِ اثر قبائل تھے۔ شام رومی حکومت کا عربی صوبہ تھا اور صحرائے شام (بادیۂ سماوہ) کے وہ سرحدی علاقے جو شام کے متصل تھے، رومی حکومت کے سیاسی اثرات میں تھے اس لیے یہ بات متوقع سمجھی جا سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نامہ ہائے مبارک کے بعد بالعموم اور اس سے ملحقہ علاقوں کے اسلام کے منطقۂ اثر میں آجانے کے بعد بالخصوص ایرانی حکومت کی طرف سے ان علاقوں میں ریشہ دوانیوں کا جال پھیلایا گیا ہوگا اور ان علاقوں کے مقامی قبائل کو اسلام کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی گئی ہوگی چنانچہ بعض مستشرقین نے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں بھی اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد ایران نے جنوبی اور جنوب مشرقی عرب کے علاقوں میں فتنۂ ارتداد ہو کر ہوا دی اور عراق میں عرب قبائل کو پریشان کر کے ایسے حالات پیدا کیے جو اس سلطنت کے خیال میں اسلام کے اثر ونفوذ کو عراق میں کم کر سکتے تھے۔

موتہ کے میدان میں نڈر اور دلیر اسلامی لشکر نے اپنی قلیل تعداد کے باوجود دشمن پر حملہ کر کے صحرائے شام کے سرحدی علاقوں کے مسیحی عرب قبائل کو اور ان کی وساطت سے رومی سلطنت کو چوکنا کر دیا اور رومی سلطنت نے اپنے ان علاقوں میں اسلام کی بڑھتی اور پھیلتی ہوئی قوت کو تشویش کی نگاہوں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مدینے پر غسانیوں (سرحدی قبیلے) کا خطرہ محسوس کیا جانے لگا۔ غسانیوں کا یہ خطرہ اتنا زیادہ ہو گیا تھا کہ مدینہ کے رہنے والوں کو ہر آن اس کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی صحیح بخاری میں واقعۂ ایلا کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ جب واقعۂ ایلا کی خبر عام ہوئی تو حضرت عتبان رضی اللہ عنہ بن مالک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھاگے ہوئے آئے اور گھبرا کر کہا ''غضب

Marfat.com

ہو گیا۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو سوال دفعتہً پوچھا وہ یہ تھا ''کیوں خیر ہے؟ کیا غسانی آ گئے؟''

شام کے کچھ سوداگر مدینہ میں آئے اور اطلاع دی کہ شام میں رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو رہا ہے اور ان کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے یہ اور اس قسم کی کئی افواہیں مسلسل مدینے پہنچتی رہیں اور آخر آنحضرت ﷺ نے لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔

یہ تیاری بہت بڑے پیمانے پر کی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے معاشرے کے اہلِ ثروت سے فنڈ کے لیے اپیل کی۔ اور مسلمانوں نے عجیب والہانہ انداز سے جہاد بالمال میں حصہ لیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس فنڈ میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اپنی بساط کے مطابق چندہ دیا۔ جو ناداری کی وجہ سے اس میں حصہ نہ لے سکے انہیں مدت العمر اس کا قلق رہا۔ بہر حال ۳۰ ہزار کا لشکر جرار تیار ہوا اور آنحضرت ﷺ کی بابرکت قیادت میں تبوک کی طرف روانہ ہوا۔

مومنین کی اس مقدس جماعت کے پہلو بہ پہلو منافقین بھی موجود تھے اور اپنی بزدلی کی وجہ سے قدم قدم پر بددلی پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ سورۂ توبہ میں منافقون کا بلیغ اور واضح نقشہ موجود ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن کے حواشی میں سورۂ توبہ کی آیت:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ .... الخ

کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قحط سالی کا زمانہ تھا۔ کھجور کی فصل پک رہی تھی، سایہ خوش گوار تھا پھر اس قدر بعید مسافت طے کر کے جانا اور نہ صرف ملک غسان بلکہ قیصر روم کی باقاعدہ اور سروسامان سے آراستہ فوج سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ ایسی مہم میں مؤمنین مخلصین کے سوا کس کا حوصلہ تھا کہ جانباز انہ قدم اٹھا سکتا۔ چنانچہ منافقین جھوٹے حیلے بہانے تراش کر کھسکنے لگے۔ بعض مسلمان بھی ایسے سخت

Marfat.com

وقت میں اس طویل اور صعب سفر سے کترا رہے تھے جن میں سے بہت سے تو آخر کار ساتھ ہو لیے اور گنے چنے آدمی رہ گئے جن کو کسل و تقاعد نے اس شرفِ عظیم کی شرکت سے محروم رکھا۔"

ابن ہشام تصریح کرتے ہیں کہ اس سے قبل آنحضرت ﷺ نے کسی لشکر کی روانگی کے وقت لشکر کی منزل اور اس کے راستے کے متعلق وضاحت سے کبھی کچھ نہیں فرمایا یہ بات ہمیشہ صیغۂ راز میں رکھی جاتی اور ایسے اشارے کیے جاتے جو ذہن کو دوسری سمتوں کی طرف منتقل کرتے یہ احتیاط منافقین اور دشمن کے جاسوسوں کی موجودگی کی وجہ سے برتی جاتی تھی لیکن اس دفعہ آنحضرت ﷺ نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ رومیوں کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ طول وطویل پرخطر راستوں میں سے گزرنا ہوگا۔ اس لیے مسلمانوں کو راستے کی محنت و مشقت اور مقابلے کی سختی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

یہ لشکر مختلف عبرت آموز راستوں سے گزرتا رہا اور زبان وحی ترجمان ہر ہر قدم پر مسلمانوں کو رموزِ شریعت سے آگاہ کرتی رہے یہاں تک کہ جب لشکر شامی سرحدوں کی حدود میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ جو خبریں مدینہ تک پہنچ رہی تھیں وہ تمام وکمال درست نہ تھیں تاہم ان میں یہ سچائی ضرور تھی کہ سلطنتِ روما اور قبیلۂ غسان میں ساز باز چل رہی ہے اور حجاز پر حملہ کی پوشیدہ تیاریاں کی جارہی ہیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کچھ دنوں تک یہاں تشریف فرما رہے۔ لشکرِ اسلام کی موجودگی کے بعض اہم سیاسی اثرات ظاہر ہوئے۔ سلطنتِ روما کے زیر اثر علاقوں میں سے خلیج عقبہ کے کنارے کا وہ مقام جو اب ایلات کہلاتا ہے اور جسے پرانے مؤرخ ایلہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وساطت سے اسلامی ریاست مدینہ کا باجگزار بن گیا اسی طرح جرباء، اذرخ اور دومۃ الجندل کے عیسائی قبائل نے جزیہ دینا قبول کر لیا یہ رومی سلطنت کے منطقہ اثر میں ایسی دراڑیں تھیں جو آگے چل کر اس علاقے میں اسلام کے اثر و نفوذ اور توسیع و اشاعت کے لیے زمین ہموار کرنے کے باب میں بڑی مفید اور مؤثر ثابت

Marfat.com

ہوئیں۔ خارجہ تعلقات کے نقطۂ نظر سے اس غزوے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اسلام مستقبل قریب کی بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے محسوس کیا جانے لگا۔

داخلی طور پر بھی اس غزوے کے متعدد اثرات ہوئے جن میں سے سب سے نمایاں اور دور رس اثر اندرونِ ملک کی اجتماعی نفسیات کی تبدیلی تھا۔ عرب روایۃً ایران اور روما کی برتری سے مرعوب اور مغلوب تھے غزوۂ تبوک نے برتری کے اس طلسم کو بڑی حد تک کمزور کر دیا اور عرب ذہنی طور پر ان طاقتوں سے ٹکرا جانے کے لیے تیار ہونے لگے۔

لشکرِ اسامہ کی روانگی:۔

اس مبارک اور مسعود کردی کا تیسرا اور آخری سلسلہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کی ماتحتی میں کبار صحابہ پر مشتمل ایک لشکر کی روانگی ہے جو آنحضرت ﷺ کے آخری ایام کی یادگار ہے۔

واقعات مختصراً یہ ہیں کہ غزوۂ تبوک نے شام سے متصل سرحدی علاقوں میں رہنے والے عربی قبائل اور اس کے ساتھ پوری سلطنت روما میں ہلچل پیدا کر دی اور سلطنتِ روما کی طرف سے مدینے پر حملے کا خطرہ جو غزوۂ تبوک کے آغاز میں محسوس ہوتا تھا پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ محسوس ہونے لگا اس خطرے کے پیشِ نظر آنحضرت ﷺ نے شام پر خروج کرنے کے لیے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید رضی اللہ عنہ اس لشکر کے امیر مقرر ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسی پائے کے دوسرے بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہ کو اس لشکر میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا۔

جیسا کہ معلوم ہوگا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ موتہ کی مہم میں جانے والے لشکر کی قیادت جب ان کے سپرد ہوئی تھی اس وقت مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے ان کی قیادت و سیادت پر اعتراض کیا تھا اب ان کے

Marfat.com

صاحبزادے اکابر مہاجرین و انصار کے امیر بنائے گئے تو وہی پرانے اعتراضات اور زیادہ شدت کے ساتھ سامنے آنے لگے۔ ابن ہشام کے لفظوں میں مسلمان:

"کہتے تھے کہ آنحضور ﷺ نے بڑے بڑے مہاجرین اور انصار پر ایک نوعمر غلام کو امیر بنا دیا۔"

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت بیس برس کی تھی۔ آپ صغرسنی کی وجہ سے جنگ احد میں شریک نہیں کیے گئے۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں جب آنحضرت ﷺ نے عمرہ ادا کیا اس وقت اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی سواری کے اونٹ پر پشتِ مبارک سے لگے بیٹھے تھے۔ لیکن اس کم عمری کے باوجود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور مہارتِ جنگ کے متعلق کسی کو شبہ نہ تھا۔ اعتراض صرف یہ تھا کہ وہ "نوعمر غلام" ہیں اس لیے پرانے عربی ذہن کے مطابق انصار و مہاجر اکابر کے شایانِ شان نہیں کہ وہ ان کے ماتحت ہو کر جنگ کریں۔

آنحضرت ﷺ اسی پرانے عربی ذہن کو بدلنا چاہتے تھے اور اہلیت کار کی برتری کے مقابلے میں پیدائش کی برتری کے تصور کو بیخ ذہن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے چنانچہ اس مصلحت کو نظرانداز کر کے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا گیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ لشکر روانہ ہو سکے آنحضرت ﷺ بیمار ہو گئے۔ آپ ﷺ کا بخار بہت تیز تھا۔ جب آپ ﷺ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت و سیادت کے بارے میں مسلمانوں کے اعتراضات کا علم ہوا تو حکم دیا کہ آپ ﷺ کو نہلایا جائے۔ چنانچہ سات مختلف کنوؤں سے پانیوں کی سات مشکوں سے آپ ﷺ کو نہلایا گیا جس سے بخار میں قدرے افاقہ ہوا۔ آپ ﷺ سر پر پٹی باندھ کر مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو خطاب فرمایا:

"اے لوگو! اسامہ کا لشکر جلد بھیج دو۔ تم نے اسامہ کی امارت پر اعتراض کیا ہے تو تم اس سے پہلے ان کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو (جو بعد میں

Marfat.com

غلط ثابت ہوا) خوب سمجھ لو کہ اسامہ امارت کے قطعی اہل ہیں اور ان کے باپ بھی اس کے اہل ثابت ہو چکے ہیں۔" (ارشادِ رسول ﷺ میں لفظ "اہل" خاص توجہ کا مستحق ہے)۔

ابن ہشام کے الفاظ میں پھر رسول اللہ ﷺ منبر پر سے اترے اور لوگوں نے بڑی عجلت سے سامان تیار کرنا شروع کر دیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کا لشکر مدینہ سے نکل کر ایک فرسخ کے فاصلے پر مقامِ جوف میں ٹھہر گیا۔ لوگ آ آ کر اس میں شامل ہوتے گئے۔ لشکر کی تیاریاں ابھی جاری تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی بیماری خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ لشکر کی روانگی میں تاخیر ہوگئی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے یومِ وصال کو علی الصباح خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت کا نقشہ ابن ہشام نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ہی کے الفاظ میں محفوظ کیا ہے:

"جب رسول اللہ (ﷺ) کی بیماری بڑھ گئی تو میں اور میرے چند ساتھی مدینہ میں آئے۔ میں آپ ﷺ کے پاس گیا۔ آپ ﷺ کو شدید ضعف تھا اور بول نہ سکتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے اور مجھ پر رکھ دیتے مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ میرے لیے دُعا فرما رہے ہیں۔"

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین میں اہل بیت کے ساتھ شریک تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافتِ اول کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالیں تو پہلا سرکاری حکم جو دربارِ خلافت سے جاری ہوا۔ لشکر اسامہ کے لیے روانگی کا حکم تھا۔ اعتراض کرنے والی زبانیں پھر حرکت میں آئیں اور لشکر کی روانگی کا حکم منسوخ کرا دینے کی کوششیں شروع کر دی گئیں اس وقت مہاجرین اور انصار کے درمیان مسئلہ خلافت پر پیدا ہونے والے اختلافات اور قبائل عرب میں ارتداد کی بغاوت کے آثار اس منسوخی کے لیے معقول جواز سمجھے گئے۔ اس خیال نے اتنی شدت اختیار کی کہ ایک روایت کے مطابق خود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ان

Marfat.com

اعتراضات کی وجہ سے پریشان ہو گئے اور انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بیچ میں ڈالا کہ خلیفہ رسول اللہ سے اس حکم کو منسوخ کرا دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے۔ تو انصار نے بھی پیغام دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اول نے فرمایا ''اگر جنگل کے کتے اور بھیڑیئے مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اٹھا لے جائیں۔ تو بھی میں وہ کرنے سے باز نہیں آؤں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے کرنے کا حکم دیا۔'' انصار کا پیغام یہ تھا کہ ایسے آدمی کو لشکر کا سردار مقرر فرمایا جائے جو عمر میں اسامہ رضی اللہ عنہ سے بڑا ہو۔ اس پیغام کا جواب دیا گیا۔

> ''اے ابن خطاب! اسامہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر مقرر فرمایا ہے اور تم مجھے کہتے ہو کہ میں اسے اس کے عہدے سے ہٹا دوں۔''

محمد حسین ہیکل مستند حوالوں سے بتاتے ہیں کہ:

> ''عمر رضی اللہ عنہ پشیمان ہو کر سر جھکائے واپس چلے آئے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ ابوبکر نے کیا جواب دیا تو انہوں نے بڑے غصے سے کہا ''میرے پاس سے فوراً چلے جاؤ۔ محض تمہاری بدولت مجھے خلیفہ رسول اللہ ﷺ سے جھڑکیاں کھانی پڑیں۔''

دربارِ خلافت سے حکم ہوا کہ مدینہ کا کوئی شخص جو اس لشکر میں شامل تھا پیچھے نہ رہے اور مدینہ سے نکل کر مقامِ جرف میں لشکر میں شامل ہو جائے۔ اسلام کے خلیفہ اول بھی اس لشکر کے ایک سپاہی تھے۔ اس لیے مقامِ جرف میں امیرِ لشکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلافت کی ذمہ داریوں کے پیش نظر مدینہ میں رہ جانے کی اجازت چاہی۔ اجازت دے دی گئی اس کے بعد لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ امیر لشکر اسپ تازی پر سوار ہیں اور خلیفہ وقت پیدل ہم رکاب ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بزرگی، ان کی دینی عظمت اور خلیفہ رسول ﷺ کی حیثیت سے مسلمانوں میں ان کے مرتبے کے پیش نظر امیرِ لشکر شرم محسوس کر

Marfat.com

رہے تھے۔ عرض کی:

''اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ......! یا تو آپ بھی سوار ہو جایئے یا میں اُتر پڑتا ہوں۔'' جواب تھا ''واللہ نہ تم اترو گے نہ میں سوار ہوں گا۔ کیا ہوا اگر میں نے ایک گھڑی اپنے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود کر لیے۔''

لشکر روانہ ہونے لگا تو خلیفہ رسول اللہ ﷺ نے فوج کے سامنے کھڑے ہو کر کہا:

''اے لوگو!...... ٹھہر جاؤ میں تمہیں دس نصیحتیں کرتا ہوں۔ انہیں یاد رکھو، خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا، چوری نہ کرنا، مقتولوں کے اعضا نہ کاٹنا کسی بھیڑ، گائے یا اونٹ کو سوار کھانے کے ذبح نہ کرنا تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جنہوں نے اپنے آپ کو گرجاؤں میں عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے اور وہ دن رات انہی میں بیٹھے رہتے ہیں۔ تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا جب کھانا شروع کرنا اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا کرنا تم ایسے لوگوں سے ملو گے جنہوں نے سر کا درمیانی حصہ منڈوا دیا ہوگا لیکن چاروں طرف بڑی بڑی لٹیں لٹکتی ہوں گی انہیں تلوار سے قتل کر ڈالنا، اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا، اللہ تمہیں شکست اور وبا سے محفوظ رکھے۔''

لشکر روانہ ہونے لگا تو خلیفہ اول نے امیر لشکر سے کہا:

''اگر تم مناسب سمجھو تو عمر رضی اللہ عنہ کو میری مدد کے لیے چھوڑتے جاؤ۔''

امیر لشکر نے بصد خوشی اجازت دے دی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر کو نصیحت فرمائی:

''رسول اللہ ﷺ نے تمہیں جو کچھ کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ سب کچھ کرنا، جنگ کی ابتدا اقضاعہ سے کرنا، اس کے بعد آبل جانا، رسول اللہ ﷺ کے احکام کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔''

Marfat.com

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پوری تعمیل کی اور نصرتِ خداوندی کے سائے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ تفصیلات خارج از موضوع ہیں لیکن یہ بات کہہ دینے کی ہے کہ شام میں لشکرِ اسامہ کی کامیابیاں جہاں ایک طرف اسلام کی عالمی حیثیت کو دنیا میں محسوس کرانے میں کامیاب ہوئیں۔ وہاں اندرونِ ملک ان کے نفسیاتی اثرات نے فتنۂ ارتداد سے عہدہ برآ ہونے میں حکومت کے ہاتھ مضبوط کر دیئے اور وہ اعتراضات جو اس جواز کے ساتھ لشکرِ اسامہ کی روانگی پر کیے گئے تھے۔ نتائج کے آئینے میں غلط ثابت ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں رسول اکرم ﷺ کے احکام کی پابندی مصلحت بینی سے کہیں زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ یہ تاریخ کا نہ بھولنے والا سبق ہے کہ خلیفہ رسول ﷺ نے احکامِ رسول ﷺ کی تعمیل میں جس بے لچک استقامت کا ثبوت دیا۔ وہی دنیا میں اسلام کے قیام و بقا کی ضمانت ثابت ہوا اور اس طرح اس عجیب و غریب سبق کا آغاز ہوا کہ مسلمانوں کے قیام و بقا کی ضمانت سنت رسول ﷺ کی پیروی ہے دوسرا کوئی عمل نہیں ہے جس کے نتائج اس کے مقابلے میں بہتر نکلے ہوں۔

Marfat.com

باب 11 :-

نگاہِ واپسیں

گزشتہ صفحات میں غزوات کا مطالعہ پیش کرنے کی جو کوشش کی گئی اس میں اضافے کی گنجائش سے راقم الحروف کو انکار نہیں۔ راقم کو اپنی کم مائیگی کا احساس اور طالب علمانہ حیثیت کا پورا شعور ہے۔ اس لیے ان اسطور کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح ان اہم واقعات سے استخراج مسائل کی اہلیت کا بھی کوئی دعویٰ نہیں ۔ تاہم مطالعہ کے دوران جو باتیں سامنے آئیں ان کو مرتب شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان میں اضافے اور ان کی تصحیح ممکن ہو سکے۔

① ان واقعات کی روشنی میں اسلام کے قانون جنگ کا اصل الاصول یہ قرار پاتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے جنگ اور قتال سے پرہیز کیا جائے اور پُر امن بقائے باہمی کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے لیکن اس سے یہ تاثر لینا غلط ہوگا کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا اور ہر حالت میں اقدام سے منع کرتا ہے۔ غزوۂ بدر محض دفاعی جنگ نہ تھی۔ علماء کا ایک بڑا حصہ اسے فوجی اقدام قرار دیتا ہے مثلاً شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ لشکرِ اسلام مدینہ سے ابوسفیان کے قافلۂ تجارت پر حملے کی غرض ہی سے روانہ ہوا تھا۔ حضرت کا ارشاد ہے۔ ''جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضور ﷺ شروع ہی سے اس سفر میں فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے۔ جو مدینہ پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپ ﷺ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی۔ وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ

Marfat.com

اُصول پر تمام ذخیرۂ حدیث و سیئر اور اشاراتِ قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ ❶

اس کے بعد فتح مکہ، غزوۂ خیبر، حنین اور طاس، طائف، موتہ، تبوک خالصاً دفاعی جنگیں نہ تھیں بلکہ فوجی اقدامات تھے جو دفاع کی غرض سے کیے گئے ہیں۔ اس سے جو فقہی نتیجہ اخذ ہوا ہے۔ وہ حضرت شیخ الاسلام کے الفاظ میں پیش کرنا مناسب ہوگا۔ سورۂ البقرہ کی آیت "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُم" ...... الخ کا فائدہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ "جب تک آپ ﷺ مکہ میں رہے آپ کو قتال کی اجازت نہ ہوئی جب مدینہ کو ہجرت فرمائی تو مقاتلہ کی اجازت ہوئی مگر صرف ان کفار سے کہ جو خود اہل اسلام سے مقاتلہ کریں۔ اس کے بعد علی العموم کفار سے مقاتلہ کی اجازت ہوگئی اور جہاد فرض ہوا۔ اگر دشمنانِ دین مسلمانوں پر چڑھائی کریں تو مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے۔ ورنہ فرض کفایہ ❷ بشرطیکہ جملہ شرائطِ جہاد جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں پائی جائیں البتہ جن لوگوں سے مسلمان مصالحت اور معاہدہ کرلیں یا ان کی امن اور حفاظت میں آجائیں تو ان سے لڑائی کرنا یا ان کے کسی مخالف کو مدد دینا ہرگز مسلمانوں کو جائز نہیں۔"

④ جب نظریۂ حیات پر تلوار کے وار ہونے لگیں تو ان کی ضرب کو تلوار پر روکنے سے گریز کرنا اسلام میں گناہ سمجھا جاتا ہے۔ ایسے موقعہ پر کنبہ برادری کے چھوٹ جانے، اموال کے تلف ہو جانے، تجارت کے منڈی پڑ جانے یا بند ہو جانے، آرام دہ مکانوں

---

❶ ملاحظہ ہو شیخ الہند حضرت محمود حسن رحمہ اللہ کے ترجمۂ قرآن پر حضرت شیخ الاسلام کا حاشیہ، سورۂ الانفال حضرت مرحوم کے تبحر علم کے سامنے راقم زانوئے ادب طے کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے لیکن غزوۂ بدر کے زیر عنوان جو کچھ عرض ہوا اس میں راقم نے ان ارشاد کے باوجود مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، مولانا مودودی اور دوسرے علماء کے اتباع ہی کو مناسب سمجھا ہے۔ واللہ علم بالصواب۔

❷ فرض کفایہ اصطلاح شرع میں اس فرض کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق ہر مسلمان کی ذات سے نہیں بلکہ پوری مسلم قوم سے ہے ایسے فرض کا یہ حکم ہے کہ مسلمانوں میں سے چند آدمی اس فرض کو پورا کردیں تو باقی سب مسلمان سبکدوش ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو جن جن لوگوں کو اطلاع پہنچے اور قدرت کے باوجود ادا نہ کریں وہ سب گنہ گار ہوں گے۔" (رسالہ جہاد از مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان)

Marfat.com

سے نکل کر بے آرام ہو جانے کے خدشات کی وجہ سے جہاد سے منہ پھیرنا سزا کو دعوت ❶ دینا ہے جنگ سے جان بچانے کے لیے پیٹھ پھیرنا اور اپنے سے دوگنے اور ایک ارشادِ ربانی کے مطابق دس گنے دشمن کے خوف سے بھاگ جانا اسلام میں بدترین گناہ ہے۔

③ میدانِ جنگ میں حالات و کوائف سے واقف ہونا اور ہر قسم کی جسمانی مشقت برداشت کرنے کی مشق بہم پہنچانا ضروری ہے۔ ہر قسم کے آلاتِ حرب کے استعمال کی مکمل تربیت سپاہیوں کو ملنی چاہیئے۔

④ اسلام میں نصرتِ خداوندی کے مفہوم میں بے عملی کو کوئی دخل نہین ہے۔ اسلام علت و معلول کے تمام قوانین کا قائل ہے اور عمل اور نتیجہ عمل کو اہم خدائی قانون سمجھتا ہے، اس لیے اسلام کی تعلیم کا اہم جزو یہ ہے کہ مادّی ضرورتوں کے تمام تقاضوں کو بطریقِ احسن پورا کیا جائے اور اس کے بعد نتیجے کو خدا پر چھوڑ دیا جائے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

⑤ جدید ترین آلاتِ حرب کا استعمال از روئے قرآن وسنت ضروری ❷ قرار پاتا ہے۔

⑥ ذرائع نقل وحمل، آلاتِ حرب اور مجاہدین کو ہر وقت تیار رکھنا رسول اللہ ﷺ کی حربی سنت پر عمل کرنا ہے۔

⑦ مقاصدِ جنگ ❸ کے حصول کے لیے (الف) گوریلا عراق جنگ (ب) سبوتاژ (ج) جاسوسی اور پرچہ نویسی وغیرہ سب جائز اور درست ہیں۔

⑧ جنگ کے ضروری عمل میں حائل ہونے والی ہر چیز کو راستے سے ہٹا دینا جائز ہے۔

---

❶ ملاحظہ ہو سورۂ توبہ رکوع ۳: ''حدیث میں ہے جب تم بیلوں کی دُم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نہ نکل سکو گے جب تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آؤ''۔ (شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

❷ تائید مزید کے لیے ملاحظہ ہو شیخ الاسلام کا فتویٰ در بیان فوائد آیت نمبر ۶۰، سورۂ الانفال

❸ مقاصد کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو اگلا باب۔

Marfat.com

⑨ اپنے جنگی منصوبوں کو صیغہ راز میں رکھنا اتباع رسول ﷺ کا درجہ بلند ہے۔ اس مقصد کے لیے مبہم اور مختلف المعانی الفاظ کے استعمال کو شریعت میں توریہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

⑩ زخمیوں کی مرہم پٹی اور جنگ کے دوسرے چھوٹے چھوٹے کاموں میں خواتین کا حصہ لینا مباح ہے۔

⑪ کم عمر بچوں کو قتال میں شریک ہونے کی اجازت نہیں۔

⑫ اہلیت کا درخون، قرابت اور تعلقات کے رشتوں سے افضل ہے۔

⑬ افسر کی ہمت اور جراءت شکست کو بھی فتح میں بدل سکتی ہے۔

⑭ افواہیں پھیلانا منافقت اور افواہوں پر کان دھرنا منافقوں کا ساتھ دینا ہے۔

⑮ سب سے آخر لیکن نتائج کے اعتبار سے سب سے ارفع و اعلیٰ بات جو غزوات کے مطالعہ سے بار بار سامنے آتی ہے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ہے۔ مادی ضرورت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد جو چیز مغازی کو دوسری اقوامِ عالم کی جنگوں سے ممتاز اور منفرد بنا دیتی ہے۔ وہ اللہ کی یہی نصرت اور اعانت ہے۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں دیکھا کہ جملہ احزاب کے موقع پر یہود اور مشرکینِ قریش کی متحد قوتیں بظاہر ناقابل تسخیر منصوبے کے تحت درالاسلام پر حملہ آور ہوئیں۔ مادّی وسائل کو استعمال کرنے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی تھی۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی مادّی وسائل کو استعمال کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی گئی۔ لیکن بایں ہمہ جو چیز فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ وہ تیز ہوائیں تھیں۔ خدا کی نُصرت اس صورت میں آئی۔ غزوۂ بدر کے متعلق کئی ایسی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے مصروفِ جہاد دیکھا۔ ایک دوسرے غزوے میں وہ کفار جو فرشتوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ غازیانِ اسلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے کفار سے علیحدہ پہچان لیے گئے۔ ہماری محدود عقل اس کو ماننے یا نہ ماننے اور اپنی عقل کو ربانی عقل

Marfat.com

سے برتر ثابت کرنے کی کوشش میں اہم ان واقعات کی تاویلیں کر کے کتنا بھی وقت ضائع کرتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ ان غزوات میں بعض ایسے واقعات ہوئے جو عام عقل وفہم سے بہت بلند تھے۔ اور جن کے سامنے عقل کے سارے اصول بے دست و پا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً غزوۂ احد میں ابوسفیان کا اپنی فتح کو مکمل کیے بغیر ڈٹ جانا مولانا مودودی جیسے عقل پسند RATIONALIST عالم دین کے نزدیک بھی معما ہے جو حل نہیں ہا۔ اور جسے میجر جنرل محمد اکبر خاں جیسے ماہر فن کی توجیہ بھی ہر ذہن کے لیے واضح نہیں کر سکتی اسی طرح غزوۂ بدر ثانی میں چیلنج دینے کے باوجود ابوسفیان کا مقابلے میں نہ آنا اور مسائل کے باوجود قحط سالی کا بہانہ کر کے خود اپنے چیلنج سے دست بردار ہو جانا لاینحل عقدہ ہے۔ یہ اور متعدد دوسرے واقعات ''خارقِ عادت'' ہیں اور اللہ کی نظر نہ آنے والی تائید وحمایت کے سوا ان کا کوئی دوسرا جواز موجود نہیں۔ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ رسالت کا مبارک اور مسعود عہد تھا۔ مسلمانوں کو خود رسول اللہ ﷺ کی قیادت و سیادت حاصل تھی۔ جب پہلے رسول علیہ السلام پر تائید ربانی کی بارش ہوئی تو نبیوں کے سردار ﷺ پر کیوں نہ ہوتی؟ نبیوں کے لیے غیبی امداد ''عادت'' ہے اس لیے اسے ''خارقِ عادت'' نہیں کہا جاسکتا یہ تسلیم کر لینے کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ربانی نصرت اور تائید کا یہ سلسلہ اسی بابرکت عہد پر ختم نہیں ہوا بلکہ تاایں دم جاری ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ سب سے بڑی مثال تاتاریوں کا اسلام کے سپاہی بن جانا ہے۔ کعبے کو صنم خانے سے پاسبانوں کا مل جانا اسلام کے لیے کوئی انوکھی بات نہیں۔ اور تو اور ہم جیسے گناہگاروں اور عقل کے نئے نئے غلاموں (اس غلامی پر ابھی ایک صدی بھی نہیں گزری) پر بھی بارانِ رحمت کے دروازے بند نہیں ہوئے اور ہم جیسوں کو بھی ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارت کے حملے کے دوران اس احسانِ عظیم کی ایک نہیں، سینکڑوں مثالیں دیکھنا نصیب ہوگیا۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ بھارت نے مادیت کی پوری قوت کے ساتھ ہم پر حملہ کیا اور ہم اس سے پانچ گنا کم قوت ہونے کے باوجود

Marfat.com

اس کا منہ توڑ جواب دینے میں کامیاب ہو گئے۔ ہمارے مجاہدین صف شکن میں سے کوئی ایک فرد ایسا نہیں جس نے خدا کے فضلِ خاص کے سوا اس کی کوئی دوسری توجیہہ کی ہو۔ اور حق یہ ہے کہ دوسری کوئی توجیہ ہے ہی نہیں۔ اسی ایک مثال سے عہد رسالت پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ہم جیسوں پر اگر یہ کرم ہو سکتا ہے تو اس پاک اور مقدس زمانے میں اس کا کیا ٹھکانا ہوگا اور حدیں کہاں تک وسیع ہوتی ہوں گی......؟

علمائے اسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ''اس تائید ربانی کے حاصل ہونے کی چند شرطیں رکھی ہیں۔ جب بھی مسلمان ان شرطوں کو پورا کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی امداد اور نصرت آتی ہے اور تھوڑی تعداد تھوڑے سامان کو بڑی سے بڑی تعداد اور جنگی سامانوں پر غالب کر دکھاتی ہے۔''

یہ شرطیں قرآنِ حکیم میں جا بجا موجود ملیں گی۔ علمائے امت اسے تین لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

① نماز

② صبر

③ تقویٰ

نماز کے مفہوم کی تشریح ضروری نہیں۔ بقیہ دو شرطوں کا مفہوم مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان کی زبان سے سنیئے۔ اپنے رسالہ ''جہاد'' میں فرماتے ہیں:

عربی زبان میں صبر کے اصل معنی نفس کے روکنے کے ہیں اور قرآن کی اصطلاح میں نفس کو اس کی بُری خواہشات سے روکنے اور قابو میں رکھ کر ثابت قدم رہنے کے ہیں اور تقویٰ کا ترجمہ پرہیز گاری کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت و فرماں برداری کا نام تقویٰ ہے۔

یہ وہ چند عمومی باتیں ہیں جو غزوات کا مطالعہ کرتے وقت خود بخود ذہن میں مرتب ہو

Marfat.com

جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ بعض اہم اور بنیادی مسائل ہیں جن کو سمجھنے کے لیے سوانحی مطالعہ ہی کافی نہ ہوگا بلکہ ان واقعات، اللہ تعالیٰ کے ارشادات و احکام، رسول اللہ ﷺ کے اقوال سے علمائے امت اور فقہائے اسلام نے جو مطالب اخذ کیے ہیں ان سے روشنی مستعار لینے کی بھی ضرورت ہوگی۔ اگلے باب میں اسی روشنی کی چند کرنیں سمیٹنے کی کوشش کی جائے گی۔

Marfat.com

باب ۱۲ :-

اسلام کے قوانینِ صلح و جنگ

ایک منظم، باقاعدہ اور آئینی عالمی انقلاب کی تحریک کی حیثیت سے اسلام اپنے اراکین (مسلمانوں) کے قول اور عمل کے لیے ایک بنیادی اصول وضع کرتا ہے اور اس اُصول کو ان کے قول و عمل کی حتمی کسوٹی قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ط

''تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں۔ حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں سے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

ایک اور جگہ یہی بات قول و عمل کی کسوٹی کے طور پر پیش ہوتی ہے۔

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط

ترجمہ از شیخ ہند:

''وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم دیں بھلے کام کا اور منع کریں بُرائی سے۔''

ان آیات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میں بیان کردہ اصول کے قوانین واضح حصے قرار پاتے ہیں۔

Marfat.com

① اللہ پر ایمان، نماز کا قیام، زکوٰۃ کی ادائیگی اور دوسرے فرائض فرد یا اس جماعت کے افراد سے متعلق ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے ''معروف'' کی پابندی اور ''منکر'' سے باز رہنے کے طریقے ہیں جو اس تحریک کا حصہ بن چکے ہوں۔ قانون بنا کر انہیں سب سے پہلے خود معروف کی پابندی کرنی چاہیئے اور منکر سے بچنا چاہیئے۔

② اس کے بعد اس کا دوسرا اہم فرض ان لوگوں کو معروف پر عمل کرنے اور منکر سے باز رہنے کا حکم دینا ہے جو ابھی اس جماعت میں شامل نہیں ہوئے یا جو اس جماعت میں شامل ہونے کا رجحان نہیں رکھتے۔ گویا جماعت میں شامل ہوں یا نہ ہوں۔ منکر بہرحال مکروہ اور معروف پر عمل بہرصورت ضروری ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔

③ معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ امت اپنی حیثیتِ حاکمہ کو قائم اور برقرار رکھے کیونکہ حیثیتِ حاکمہ کے بغیر اچھے کاموں کا ''حکم'' دینے اور بُرے کاموں سے ''حکما'' روکنے کا فریضہ موثر طریقے سے ادا نہیں ہوسکتا۔ دوسرے لفظوں میں اس حکم کی روشنی میں مسلمان کسی بھی ایسی محکومانہ حیثیت میں مطمئن نہیں ہوسکتا جہاں وہ اس فرض کو پورا کرنے پر قادر نہ ہو۔

قرآن حکیم میں ایسی متعدد آیات موجود ہیں جن میں اس اصول کو بنیادی اصول کے طور پر اپنانے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اور تاریخی شواہد کے ذریعہ یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ اس اصول کی پیروی نے قوموں کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوجِ ثریا پر متمکن کر دیا اور اسی اصول سے انحراف واجتناب نے کئی قوموں کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ سب سے بڑی اور اہم مثال بنو اسرائیل کی دی گئی اور مختلف طریقوں سے ثابت کیا گیا کہ اسی اصول سے انحراف کرنے کے جرم میں اس قوم کو امامت عالم کے عہدے سے معزول کر دیا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث ہیں جن میں اس اصل الاصول کو متعدد طریقوں سے ذہن نشین کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسند احمد کی ایک حدیث کا ترجمہ ''الجہاد فی الاسلام'' سے

Marfat.com

ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

''اللہ عام لوگوں پر خاص لوگوں کے عمل کے باعث اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا جب تک ان میں یہ عیب پیدا نہ ہو جائے کہ اپنے سامنے بُرے اعمال ہوتے دیکھیں اور انہیں روکنے کی قدرت رکھتے ہوں مگر نہ رکیں۔ جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ عام اور خاص سب پر عذاب نازل کرتا ہے۔''

یہی اصول اسلام کے قانونِ تعزیر کی بنیاد ہے اور اسلام کے تعزیری قوانین کا پورا ڈھانچہ اسی اصول کے تابع ہے۔ اسلام میں سزا کا مقصد انتقام یا اظہار غضب نہیں بلکہ اصلاح یعنی مصروف پر عمل اور منکر سے اجتناب کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کی ایک نہایت خوبصورت مثال قاتل کے لیے دیت کی رعایت ہے۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو محسوس ہو جائے گا کہ صرف وہی قانون یہ رعایت دے سکتا ہے جو ایک طرف انسانی جان کا پورا احترام کرے اور دوسری طرف اصلاح کو اپنے حقیقی اور ٹھیٹھ مفہوم میں انتقامِ محض کے جذبات پر مقدم سمجھتا ہو۔

ظاہر ہے اسلام کے صلح و جنگ کے قوانین بنیادی اصول کے اس عمومی ڈھانچے سے ماہر نہیں ہو سکتے اور یہ قوانین اسی اصول الاصول کے تابع ہوں گے۔ اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں واضح طور پر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان اہم اصطلاحات سے کیا مراد لی جاتی ہے۔

معروف اور منکر:۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور لغت قرآن ''المفردات فی غرائب القرآن'' کے اردو ترجمہ ''مفردات القرآن'' میں ان الفاظ کے یہ معنی بیان ہوئے ہیں۔

المعروف: ہر اس قول اور فعل کا نام ہے جس کی خوبی، عقل اور شریعت سے ثابت ہو۔

المنکر: ہر اس بات کو کہا جائے گا جو عقل اور شریعت کی رُو سے بُری سمجھی جائے۔

Marfat.com

الشرع: سیدھا راستہ جو واضح ہو۔ یہ اصل میں شرعت لہ طریقا (واضح راستہ مقرر کرنا) کا مصدر ہے اور بطور اسم بولا جاتا ہے۔ چنانچہ واضح راستے کو شَرْعٌ و شَرُوْعٌ وَ شَرِیْعَۃٌ کہا جاتا ہے۔ پھر استعارۃً طریق الٰہیہ پر یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ لفظ منکر کی تشریح کرتے ہوئے قرآنِ حکیم کے ترجمہ کے حاشیے میں فرماتے ہیں "منکر" (برے کاموں) میں کفر و شرک، بدعات، رسومِ قبیحہ، فسق و فجور اور ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔"

اسلام کا اسلوبِ تبلیغ:

دنیا میں ایک قانون پسند اور مرکز سے پیوست رہنے والے معاشرے کے قیام کے لیے یہ اصول وضع کر لینے کے بعد اسلام اس اصول پر عمل کرنے کے طریقوں کی وضاحت کرتا ہے اور ٹھیک یہی وہ نقطہ ہے جہاں پہنچ کر اس موضوع کے سطحی طالب علم اسلام کو دوسروں کے معاملات میں مداخلت بے جا کرنے سے لے کر بزورِ شمشیر پھیلنے تک کا طعنہ دے جاتے ہیں۔ اس سطحیت سے بچنے کے لیے اس خاص نکتے کو واضح طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اسلام نے تبلیغ و اشاعت کے شعبے کو بھی باقاعدہ مربوط و نظام کے تابع کیا ہے اور جس طرح اپنے حدودِ امر و نہی کے اندر قانون کا ایک مضبوط، قابل عمل اور خود کار نظام قائم کیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح ان حدود سے باہر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ایک باقاعدہ نظام موجود ہے جس کے سمجھے بغیر اسلام کے تبلیغی نظام اور اس کے حیرت انگیز نتائج کو سمجھنا ممکن نہیں ہوسکتا۔

ان سطور میں اس عظیم الشان اور حقیقی معنوں میں عصر ساز نظام کی تفصیلات پیش کرنا ممکن نہیں۔ مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ اسلام اپنے حدودِ امر و نہی کے اندر یعنی ان سرحدوں کے اندر جن میں اسلام قوتِ حاکمہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ معروف اور منکر کی مختلف حالتیں قائم کرتا اور ان حالتوں کے مطابق سزا و جزا کا حکم لگاتا ہے۔ بعض "معروف" ضعیف حالت میں

Marfat.com

ہوتے ہیں۔ان پر عمل مستحسن سمجھا جاتا ہے اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے تو شریعت کی رُو سے قابلِ گرفت نہیں۔ مثلاً عبادات میں چاشت اور تہجد کی نمازیں اور معاشرت میں چار شادیوں کی اجازت۔ اگر یہ نمازیں بھی پڑھ لی جائیں تو باعثِ برکت ہوں گی لیکن اگر ان کا اہتمام نہ کیا جائے تو شریعت میں قابلِ گرفت نہیں۔ اسی طرح چار شادیاں کی جائیں تو ان کی مشروط اجازت ہے لیکن جب یہی اعمال مستحب سے واجب اور پھر فرض کی منزلوں تک سفر کرتے ہیں تو شریعت کی گرفت کڑی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ فرض نماز کا قضا کرنا یا معاشرت کے میدان میں شادیوں کی مقرر حد سے تجاوز کر جانا قابلِ تعزیر قرار پاتا اور ان پر حد شرعی لگتی ہے ٹھیک یہی صورت قانونِ تعزیر کی ہے چوری نسبتاً نرم جرم ہے اس لیے اس سے روکنے کا طریقہ بھی نسبتاً نرم ہے اس کے مقابلے میں قتل جرم کی شدید حالت ہے اس لیے اس کی اصلاح کے لیے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ بھی شدید ہے۔ دیت اگر اصلاح کے لیے موثر نہ سمجھی جائے تو جان کے بدلے جان اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ کاٹا جاتا ہے اگر آپ ان پر غور کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ امر و نہی کے ان تمام طریقوں کی بنیاد یہ ہے کہ ''منکر'' اپنے عامل کی ذات سے باہر معاشرے کے جتنے افراد کو جس ڈگری میں متاثر کرتا ہے اس کو روکنے کا عمل اسی ڈگری کی شدت تک محدود رکھا جاتا ہے اسلام ڈگریوں کی شدت یا کمیت کے متعلق بے حد حساس ہے اور ان پر سختی سے عمل کرنا چاہتا ہے اس کی ایک بے حد خوبصورت مثال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ شہادت ہے آپ نے وصیت فرمائی کہ ان کی وفات کی صورت میں قاتل کو تلوار کی ویسی ہی ایک ضرب سے قتل کیا جائے جیسی ضرب اس نے لگائی تھی۔ اسلام ڈگری کی کمی کو ناانصافی اور زیادتی کو ظلم کا نام دیتا ہے۔

ٹھیک یہی اصول تبلیغ کے میدان میں کارفرما ہے۔ یہاں مخاطب کی ذہنی استعداد اور حق کی طلب تبلیغ کی شرط اول قرار پاتی ہے۔ قرآن حکیم میں ایسی متعدد آیات موجود ہیں جن میں اس تنظیم کی باقاعدہ دفعات قائم کی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۂ نمل کے رکوع ۱۵ کی آیت اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ۔

Marfat.com

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ترجمہ قرآن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں ◆ "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ" میں خود پیغمبر علیہ السلام کو تعلیم دی جارہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہیئے۔ اس کے تین طریقے بتلائے۔

① حکمت

② موعظت حسنہ

③ جدال بالتی ھی احسن

① حکمت سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل اور براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز میں پیش کیے جائیں جن کو سن کر فہم و ادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا دے۔ دنیا کے خیالی فلسفے اس کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی اور دماغی ترقیات وحی الٰہی کے بیان کردہ حقائق کا شوشہ تبدیل نہ کرسکیں۔

② موعظتِ حسنہ مؤثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے۔ جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص، ہمدردی اور شفقت و حسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے بسا اوقات پتھر کے دل موم ہو جاتے ہیں مردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں۔ ایک مایوس اور پژمردہ قوم جھرجھری لے کر کھڑی ہو جاتی ہے لوگ ترغیب اور ترہیب کے مضامین سن کر منزل کی طرف بے تابانہ دوڑنے لگتے ہیں اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی اور فہیم نہیں ہوتے مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں ان میں مؤثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی سلیم بھری جاسکتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیق کے ذریعہ ممکن نہیں۔

③ ہاں دنیا میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت موجود رہی ہے جس کا کام ہر چیز میں الجھنا اور

◆ مؤلف نے اپنی آسانی کے لیے حضرت مغفور کے ارشادات پر نمبر لگاتے اور انہیں پیراگرافوں میں تقسیم کرنے کی جرأت کی ہے۔

Marfat.com

بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے۔ یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں نہ وعظ و نصیحت سنتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہو۔ بعض اوقات اہل فہم و انصاف اور طالبین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدوں بحث کے تسلی نہیں ہوتی۔ اس لیے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فرما دیا۔ کہ ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو۔ اپنے حریفِ مخالف کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو۔ خواہی نخواہی دلآزار اور جگر خراش باتیں مت کرو جن سے تضیہ بڑھے اور معاملہ طول کھینچے مقصود تفہیم اور احقاق حق ہونا چاہیئے خشونت، بداخلاق، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کوئی نتیجہ نہیں۔''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وہ میدان ہے جسے ہم تبلیغ مذہب یا اشاعتِ دین کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ان طریقوں کے زیرعنوان آتا ہے اور اس خاص میدان میں عمل کے یہی اصول ہیں جن پر نبی اکرم ﷺ نے چل کر ''لا اکراہ فی الدین'' کے اصول کی پابندی فرمائی اور امر بالمروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا حضور علیہ السلام کی تبلیغی زندگی میں اس قسم کی ذہنی حالت رکھنے والے متعدد مخاطب آئے اور آپ ﷺ نے ان کی انفرادی نفسیات کا اندازہ فرمانے کے بعد انہی اصولوں کے مطابق ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ یہ بات ذہن میں واضح رہنی چاہیئے کہ اس اسلوب تبلیغ میں مکی اور مدنی زندگی میں کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ مقدس زندگی کے ان دونوں حصوں میں یہی تین اصول پیش نظر رہے اور انہی پر عمل ہوتا رہا۔ چنانچہ مدنی زندگی میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نجران کے وفد کے ساتھ طویل علمی مباحثے ہوئے۔ شعراء اور فصحائے عرب کے مقابلے میں شاعر اور فصیح اللبیان مقرر پیش کیے گئے۔ فلسفیانہ ذوق رکھنے والوں کو فلسفیانہ مباحث کے ذریعہ مسائل سمجھائے گئے اور جو لوگ تلقین و ہدایت کے طالب تھے انہیں موعظتِ حسنہ کے وہ انداز دکھائے گئے کہ سننے والوں کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

Marfat.com

چوتھی ذہنی حالت:-

ذہنی حالت کی ان تینوں قسموں کے بعد چوتھی قسم وہ آتی ہے جو کسی بھی طریقے سے حق کی آواز کو سننے، سمجھنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کا معجزانہ اندازِ بیان اس قسم کو آدم کے ایسے بدنصیب بیٹے قرار دیتا ہے جن کے کانوں، آنکھوں اور دلوں پر مہریں لگا دی گئی ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جہنم ان کے لیے مقدر ہو چکا اور ان کی اس بدقسمتی کا آخری نتیجہ ابدی کرب ہے۔ ان ارشادات کو قرآن میں پڑھتے وقت یہ باریک نکتہ واضح طور سے ذہن میں رہنا چاہیئے کہ جہنم انسان کا بنایا ہوا دارالتعزیر نہیں ہے اس لیے کسی انسان کو خواہ وہ کوئی بھی ہو اس بات کا حق یا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ دوسرے انسان کو اس میں جھونک دے یا اگر یہ تعزیر اس کے لیے مقدر ہو چکی ہے تو اسے اس سے نکال لے۔ اس لیے تلقین کی گئی کہ اس قسم کی ذہنی حالت کی اصلاح کے لیے پریشان اور دل گرفتہ نہ ہوں بلکہ ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں وہ جس طرح مناسب سمجھے گا ان سے سلوک کرے گا۔

اس سارے اسلوب تبلیغ اور اشاعت دین کے اس پورے نظام میں جبر کی کہیں کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی معاملات میں دخیل ہونے کا کوئی پہلو موجود ہے۔

اسلامی جنگ کے مقاصد:-

اگر آپ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ ذہنی حالت کی ان چار قسموں کے علاوہ ایک پانچویں قسم بھی اس دنیا میں موجود ہے اس قسم کے ذہن اس جہنم کو جو ان کے لیے مقدر ہو چکا، اپنے تک محدود نہیں رکھتے بلکہ اس کو خدع و فریب سے یا بزورِ شمشیر دوسروں تک بھی پھیلانا چاہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں چاہتے ہیں کہ ان مہروں کو جن کو خدا کی مصلحتوں نے ان کے کانوں، ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں پر ثبت کر دیا۔ اپنی قوت سے دوسروں کے کانوں، آنکھوں اور دلوں پر ثبت کر دیں۔ اس مخصوص ذہن کی اس مخصوص خواہش اور اس خواہش سے پیدا ہونے والے اعمال و افعال کو قرآن مجید میں ''فتنہ'' اور ''فساد'' کے الفاظ

Marfat.com

سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو مٹا دینے اور حق کے راستے کو اس خواہش سے صاف کر دینے کے لئے ''قتال فی سبیل اللہ'' کا خود کار نظام قائم کیا گیا ہے جس وقت ایسے حالات پیدا ہوں گے جو فتنہ و فساد کے زیر عنوان جگہ پا سکیں قتال فی سبیل اللہ کا نظام خود بخود عمل میں آجائے گا فقہ کی زبان میں مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جائے گا علمائے اسلام نے ان حالات یا قتال فی سبیل اللہ کے شرعی مواقع کو تین عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے۔

① جب کفار یا دشمنانِ اسلام دارالاسلام پر حملہ کر کے مسلمانوں کا استیصال کرنے کے درپے ہو جائیں۔

② جب دارالکفر میں رہنے والے مظلوم اور مجبور مسلمان دارالاسلام کے رہنے والے آزاد مسلمانوں کی مدد کے طالب ہوں۔

③ جب کوئی حکومت یا معاشرتی گروہ اپنے ماتحت یا زیر اثر باشندوں پر جبر یا دوسرے حیلوں سے طلب حق کے راستے مسدود کر دے اور ایسے حالات پیدا کر دے کہ اگر اس کے باشندے چاہیں تب بھی ان تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آواز نہ پہنچ سکے۔

انہی حالات کی اصلاح اسلام کے جنگ کا مقصد ہے اور اسلام ان مقاصد کے علاوہ اور کسی مقصد کے لیے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اب ہم ان مقاصد کو ذرا تفصیل سے بیان کریں گے۔

① دارالاسلام پر حملہ:-

(الف) دفاع کے فقہی احکام بیان کرنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہوگا کہ اسلامی فقہ کی رو سے دارالاسلام کی اصطلاح سے کیا مراد ہے اور اس کی ضد یعنی دارالکفر سے کیا مفہوم لیا جاتا ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان اپنے رسالہ جہاد میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

''فقیہہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ کا دارالاسلام اور دارالکفر کے مسئلہ پر مفصل فتویٰ چھپا ہوا بھارت کے ہر شہر میں آج بھی ملتا ہوگا۔ جس میں حضرت موصوف نے کسی ملک کے دارالاسلام یا دارالکفر ہونے کا مدار اقتدار اور اختیار پر قرار دیا ہے یعنی جس ملک کا اقتدار و اختیار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو وہ دارالاسلام ہے اور جس کا اختیار جو اقتدار کافروں کے ہاتھ میں ہو وہ دارالکفر .... حقیقت یہ ہے کہ مدار کار اس پر ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ اسلام کا قانون رائج کرنا چاہیں تو کوئی طاقت ان کی راہ میں حائل نہ ہو وہ دارالاسلام ہے۔ پھر یہ اختیار و اقتدار موجود ہونے کے باوجود اگر مسلمان ہی پورا قانونِ اسلام رائج کرنے میں غفلت برتیں تو اس کو ان کی بدقسمتی اور کوتاہی تو کہا جاسکتا ہے مگر یہ ملک پھر بھی دارالاسلام ہی رہے گا۔''

اس مفہوم کے تحت آنے والے خطہ زمین کے دفاع کے متعلق فقہائے اسلام نے جو احکام لگائے ہیں وہ فقہ کی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔ مولانا مودودی نے فقہ کی مشہور کتاب بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۹۸ سے ایک اقتباس اپنی کتاب ''الجہاد فی الاسلام'' میں نقل کیا ہے اور اس کا ترجمہ متن کے سامنے درج کیا ہے۔ ذیل میں ترجمہ دیا جاتا ہے۔

''مگر جب اعلانِ عام ہو جائے کہ دشمن نے ایک اسلامی ملک پر حملہ کیا ہے تو پھر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر جو جہاد کی قدرت رکھتا ہو وہ فرداً فرداً اس کی فرضیت عائد ہوجاتی ہے...... نفیر عام ◆ ہونے کے بعد تو ادائے فرض کا حق بغیر اس کے پورا ہوتا ہی نہیں کہ سب کے سب جہاد کے لیے کھڑے ہو جائیں اس وقت وہ سب مسلمانوں پر اس طرح فرض عین ہو جاتا ہے جیسے

◆ ''نفیرِ عام اسلامی فقہ کا اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی ہیں ''عام پکار'' یعنی جبکہ اسلامی حکومت کسی علاقے کے تمام ملک کے لوگوں کو مدافعت کے لیے کھڑا ہو جانے کا حکم دے۔'' (حاشیہ مولانا مودودی)

Marfat.com

روزہ اور نماز۔ پس غلام کو بغیر آقا کی اجازت کے اور عورت کو بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے نکلنا چاہیئے کیونکہ ان عبادات میں جو فرض عین ہیں غلام اور بیوی کی خدمات، آقا اور شوہر کی ملک سے مستثنیٰ ہیں جیسے نماز اور روزہ، اسی طرح بیٹے کے لیے مباح ہو جاتا ہے کہ وہ بغیر والدین کی اجازت کے نکل کھڑا ہوا کیونکہ روزہ، نماز جیسے فرضِ اعیان میں والدین کا حق اثر انداز نہیں ہوتا۔''

آگے چل کر فرماتے ہیں: صاحبِ نہایہ نے ذخیرہ سے اس اجمال کی تفصیل اس طرح نقل کی ہے:

''واقعہ یہ ہے کہ جب نفیر ہو تو جہاد فرض عین صرف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو دشمن سے قریب ہوں رہے وہ لوگ جو دشمن سے دور ہوں تو ان پر فرض ◆ کفایہ رہتا ہے یعنی اگر ان کی مدد کی ضرورت نہ ہو تو وہ شرکتِ جہاد سے باز بھی رہ سکتے ہیں لیکن اگر ان کی مدد کی ضرورت پڑ جائے خواہ اس وجہ سے کہ جو لوگ دشمن سے قریب تھے وہ مقابلہ سے عاجز ہو گئے یا اس وجہ سے کہ وہ عاجز تو نہ ہوئے مگر انہوں نے سستی کی اور پوری کوشش سے مقابلہ نہ کیا تو اس صورت میں جہاد آس پاس کے لوگوں پر ویسا ہی فرض عین ہو جاتا ہے جیسے نماز اور روزہ کہ اس کو چھوڑنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا پھر ان لوگوں پر جو ان سے قریب ہوں۔ پھر ان لوگوں پر جو ان سے قریب ہوں یہاں تک کہ از شرق تا غرب تمام اہلِ اسلام پر اسی تدریج کے ساتھ فرض ہوتا چلا جاتا ہے اس کی نظیر نماز جنازہ ہے کہ جو شخص میت سے دور ہو اگر اسے معلوم ہو کہ اس کے اہل محلّہ اس

◆ ''فرض کفایہ اصطلاحِ شرع میں اس فرض کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق ہر مسلمان کی ذات سے نہیں بلکہ پوری مسلم قوم سے ہے ایسے فرض کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے چند آدمی اس فرض کو پورا کر دیں تو باقی سب مسلمان سبکدوش ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو جن جن لوگوں کو اطلاع پہنچے اور قدرت کے باوجود ادا نہ کریں وہ سب گنہ گار ہوں گے۔'' (مفتی محمد شفیع)

Marfat.com

کے حقوق ادا نہیں کرتے یا ادا کرنے سے عاجز ہیں تو اس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ خود اس کے حقوق ادا کرے (یعنی اس کی تجہیز و تکفین کرے) یہی صورت یہاں بھی ہے۔''

(ب) یہ دفاعی احکام خاص ان حالات کے لیے ہیں جب دشمن کی فوجیں مسلمانوں کے ملک پر حملہ کر دیں لیکن بعض ایسے مواقع بھی آئے اور اب بھی اکثر آتے ہیں جب دشمن نے حملہ تو نہ کیا ہو لیکن اس کے بعض اقدامات کی وجہ سے حالتِ جنگ پیدا ہو گئی ہو قرآن وسنت میں ایسے حالات کی تصریح موجود ہے۔

① اگر معاہد گروہوں کا رویہ مخالفانہ اور معاندانہ ہو تو انہیں علی الاعلان فسخِ معاہدہ کا نوٹس دے دینا چاہیئے. اور اس کے بعد اس کی دشمنی کا منہ توڑ جواب دینا چاہیئے۔

② جو لوگ بار بار بدعہدی کریں اور جن کے عہد و اقرار کا کوئی اعتبار نہ رہے اور جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں اخلاق انسانیت کے کسی آئین کا لحاظ نہ رکھیں ان سے دائمی جنگ کا حکم ہے اور صرف اسی صورت میں ان سے صلح ہو سکتی ہے کہ وہ توبہ کریں اور اسلام لے آئیں ورنہ ان کے اثر سے اسلام اور دارالاسلام کو محفوظ رکھنے کے لیے قتل، گرفتاری، محاصرہ اور ایسی ہی دوسری جنگی تدابیر اختیار کرتے رہنا ضروری ہے۔

③ جب مسلمانوں کے گھر بار چھین لیے جائیں ان کے حقوق سلب کر لیے جائیں اور ان کو ان کی ملکیتوں سے بے دخل کر دیا جائے۔

④ جب مسلمانوں کو محض اس لیے ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں اور ان پر ان کے مذہب کی وجہ سے تشدد کیا جائے۔

⑤ اس سرزمین کی واپسی جہاں سے مسلمانوں کو جبراً نکالا گیا ہو۔

(ج) جنگ کے دنوں میں بعض افراد اپنے حقیر مفاد کے لیے عظیم تر اجتماعی مفاد کا سودا

Marfat.com

کر لیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان کی واضح نشان دہی کی گئی ہے۔

(۱) جو لوگ مسلمان ہونے [۱] کے باوجود اعلانیہ کفر کی باتیں کریں۔

(۲) زبان سے اسلام کا اقرار کریں [۲] لیکن عمل سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔

(۳) طرح طرح سے مسلمانوں کو نقصان [۳] پہنچانے کی کوشش کریں۔

(۴) مسلمانوں کے دشمنوں سے [۴] ساز باز کریں اور دشمنوں کو خفیہ خبریں دیں۔

(۵) مسلمانوں کا ایمان [۵] بگاڑنے اور ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں۔

(۶) ان کی جماعت میں ریشہ دوانیوں [۶] کے ذریعہ تفرقہ برپا کریں۔

(۷) ان کے دشمنوں کو اخلاقی اور عملی مدد پہنچائیں اور اسلام پر مصیبت [۷] کے وقت مسلمانوں کی مدد کرنے کے بجائے انہیں مٹانے کی کوشش کریں۔

ان اندرونی دشمنوں کو قرآن کی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے اور قرآن حکیم میں ان کے متعلق حکم ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

---

[۱] سورۂ احزاب ع ۳

[۲] النساء ع ۱۱

[۳] التوبۃ ع ۲

[۴] النساء ع ۱۱

[۵] التوبۃ ع ۹

[۶] التوبۃ ع ۷

[۷] الاحزاب رکوع ۲

Marfat.com

''اے نبی......! لڑائی کو کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان پر اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔''

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حاشیے میں اس آیت کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جہاد کے معنی ہیں کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے کبھی زبان سے کبھی قلم سے کبھی کسی اور طریق سے۔ منافقین جو زبان سے اسلام کا اظہار کریں اور دل سے مسلمان نہ ہوں ان کے مقابلے میں جہاد بالسیف جمہور امت کے نزدیک مشروع نہیں۔ نہ عہد نبوت میں ایسا واقعہ ہوا اس لیے جہاد کا مدعا اس آیت میں عام رکھا گیا ہے یعنی تلوار سے، زبان سے، قلم سے، جس وقت جس کے مقابلہ میں جس طرح مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر منافقین کا نفاق بالکل عیاں ہو جائے تو ان پر بھی جہاد بالسیف کیا جا سکتا ہے۔''

(د) اندرونی دشمنوں کی ایک اور قسم وہ ہے جو اندر رہ کر یا باہر سے داخل ہو کر ڈاکے ڈالتے، قتل و غارت کرتے اور دارالاسلام کا امن و امان تباہ کرتے ہیں یا اسلامی نظام کا تختہ الٹ کر اس کی جگہ کوئی دوسرا نظام رائج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ ارشاد ہوا:

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے ◆ اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے۔ یا دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ جاننے والا مہربان ہے۔''

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حاشیے میں فرماتے ہیں:

''اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شانِ نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی ہے وہ بھی اسی کی مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے، ''اللہ سے اور اس کے رسول ◆ سے جنگ کرنا'' یا ''زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا'' یہ دو الفاظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل ونہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈہ سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔...... مذکورہ بالا حدود جو حق اللہ کے طور پر تمہیں گرفتاری سے قبل توبہ کر لینے سے معاف ہو جاتی ہیں۔ حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے مثلاً اگر کسی کا مال لیا تھا تو ضمان دینا ہوگا۔ قتل کیا تھا تو قصاص لیا جائے گا ہاں ان چیزوں کو معاف کرنے کا حق صاحبِ مال اور ولیٔ

◆ مولانا مودودی تفہیم القرآن کے حاشیے میں تصریح کرتے ہیں اس موقعہ پر خدا اور رسول سے جنگ کی اصطلاح میں اس معنی میں استعمال کی گئی ہے جس معنی میں تعزیرات ہند میں .... کا استعمال ہوتا رہا ہے اسلامی فقہ میں اس سے مراد دو قسم کے جرائم لیے گئے ہیں ایک وہ جن سے مقصود دارالاسلام میں قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کے ذریعہ سے بدنظمی پیدا کرنا ہو دوسرے وہ جن سے مقصود اسلامی نظام کو بزور مٹا کر کوئی غیر اسلامی نظام قائم کرنا ہو۔

Marfat.com

مقتول کو حاصل ہے۔ تنبیہ، اس حد کے سوا باقی حدود مثلاً حد زنا، حد شرب خمر، حد سرقہ، حد قذف توبہ سے مطلقاً ساقط نہیں ہوتیں۔“

۲ مظلوم مسلمانوں کی امداد:-

اس سلسلے میں علماء سورۃ النساء، رکوع ۹ اور سورۃ الانفال رکوع ۱ سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، سورۃ الانفال کے مذکورہ رکوع کے تشریحی نوٹ میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”اور جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہے یعنی دارالحرب سے ہجرت نہ کی ان کی صلح و جنگ میں دارالاسلام میں رہنے والے مسلمان (مہاجرین و انصار) شریک نہیں۔ اگر دارالحرب کے مسلمانوں نے صلح و معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے بلکہ ان سے حسب مصلحت جنگ کر سکتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ دارالحرب کے مسلمان جس وقت دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو اپنے مقدور کے موافق مدد کرنا چاہیئے مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو، اس کے مقابلے میں تابقائے عہد دارالحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جاسکتی۔ نیز توریث باہمی کا سلسلہ جو مہاجرین و انصار میں قائم کیا گیا تھا اس میں بھی دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں تھے۔“

مولانا مودودی تصریح کرتے ہیں:

”جو مسلمان دارالکفر میں رہنا قبول کریں یا رہنے پر مجبور ہوں ان سے دارالاسلام کے تمدنی اور سیاسی تعلقات نہیں رہ سکتے یعنی نہ وہ باہم شادی بیاہ کے رشتے قائم کر سکتے ہیں نہ ان کو ایک دوسرے کا ورثہ اور ترکہ مل سکتا ہے نہ فے اور مال غنیمت سے ان کو کوئی حصہ پہنچ سکتا ہے نہ صدقات کے مصارف میں وہ داخل ہو

Marfat.com

سکتے ہیں اور نہ اسلامی حکومت میں کوئی منصب ان کو دیا جاسکتا ہے جب تک کہ وہ دارالکفر سے ہجرت کر کے دارالاسلام کی رعایا نہ بن جائیں لیکن ولایت کے ان تمام تعلقات کو قطع کر دینے کے باوجود ایک تعلق یعنی نصرت اور مددگاری کا تعلق پھر بھی منقطع نہیں ہوسکتا اگر اس کے دین کو کوئی خطرہ ہو یا اس پر ظلم ہو اور وہ دینی رشتہ کا واسطہ دے کر مدد مانگے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کی مدد کو پہنچیں بشرطیکہ جن کے خلاف مدد مانگی گئی ہو اس سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ نہ ہو کیونکہ معاہدہ ہونے کی حالت میں مسلمانوں کے لے عہد کی پابندی اپنے مسلمان بھائی کی مدد سے زیادہ ضروری ہے اور ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ معاہدہ کی حالت ختم ہونے سے پہلے اس کی مدد کریں۔"

③ فتنہ وفساد:۔

اس سلسلے میں قرآن حکیم میں جن اعمال کی خاص طور سے نشان دہی کی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں:

① کمزوروں پر ظلم و ستم ہونا، ان کے جائز حقوق کا سلب [1] ہوجانا ان کے گھربار کا چھن جانا اور طاقتوروں کے ہاتھوں ان کو ناروا تکلیفیں پہنچنا۔

② حق کا جبر و استبداء سے دب [2] جانا اور قبولِ حق سے لوگوں کا روکا جانا۔

③ جبر، خدع و فریب [3] اور طمع و اکراہ سے اللہ کے راستے سے لوگوں کا روکا جانا۔

④ غیر حق کے لیے جنگ [4]، ناجائز اغراض کے لیے قتل وخون اور جتھہ بندی۔

---

[1] سورۃ النمل ع ۱۴، البقرہ ع ۲

[2] سورۃ یونس ع ۱۹

[3] بنی اسرائیل ع ۸، المائدہ ع ۴

[4] الاحزاب ع ۴، النساء ع ۱۲، الانفال ع ۱

Marfat.com

۵ حکمرانوں کا تکبر، محکوموں کے [1] درمیان نسلی امتیاز وغیرہ سے پھوٹ ڈالنے، انہیں کمزور بنانے اور ناحق قتل کرنے کی پالیسی۔

۶ تجارتی بددیانتی، عام خیانت، تجارتی شاہراہوں [2] پر ڈاکہ زنی۔

۷ انسانی تمدن کی بنیادی قدروں اور باہمی انسانی رشتوں کی بربادی۔

یہ وہ اجتماعی منکرات ہیں جن کو روکنے کے لیے اسلام جبر کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور ان کے مکمل استیصال کے لیے اس کا نظامِ قتال فی سبیل اللہ خود بخود عمل کرنے لگتا ہے۔ ان مخصوص حالات میں جنگ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جس شہر، ملک، معاشرے یا گروہ پر اقدام کیا جائے۔

۱ سب سے پہلے اس کے سامنے اسلام کو پیش کیا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام خود ان تمام اجتماعی خرابیوں کی اصلاح ہے۔ اور جب کوئی معاشرہ، قوم، شہر یا ملک اسلام کا اقرار کرلے گا تو وہ خودبخود اس دائرہ اصلاح میں آجائے گا جو اس جنگ کا مقصد ہے اگر معاشرہ اسلام قبول کرلے تو جنگ جائز نہیں رہتی۔ آنحضرت ﷺ کا عام قاعدہ تھا کہ جب کسی شہر یا معارتی گروہ پر اقدام فرماتے تو اسلامی فوج آبادی سے دور رک جاتی اور اذان دی جاتی اگر آبادی سے جواب میں اذان کی آواز سنائی دیتی تو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔

۲ اگر مدمقابل اسلام قبول کرنے سے انکار کردے تو اسے جبراً اسلام میں شامل کرنے کی اجازت نہیں بلکہ حکم ہے کہ اسے جزیہ دینے کے لیے کہا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلی مقصد ان حالات کی اصلاح ہے جزیہ دینے پر رضا مند ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے نے اسلام کے نظامِ تبلیغ کے لیے راستے کھول دیئے اور جن لوگوں کے دل میں طلب حق کی چنگاری موجود ہے وہ حق سے محض اس لیے محروم نہیں رہیں گے

---

[1] القصص ع ۱،۴، طٰہٰ ع ۳، الشعراء ع ۲، الزخرف ع ۵، ہود ع ۹

[2] السجدۃ ع ۲، الاعراف ع ۱۱، ہود ع ۸

Marfat.com

کہ ان کی قبولِ حق کی استعداد پر پہرے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اللہ کا راستہ صاف ہو جائے گا اور ان کے لیے بہتری کے مواقع بہتر طور پر پیدا ہو جائیں گے۔

③ اگر مقابلہ کرنے والوں کو یہ بھی قبول نہ ہو تو پھر لڑائی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، قبولِ حق کی استعداد پر لگے ہوئے طرح طرح کے پہروں کو بہر طور ہٹنا ہی چاہیئے اور جہاں جہاں طلب حق کی چنگاری موجود ہے اس کے لیے فروزاں ہونے کے مواقع بہر قیمت بہم پہنچنے چاہیں اگر ایسا نہ ہوا تو یہ ان ظالموں کی پشت پناہی ہوگی جو حق کی طلب رکھنے والوں کا راستہ روکے ہوئے ہے اور ان مظلوموں کی داد رسی میں کوتاہی ہوگی جو حق کا راستہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ خدا کا راستہ روکنا ہوگا اور دنیا کو مرکزیت اور قانونیت سے محروم رکھنے کے ہم معنی ہوگا۔

قتال فی سبیل اللہ اور عام جنگوں کا فرق:۔

یہ ان تین بڑے مقاصد کی وضاحت ہے جن کے لیے اسلام جنگ کرنے اور جان لینے یا جان دینے کے شدید عمل کو جائز سمجھتا ہے اور یہی وہ مفہوم ہے جو ''قتال فی سبیل اللہ'' کی اصطلاح میں ادا کیا جاتا ہے۔ اب مختصراً ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ''جنگ برائے جنگ'' اور ''قتال فی سبیل اللہ'' کا فرق کیا ہے اس سلسلے میں علماء کی اکثریت بخاری اور مسلم کی ایک مشترک حدیث پیش کرتی ہے۔ ترجمہ حسب ذیل ہے:

> ''ابی موسیٰ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ایک شخص ہے جو مالِ غنیمت کے لیے قتال کرتا ہے۔ ایک اور شخص اپنی بہادری دکھانے کے لیے لڑتا ہے ایک اور شخص ہے جو نام و نمود کے لیے جنگ کرتا ہے ان میں سے کون سی جنگ قتال فی سبیل اللہ (اللہ کے لیے) ہوگی فرمایا جو اس لیے لڑا کہ اللہ کا نام بلند ہو (اس کی جنگ) اللہ کے لیے ہوگی۔''

Marfat.com

اسی مضمون کی ایک دوسری روایت کے راوی بھی حضرت ابی موسیٰ اشعری ہی ہیں:

''ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور بولا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! قتال فی سبیل اللہ کیا ہے۔ ہم میں سے کوئی غصے کے جوش میں لڑتا ہے اور کوئی حمیتِ قومی کی بنا پر۔ آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور جواب دیا کہ جو شخص اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے لڑتا ہے اسی کی جنگ راہِ خدا میں ہے۔

دو اور حدیثیں اس فرق کو واضح کرتی ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس کسی نے ایک بالشت بھر زمین بھی ظلم سے حاصل کی اللہ اس کے گلے میں قیامت کے دن اس جیسی سات زمینوں کا طوق لٹکائے گا۔'' (مسلم)

اس حدیث کی روشنی میں ملکوں یا قطعاتِ ارضی کے حصول کے لیے جنگ ممنوع قرار پاتی ہے۔

دوسری حدیث کے یہ الفاظ ہیں:

''یہ مال و دولت ایک لذیذ چیز ہے جب کسی نے اسے حق کے ساتھ حاصل کیا اور حق کی جگہ خرچ کیا اس کے لیے تو وہ بہترین توشہ ہے لیکن جس نے اسے بغیر حق کے حاصل کیا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھائے مگر میسر نہ ہو۔''

گویا حصول مال یا دولت آفرین وسائل پر قابض ہونے کے لیے جنگ بغیر حق ہے اور سراسر ممنوع۔ اب آپ قدیم سے لے کر جدید ترین جنگوں کی پوری تاریخ دیکھ جائے۔ آپ محسوس کریں گے کہ تمام جنگیں قطعاتِ ارضی کو حاصل کرنے یا ان کے دولت آفرین وسائل پر قابض ہونے کے لیے لڑی گئیں۔ اسلام کی جنگ اور غیر اسلامی جنگ یا قتال فی سبیل اللہ اور عام جنگوں میں فرق یہی ہے کہ قتال فی سبیل اللہ دنیا کی اصلاح کے لیے لڑی جاتی ہے اور دنیا میں خدا کے قانون کی حکومت کے لیے جان دی جاتی اور جان لی جاتی ہے اس کے برعکس عام جنگوں کے مقاصد طلبِ منفعت کے دائرے سے باہر نہیں ہوتے۔

Marfat.com

نتیجہ:-

اوپر درج شدہ اصول وضوابط اور ان کے متعلق بحث کو اگر مختصر لفظوں میں سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو یہ کہا جاسکے گا کہ اسلام اس وقت تک میدانِ جنگ میں نہیں اترتا جب تک:

(۱) اس کے مراکز پر حملہ نہ ہو۔

(۲) مراکز سے باہر رہائش پذیر مسلمان غیر معاہدہ دشمنوں کے مقابلے میں مدد طلب نہ کریں۔

(۳) اور ایسے لوگوں کے ذہن، فکر اور روح کے تقاضوں پر پہرے بٹھا کر ان کی ذہنی آزادی کو سلب نہ کرلیا جائے جو اسلام کے دائرے میں شامل ہونے اور اس کی تعلیمات کو قبول کر کے اپنی زندگی کو مرکزیت اور قانونیت کے قانونِ الٰہیہ کے مطابق ڈھالنے کے آرزو مند ہوں۔ گویا اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلتا اور نہ پھیلایا جاتا ہے بلکہ اسلام کی تلوار ان تلواروں کو کاٹنے کے لیے بے نیام ہو جاتی ہے جو قبولِ حق کی استعداد رکھنے والے ذہنوں پر لٹک رہی ہوں اور جادۂ حق پر چلنے والوں کا راستہ روکے ہوئے ہوں۔

مسلمان میدانِ جنگ میں:-

جو قوم ان اعلیٰ اخلاقی مقاصد کے حصول کے لیے جان لینے اور جان دینے کا اقدام کرے گی اس سے یہ توقع بھی ہونی چاہیئے کہ میدانِ جنگ میں اس کا عمل ان اقوام سے مختلف ہوگا جو اخلاقی مقاصد کے بجائے تجارتی یا مملکتی مقاصد کے لیے میدان میں اترتی ہیں۔ اسلام اس توقع پر پورا اترتا ہے اور اس کے قوانین جنگ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ دعویٰ پورے اعتماد کے ساتھ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے اپنی پیش رو اور ہم عصر دنیا کے جنگ کے طریقوں میں بنیادی اور دور رس اصلاحات کیں اور آنے والی دنیا کے لیے راستہ ہموار کردیا۔

مطالعہ میں آسانی کی خاطر ان قوانین کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) قدیم جنگی طریقوں کے ایسے پہلوؤں کو یک قلم منسوخ کردیا گیا جو سرتاسر غیر منصفانہ

Marfat.com

اور نقصان دہ تھے۔

② ایسے طریقے جن میں نقصان کے ساتھ ساتھ منافع کے پہلو بھی تھے اور جن کی یک سر تنیخ معاشرے کو نقصانات سے محفوظ کر دینے کے ساتھ ساتھ فوائد سے بھی محروم کر دیتی قطعی طور پر منسوخ نہیں ہوئے بلکہ ان میں ایسی بنیادی ترمیم کر دی گئی جس سے ان کا نقصان دہ پہلو کم سے کم نقصان کا موجب رہ گیا۔ اور مفید پہلو کی افادیت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو گیا۔

تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلی صورت میں حرمت قطعی اور حتمی ہے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی یا خامی کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ اس میں یہ احکام شامل ہیں:

① بوڑھوں، عورتوں، بچوں، معذور، گوشہ نشین راہبوں اور ان لوگوں کو جو کسی اور وجہ سے جنگ میں حصہ لینے کے قابل نہ ہوں قتل کرنا منع ہے اس کے لیے اہل حرب اور غیر اہل حرب کی تخصیص کی گئی اور صرف ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی جو لڑ رہے ہوں، جاسوسی کر رہے ہوں یا کسی اور طریقے سے جنگ میں شامل ہوں۔ اس طرح اسلام نے جنگ اور قتل عام کا فرق واضح کر دیا اور اسی اصول کے مطابق ایٹم بم کے ذریعہ ہیروشیما کی تباہی نہ صرف حرام بلکہ قابلِ تعزیر ہے۔

② تمام عبادت گاہیں قانوناً جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہیں۔

③ مقتول دشمن کا چہرہ بگاڑنا یا اس کے اعضاء کو کاٹنا ممنوع ہے۔

④ عہد کی پابندی مسلمان کے لیے مذہبی فریضہ ہے اور کسی بھی مصلحت، کسی بھی بہانے اور کسی بھی چال سے عہد سے روگردانی جائز نہیں۔

⑤ اسیرانِ جنگ کو قتل کرنے کی ممانعت ہے حکم ہے کہ ان کے ساتھ انتہا درجے ملائمت اور نرمی کا سلوک کیا جائے۔ قانون ہے کہ اختتامِ جنگ پر حسب مصلحت

(الف) اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ ان کا تبادلہ کر لیا جائے۔

Marfat.com

(ب) فدیہ لیے بغیر انہیں آزاد کر دیا جائے۔

(ج) فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔

(د) اور اگر ان کو قید میں رکھنا ضروری ہو تو اس عرصے میں ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔

لونڈی اور غلام:-

دوسری یعنی ترمیم و اصلاح کے بعد قدیم رواج کو برقرار رکھنے کی صورت میں سرفہرست جنگی غلاموں اور لونڈیوں کا مسئلہ ہے۔ اسلام کے پیش رو اور اس کے ہم عصر معاشروں کی بعض ناگزیر جنگی ضرورتیں تھیں۔ مثلاً دنیا کی آبادی میں اٹھارہویں صدی کے وسط میں اضافہ ہونا شروع ہوا ہے۔ چنانچہ اکبر اعظم کے عہد میں ہندوستان کی کل آبادی ایک تخمینے کے مطابق دس کروڑ تھی۔ آج پاکستان اور بھارت کی کل آبادی پچپن کروڑ سے زائد ہے اور سولھویں صدی میں ایک اندازے کے مطابق چین کی کل آبادی دس کروڑ سے زائد نہ تھی۔ آج صرف عوامی جمہوریہ چین کی آبادی کا اندازہ پینسٹھ کروڑ کیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یعنی آج سے دو ہزار سال قبل دنیا کی کل آبادی دہائی ارب سے زیادہ نہ تھی۔ آج صرف چین اور برصغیر پاک و بھارت کی آبادی سوا ارب کے قریب ہے۔ آبادی کی اس صورت حال کی وجہ سے اکثر معاشروں کو دولت آفرین وسائل کے پورے استعمال کے لیے آبادی کی قلت کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس کے علاوہ جنگی قیدیوں کے تبادلے کا رواج اتنا عام نہ تھا۔ جنگی قیدی یا قتل کر دیئے جاتے تھے یا غلامی کے بدلے اپنی زندگی کا سودا کر لیتے تھے۔ عورتوں کے لیے اس سے زیادہ مشکل تھی۔ جنگ میں گرفتار ہونے کے بعد ان کا معاشرہ انہیں دوبارہ اپنے اندر قبول کرنے اور جذب کرنے پر تیار نہیں ہوتا تھا یہ ناگزیر صورتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے معاشرہ جنگی قیدیوں کو غلام اور جنگ میں ہاتھ آئی ہوئی عورتوں کو کنیزیں بنا لینے کے سوا کوئی دوسرا علاج نہ سوچ سکا۔

اسلام کی پیش رُو دنیا کے وہ علاقے جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ کہلاتے تھے غلام اور آقا

Marfat.com

کے طبقوں میں تقسیم تھے۔ آریائی فاتحین کی تین شاخیں تین مختلف تہذیبیں پیدا کر چکی تھی۔ ایک شاخ نے ہندوستان میں برہمنی تہذیب کی تخلیق کی۔ دوسری نے ایران میں آتش پرستی کے گرد نور وظلمت کے تصویر پر ایک عظیم الشان تہذیب کو جنم دیا اور تیسری نے پہلے یونان اور پھر رومی تہذیب کی تشکیل کی۔ ان تینوں تہذیبوں کی قدر مشترک یہ ہے کہ انہوں نے مفتوحہ علاقوں کے اصلی باشندوں کو غلام بنا کر معاشرے کے انتہائی ذلیل اور نچلے درجے میں جھونک دیا۔ ہندوستان میں مفتوحہ قومیں اور قبائل شودر بنا دیئے گئے۔ یونان اور پھر روم میں انہیں غلامی کی اس پستی تک اتار دیا گیا کہ ان کی موت آقاؤں کا کھیل بن گئی اور ان کی زندگی کیڑے مکوڑے سے بھی ارزاں ہ گئی۔ یہ مردوں کی کہانی ہے۔ غلام عورتوں اور غلام زادیوں کی حالت کے بارے میں اسی پر قیاس کر لیجئے۔

اسلام نے اس ماحول میں اپنی آواز بلند کی۔ تاریخی طور پر اسلام قدیم اور جدید دنیا کا سنگھم ہے اور اگر اسلام کی تاریخ کو تعصب کی عینک اتار کر علمی اور غیر جذباتی طریقے سے پڑھا جائے تو ہر پڑھنے والے پر یہ راز منکشف ہوگا کہ قدیم دنیا کی خاتم اور نئی دنیا کا دروازہ کھولنے والی قوت کی حیثیت سے اسلام ایک عصر ساز تحریک ہے اور اگر یہ تحریک نہ آتی تو دنیا اس وقت تک دورِ تجدید کے انتظار میں چشم براہ ہوتی۔

اس حیثیت میں اسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں دنیا پر فکر و عمل کی نئی راہیں کھولی ہیں غلامی کا مسئلہ اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ ہر غیر متعصب طالب علم کو یہ محسوس کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ اسلام نے اس رواج کے ان فوائد کو محسوس کیا جو مذکورہ بالا ناگزیر معاشرتی ضرورتوں کی وجہ سے معاشرے کو حاصل ہو رہے تھے اور اس رواج پر یک قلم خطِ تنسیخ پھیر کر ان فوائد سے معاشرے کو محروم نہیں کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس رواج کو ایسی شرائط کے اندر پابند کر دیا کہ اس کے نقصان دہ اور غیر منصفانہ پہلو ختم ہو گئے۔ اُس تاریخ ساز تبدیلی کی ایک جھلک اُن اصول وضوابط کی فہرست میں نظر آئے گی۔ جن کے ماتحت غلام رکھنے اور کنیزوں سے تمتع کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ قانون ہے کہ:

Marfat.com

① آقا اور غلام کی خوراک، لباس اور رہائش میں کوئی فرق روا نہ رکھا جائے۔

② غلام کو اپنی آزادی آپ خریدنے کا حق دیا جائے۔

③ غلام کی ذہنی آزادی کا احترام کیا جائے اور اگر وہ جوہر قابل ہے تو اس کی ترتیب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔

④ غلام کی جان، مال اور آبرو قانون کی نظروں میں آقا کی جان، مال اور آبرو کے برابر ہے اور قانون ان میں کوئی فرق نہیں کرتا۔

⑤ غلام کو شادی کرنے اور اپنی انفرادی معاشرتی زندگی گزارنے کے حق سے محروم نہ کیا جائے۔

⑥ اپنے غلام کو آزاد کرنا یا دوسرے سے غلام کو خرید کر آزاد کر دینا اسلام میں بہترین نیکی شمار ہوتی ہے اور کئی ایسے گناہ ہیں جن کا کفار غلام آزاد کرنے سے ادا ہو جاتا ہے یہ وہ اصول ہیں جن کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لیے غلامی نعمت بن گئی۔ اور یہ صرف تھیوری نہیں ہے اس نظامِ اصلاح کی افادیت کے ہزاروں ثبوت اسلامی تاریخ کے اوراق میں بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ محض حسن ظن نہیں تاریخی حقائق ہیں کہ دنیا کا کوئی معاشرہ افادیت کے باب میں اس نظام کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اٹھارویں صدی عیسوی تک امریکہ کے حبشی غلاموں کی حیات و موت آقاؤں کے رحم و کرم پر تھی۔ آزادی کا پروانہ مل جانے کے بعد سے لے کر آج تک کالے اور گورے کی تفریق قائم ہے اور امریکی معاشرہ انسانی آزادی اور مساوی حقوق کے چیختے چنگھاڑتے دعووں کے باوجود کسی کالے فورڈ یا تیل کے حبشی شہنشاہ پر ناز نہیں کر سکتا اس کے برعکس اس مخصوص شعبے میں اصلاحات کی اسلامی تاریخ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارث، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی سے شروع ہوئی۔ اور اس آسمان پر ہزاروں نام آفتاب و مہتاب کی طرح جگمگائے جنہوں نے ملک گیری، علم و ادب، سائنس، طب اور علوم فلکی کی راہوں کو اجال دیا۔ مسلمان

Marfat.com

معاشرے کی گردن ان ناموں کے سامنے احترام سے خم ہے۔

مالِ غنیمت اور فے :-

اسی ضمن میں دوسرا اہم مسئلہ مالِ غنیمت کا ہے جنگی اصطلاح میں مالِ غنیمت مفتوح قوم کے اس مال کو کہا جاتا ہے جو جنگ کے بعد فاتح قوم کے سپاہیوں کے ہاتھ لگے اور ان کی قانونی ملک قرار پائے۔

اسلام کے پیش رو اور ہم عصر معاشروں میں باقاعدہ فوج کا وجود نہ تھا۔ ضرورت کے وقت عام اعلان کر دیا جاتا اور جنگ کے قابلِ تربیت یافتہ شہری جمع ہو کر فوج کی صورت اختیار کر لیتے۔ ہلاکو اور چنگیز تو خیر تہذیب کے دائرے سے باہر خیال کیے جاتے ہیں سکندر اعظم کی فوج بھی اسی انداز سے جمع ہوئی تھی اور سکندر اعظم اسی غول کو لے کر دنیا کو فتح کرنے کے لیے نکلا تھا۔ وہ سلطنتیں جن کا بقا و قیام ہی جنگوں پر تھا (مثلاً ایران اور روم کی سلطنتیں) ان کے یہاں جنگی سرداروں کا نظام رائج تھا جو معیشی میدان میں جاگیرداری نظام کی شکل اختیار کر لیتا تھا جنگ کی صورت میں جنگی سردار اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اعلانِ عام کرتے اور اپنی اپنی فوج لے کر شاہی فوج میں شامل ہو جاتے۔ آخری تجزیئے میں اس نظام نے بھی افواج کی تنظیم کی پرانی صورت میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی تھی آسانی کی خاطر معاشرے کو تقسیم کر لیا گیا تھا۔

فوج کے اجتماع کے اس طریقے کا منطقی تقاضا یہ تھا کہ جن لوگوں کو جان لینے اور جان دینے کے شدید عمل کے لیے پکارا جائے ان کے سامنے اس عمل کے لیے کوئی بڑا مقصد ہونا چاہیئے۔ کسی مرغوب اور خواہش کے عین مطابق مقصد کے بغیر لوگوں کو اس انتہائی عمل پر تیار نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام کے پیش رو اور ہم عصر معاشروں نے زر، زن اور زمین کی انسانی کمزوری کو اس عمل کے لیے مقصد کے طور پر پیش کیا یہ مقصد آج بھی دنیا کی اکثریت کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا۔ اگر آپ پوری دنیا کی جنگوں میں سے ٹھیٹھ اسلامی جنگوں کو نکال دیں تو بہت کم جنگیں باقی رہ جائیں گی جو ان مقاصد کے لیے نہ لڑی گئی ہوں۔ ستمبر

Marfat.com

۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان پر اس لیے حملہ کیا کہ کشمیر کی ''زمین'' پر اس کا قبضہ برقرار رہ سکے۔ ایک لاکھ سے زائد کشمیری صرف ان سترہ دنوں میں اس ''قطعہ زمین'' سے خارج کر دیے گئے۔ امریکہ سات سمندر عبور کر کے ویت نام میں جان دینے اور جان لینے کے عمل میں مصروف ہے اور اس کا مقصد بعض مفادات کا ''تحفظ'' بیان کیا جاتا ہے جن میں تجارت کے ذریعہ ''زر'' حاصل کرنے کا مفاد سرِفہرست ہے۔

اسلام کے پیش رو اور ہم عصر معاشرے زیادہ پیچیدہ نہ تھے اس لیے وہ اپنے مقاصد کو سفارتی الفاظ کے گورکھ دھندوں میں ملفوف نہیں کرتے تھے ان تمام معاشروں کے سامنے جنگ کا بنیادی مقصد وہی تھا جس کے لیے عرب ''غنیمت اور فے'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ ہر معاشرے کو اس سے کچھ فوائد بھی حاصل ہوتے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور انسانی معاشرت کے میدان میں اس کے بعض اہم اور نہایت مؤثر نقصانات بھی ہوتے تھے۔

اسلام نے اپنے مخصوص کلیے کے مطابق اس عام اور عالمگیر رواج میں کچھ ترمیمات کیں اور اسے اسلامی معاشرے کے لیے جائز قرار دے دیا۔ ترمیمات حسب ذیل ہیں:-

① پہلی دفعہ مالِ غنیمت کے مفہوم کا تعین ہے جس میں امر و نہی کے واضح حدود متعین کیے گئے اور ان کی پابندی کو فرض قرار دیا گیا۔ چنانچہ اصول بنا کر صرف اس مال کو مالِ غنیمت قرار دیا جائے گا جو میدانِ جنگ میں دشمن کی فوج سے فاتح مسلمانوں کے ہاتھ لگے وہ مالِ غنیمت کی جائز حدود سے باہر ہے اور غنیمت نہیں کہلا سکتا جو:

① غیر فوجی پرامن آبادیوں سے لُوٹا جائے۔

② جنگ کیے بغیر صلح یا امان کے ذریعہ مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اس کے لیے اسلامی فقہ میں ''فے'' کا لفظ ہے۔

③ عمل قتال کے ختم ہو جانے کے بعد اسلامی فوج کے قبضے میں آئے۔

④ وہ املاک جو جنگی کارروائی کے نتیجہ میں دشمن کی حکومت کی ملک سے نکل کر

Marfat.com

اسلامی حکومت کی ملک میں آجائیں۔

گویا غنیمت کی اصطلاح کا اطلاق ان ہتھیاروں، کپڑوں، راشن، سامانِ رسل و وصل اور افرادی قوت (اسیرانِ جنگ اور غلاموں کے متعلق جملہ شرائط وضوابط کے ساتھ) وغیرہ تک محدود رہ گیا جو میدانِ جنگ کی حدود میں موجود ہیں۔ ان حدود سے باہر کی کوئی چیز غنیمت نہیں ہے۔ اس کا ایک قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ اسلام کے پیشرو ہم عصر اور بعد میں آنے والے معاشروں کے طریق جنگ کا وہ مستقل اور مشترک عنصر جو عام لوٹ کھسوٹ اور سلب ونہلب کا ہم معنی ہے اس ترمیم کے ذریعہ ضعیف تر کر دیا گیا ہے۔

(۲) دوسری دفعہ اس محدود مفہوم کے تحت حاصل ہونے والے مال کی مقدار کو کمتر کر دیا گیا۔ حکم ہوا کہ میدانِ جنگ میں ہر سپاہی جس چیز پر قبضہ کر لے وہ براہِ راست اور بلا واسطہ اس کی ملک نہیں ہے۔ بلکہ سپاہی کا فرض ہے کہ وہ اس طرح حاصل ہونے والی تمام چیزوں کو یہاں تک کہ رسی کے ایک ٹکڑے کو بھی پوری دیانت داری اور قلب و ذہن پر خیانت کی کسی پرچھائیں کو پڑنے کی اجازت دیے بغیر سالارِ لشکر کے سامنے لا کر ایک جگہ جمع کر دے۔ سالارِ لشکر کل سامان کا پانچواں حصہ بحق ریاست علیحدہ کر لے گا اور بقیہ سامان لشکریوں پر تقسیم کر دے گا۔

یہاں یہ بات نوٹ کر لینے کی ہے کہ قدیم اور جدید دنیاؤں کے سنگھم پر قائم ہونے والی ''امتِ وسطی'' قدیم کی بے نظمی اور لاقانونیت کو ختم کر کے جدید کے نظم وضبط اور قانونیت کا دروازہ کھول رہی ہے اور دنیا میں منصفانہ توازن کے عہد کی آفرینش ہو رہی ہے۔

(۳) اس اہم ضابطے کی تیسری اور اہم ترین دفعہ وہ ہے جس کے ذریعہ غنیمت کو ناپسندیدہ بنا دیا گیا۔ اور ان دونوں دفعات کو اس کے تابع کر دیا گیا۔ اصول قائم کیا گیا کہ جو جنگ حصولِ غنیمت کے مقصد سے کی جائے گی وہ اور کچھ ہو تو ہو قتال فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہیں ہوگی اور آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

یہ بلند ترین اخلاقی آئیڈیل ہے جس تک پہنچنے کی ہر مسلمان کوشش کرتا رہا اور کر رہا

Marfat.com

ہے۔غور کیجئے کہ اس دفعہ کے تحت اگر وہ آئیڈیل حاصل ہو جائے جو اسلام حاصل کرنا چاہتا ہے اور جسے اسلام کی تاریخ نے ایک بار نہیں بار بار حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ یہ قابلِ عمل ہے تو دنیا میں جنگوں کی حالت کیا ہوگی اور دنیا کتنی بہتر جائے رہائش بن سکتی ہے۔

اسلام کا قانونِ صلح:۔

اس سلسلے کا آخری اور نہایت اہم شعبہ وہ ہے جسے قانونِ صلح کی اصطلاح میں بیان کیا جاسکتا ہے:

اسلام کے پیشترو، ہم عصر اور بعد میں آنے والے تمام معاشروں میں جنگ کے بعد صلح کے واقعات ملتے ہیں۔ اور مدتوں تاریخ نویسی کا ایک اسلوب یہ بھی رہا کہ واقعاتِ جنگ و صلح کو جمع کر دیا جاتا اور اسی کو انسانی تجربہ یا تاریخ کا نام دے دیا جاتا لیکن اگر آپ اس سارے پشتارے کو پڑھیں (اور ہم میں سے کچھ لوگ یقیناً ایسے نکل آئیں گے جنہوں نے اسے پڑھا ہے) تو ایک بات جو بار بار ذہن میں آئے گی یہ ہے کہ دنیا نے اپنی تاریخ کو ابتدا سے لے کر آج تک نہ جنگ کو اخلاقی اصولوں کے تابع سمجھا ہے اور نہ ہی صلح کو۔ آخری تجزیئے میں یہ بات نکلے گی کہ کچھ لوگوں کے کچھ مفادات تھے ان مفادات کو حقیقی یا فرضی خطرے لاحق ہو گئے ان خطرات کی تہہ میں اکثر و بیشتر ذاتی اغراض، ذاتی مقاصد یا ذاتی خواہشات کارفرما تھیں۔ یہ خواہشات مملکتی، سیاسی اور تجارتی توسیع کی بھی ہوسکتی ہیں اور محض برتری منوانے کی بھی۔ ان خواہشات، اغراض، مقاصد اور خطرات کے ملغوبے سے تیار کیا ہوا ایک بلند آہنگ اور محتاط و منتخب الفاظ میں بیان کردہ فلسفہ پیدا ہوا اور جنگ شروع ہوگئی۔

ایرانیوں اور یونانیوں کی قدیم لڑائیاں اسی طرح شروع ہوئی تھیں اس کی جدید ترین مثال عوامی جمہوریہ چین کو پابند رکھنے اور اس کا راستہ روکے رکھنے کا فلسفہ ہے۔ چند سال قبل یہی فلسفہ کمیونزم کی لعنت سے دنیا کو محفوظ رکھنے کے نام سے مشہور تھا۔ اس سے قبل ایک فریق نے دنیا سے یہودیت کی لعنت کو ختم کر کے آریائی عظمت کا پرچم لہرایا اور اس کو نازیت کا نام

Marfat.com

دیا۔ دوسرے فریق نے یہودی النسل نہ ہونے کے باوجود نازیت کو لعنت قرار دیا اور اس کی خطرناکیوں سے دنیا کو بچانے کا دعویٰ کیا۔ اس سے پہلے مشرق کو غیر مہذب اور وحشی قرار دے کر مغرب نے معلم تہذیب کا لبادہ اوڑھا۔ و علی ھذا القیاس۔ ان فلسفوں کے تحت جتنی جنگیں لڑی گئیں وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوئیں جب تک دونوں میں سے ایک فریق کا مکمل صفایا نہیں ہو گیا نو آبادیاں قائم کرنے کے اعلان کے ساتھ جنگ پندرھویں صدی عیسوی کے وسطی عہد میں شروع ہوئی۔ اور ہندوستان میں ۱۸۵۸ء میں اس کا آخری معرکہ ہوا جرمنی اور انگلستان کی جنگ کے نام سے نیا سلسلہ شروع کیا گیا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک مسلمانوں میں سے خلافت کا جذبہ ختم نہیں کر دیا گیا اور مسلم بلاک کو ایسے حصوں میں تقسیم نہیں کر دیا گیا کہ ان کے دوبارہ متحد ہونے کا بظاہر کوئی امکان نہ رہے۔ دوسری عالمگیر جنگ اس وقت تک ختم نہیں ہوئی جب تک مشرق میں ابھرتے ہوئے نئے تجارتی اور صنعتی حریف جاپان کو ایک طویل عرصے کے لیے منسوخ نہیں کیا گیا۔ ان تمام جنگوں کے درمیان صلح کی کسی صورت پر کبھی غور نہیں کیا گیا اور کوئی ایسا موقع نہیں دیا گیا جس میں تالیف قلوب کا انسانی اخلاقی طریقِ عمل بروئے عمل آسکتا۔ اس کی وجہ ایک اور صرف ایک تھی کہ مقصد جنگ اخلاقی اصول واقدار کا قیام واستحکام نہ تھا بلکہ اصل مقصد مشرق کے دولت آفرین وسائل پر مغرب کا مکمل تسلط قائم کرنا اور مشرق میں لاغیری کا ڈنکا بجانا تھا۔ مقصد کے اس ڈھانچے میں تالیفِ قلب کی کوشش کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے اس کا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ ویت نام کی جنگ نو آبادیات قائم کرنے کی اسی جنگ کا تیسرا حصہ ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کو اس نام سے نہیں پکارا جاتا لیکن آخری تجزیئے میں جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ پہلے تجارتی مفادات کی حفاظت کے لیے نو آبادیاں بنائی جاتی تھیں اور انتظامی اور سیاسی امور کی کوئی ذمہ داری بھی لی جاتی تھی۔ اب دنیا پہلے سے بہت چھوٹی ہو گئی ہے اور بڑی طاقتیں اپنے اپنے جغرافیائی حدود میں بیٹھ کر مشینی اور سائنسی وسائل کے ذریعہ اپنے تجارتی مفادات کو کنٹرول کر سکتی ہیں۔ اس آسانی کے پیشِ نظر سیاسی اور

Marfat.com

انتظامی امور کی ذمہ داری سے دست برداری کا اعلان کر دیا گیا۔ اور ملکوں کی سیاسی آزادی کا فلسفہ پیش کیا گیا۔ جہاں کوئی ایسا نقطہ آتا ہے جو اس کنٹرول میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہو وہاں سی آئی اے سے لے کر خطرناک ترین ہلاکت آفرین اسلحہ حرکت میں آجاتا ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد ہونے والی جنگوں میں سے کوئی جنگ ایسی نہیں، جو اخلاقی اصول وضوابط کے مطابق لڑی گئی ہو اس لیے منطقی طور پر ان کے ضابطوں میں صلح کے کسی ضابطے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

اس کے برعکس اسلام کی جنگیں باقاعدہ نظام اخلاق کے تحت لڑی گئیں۔ اُن کی ایک جھلک گزشتہ سطور میں آپ نے دیکھی۔ قدرتی طور پر اس نظام میں صلح کا بھی ایک اخلاقی نظام موجود رہنا چاہیے اس کی وضاحت حسب ذیل ہیں۔

① حکم ہے کہ اگر کوئی دشمن ہتھیار ڈال دے اور زبان سے یا زبانِ حال سے امان مانگ لے تو اس پر ہاتھ اٹھانے کا حق نہیں رہتا۔

① دشمن قوم کے افراد اگر اکا دکا مل جائیں اور امان مانگ لیں تو ان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے بلکہ انہیں امن کے ساتھ رہنے دیا جائے اور اپنے وطن کو لوٹنا چاہیں تو ان کو بخیریت وہاں پہنچا دیا جائے۔

③ دارالحرب سے جو لوگ تجارت، سیاحت یا حصولِ تعلیم کے لیے دارالاسلام میں آنا چاہیں انہیں اجازت دے دینی چاہیے۔ بشرطیکہ وہ حکومت اسلامیہ کی پناہ میں رہنا چاہیں۔ انہیں دارالاسلام میں نقل وحرکت کی پوری آزادی ہونی چاہیے۔ فقہائے حنفیہ ایسے لوگوں کے لیے ایک سال مدتِ قیام مقرر کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے جزیہ لینے کی اجازت نہیں۔ بڑے سے بڑے جرم کی وہی سزا ہوگی۔ جو عام شہری کے لیے مقرر ہے یہاں تک کہ اگر دارالاسلام کی خبریں دشمنوں کو پہنچاتے ہوئے پکڑے جائیں تب بھی صرف اس جرم کی سزا دی جائے گی۔ البتہ اگر دارالاسلام کا کوئی شہری اسے قتل کر دے تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ صرف دیت لے کر چھوڑ دیا جائے گا۔

Marfat.com

حرفِ آخر

اسلام کے قوانینِ جنگ وصلح کا نقشہ آپ کے سامنے ہے۔ داعیٔ اسلام ﷺ نے ان قوانین پر کس طرح عمل کیا۔ اس کا نقشہ بھی راقم کی کوتاہیوں کے باوجود کچھ نہ کچھ ذہن میں آ گیا ہوگا۔ ان کے متعلق رائے قائم کرنا ہر فرد کا انفرادی ذہنی حق ہے، جس کی آزادی اسے بہرحال حاصل ہوتی ہے۔ اعتراضات اور شبہات خلافِ توقع یا خلافِ معمول قرار نہیں پا سکتے لیکن اسلام ہو یا دنیا کی کوئی انقلابی تحریک اس کو سمجھنے اور اس کی حقیقی قدر کا اندازہ کرنے کے لیے چند اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

① تحریک کن حالات میں پیدا ہوئی؟

② اس نے ان حالات میں کون کون سی نظری تبدیلیاں کیں؟

③ ان پر کس طریقے سے عمل کیا؟

④ کیا یہ قابلِ عمل اور نتیجہ خیز ثابت ہوئیں؟

⑤ ان کے نتائج میں کس قسم کا معاشرہ قائم ہوا؟

⑥ کیا اس کے اصول وضوابط ہر حالت میں نتیجہ خیز ثابت ہو سکتے ہیں؟

یہ چند سوالات ہیں جن کا جواب معلوم کیے بغیر کسی تحریک کو سمجھنا اور اس کی حقیقی اقدار کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

اسلام کی اہمیت انہی سوالات کے جوابات میں مضمر ہے اور اگر یہ سطور خاص طور پر ذہین نوجوان طبقے کے ذہن میں ان سوالات کے جواب کی تلاش وجستجو پیدا کر دیں تو راقم اسے اللہ کا خاص احسان اور اپنی کامیابی سمجھے گا۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جہاد میں

اسلام بک ڈپو
042-37112941

Marfat.com